نافلۂ مہدی

سیرت و سوانح حضرت مرزا مظفر احمد صاحب
المعروف ایم ایم احمد

مرتبہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

حضرت مرزا مظفر احمد صاحب المعروف ایم ایم احمد کی چند یادگار تصاویر

نافلۂ مہدی

سیرت وسوانح صاحبزادہ مرزا مظفر احمد

المعروف ایم۔ایم۔احمد صاحب

سابق مشیر خصوصی (برائے خزانہ) صدر پاکستان،

ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن پاکستان

مؤلّفہ
رانا عبدالرزاق خان۔لندن

نام کتاب: سیرت سوانح صاحبزادہ مرزا مظفر احمد المعروف ایم۔ایم۔احمد
مؤلّفہ رانا عبدالرزاق خان
فون 00447886304637
ناشر؛ قندیل پبلشرز اکیڈمی، لندن یو کے
مقام اشاعت: لندن
سال اشاعت: مئی 2024ء

رابطہ و کتاب ملنے کا پتہ

103 Peterborough

RoadSM5 1EE London UK.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی شخصیت اور خدمات پر لکھنے کا مقصد

خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی توفیق سے مجھ جیسا کمترین شخص اس عظیم المرتبہ شخصیت کے متعلق کچھ لکھ سکے اور احباب جماعت کے مذکورہ حالات مدون کر سکے۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے میں بہت سی بزرگ ہستیوں کی دعائیں اور تعاون شامل ہے۔ ہمیں آئندہ بھی دین کے بزرگ خدمت گاروں کی خدمات اور ان کے کردار کو اگلی نسلوں کو روشناس کروانے کے لئے قلم اُٹھاتے رہنا چاہیئے۔ تا کہ آئندہ بھی ایسے سلطانانِ نصیر کو پڑھ کر آنے والے مومنین ایسے کردار بننے کی کوشش کریں۔ اور خلافت احمدیہ ایک شجر سایہ دار کی طرح سایہ فگن رہے۔ ایسے بہت سے کرداروں میں سے یہ ایک عظیم الشان کردار تھا جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسل میں سے تھا۔ جس کی محنت اور لگن زمانہ بھر میں مشہور رہی۔ دیانت اور شرافت زبان زد عام رہی۔ کوئی دشمن بھی ان کی ذات پر کبھی انگلی نہ اُٹھا سکا۔ ان کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد پر لکھنے کی طرف میرے مہربان و محسن مولانا عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لندن نے توجہ دلائی۔ کہ یوں تو اکثر لوگ ان کو جانتے ہیں۔ اور وہ خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ کے اہم فرد اور پوتے ہیں بھی ہیں۔ ان کا تذکرہ مختلف اخبارات اور رسائل میں بکھرا پڑا ہے۔ اگر کسی طور پر یہ ساری معلومات یکجا کر دی جائیں تو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک تحفے سے کم نہ ہوگا۔ خاکسار نے وہ بات پلّے باندھ لی اور کمر کس لی۔ مگر طولعمری کی وجہ سے حتی المقدور کام نہ کر سکا۔ چیدہ چیدہ مضامین جو میسر آئے ان کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ تا کہ آنے والے

قاری کو کچھ تو مواد میسر ہو۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کی دنیاوی خدمات کی تفصیل تو طویل ہے ہی مگر جماعتی خدمات کی تفصیل بھی بہت طویل ہیں ۔ان سب کو بیان کرنے کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔اور بہت ہی بڑا کام ہے جس کے لئے کثیر کارکنان کی ضرورت ہے۔خاکسار نے تو مندرجہ ذیل مصنفین کے مضامین سے فائدہ اُٹھایا ہے۔مگر پھر بھی یہ مکمل معلومات نہیں ۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد پر بہت لکھا جا سکتا ہے۔ یہ معمولی کتاب تو نقطہ آغاز ہے۔اللہ کرے کہ مستقبل قریب میں کوئی اس عظیم کام کا ذمہ اُٹھالے۔اورساری تفصیل کو مکمل کرے۔

مکرم محمد محمود طاہر صاحب،مکرم فخر الحق شمس صاحب،مکرم راجا نصر اللہ خاں صاحب،مکرم مولانا شمشاد احمد ناصر صاحب،مکرم محمد صدیق صاحب گورداسپوری، مکرم ناصر احمد پرویز پروازی صاحب،مکرم سید ساجد احمد صاحب،مکرم امتیاز احمد صاحب راجیکی،سید سعید الحسن شاہ صاحب،مکرم منیر عطاء اللہ صاحب ،شاہد جاوید برکی صاحب،مکرم ظاہر مصطفٰی صاحب مکرم تنویر قیصر شاہد صاحب کے مضامین ، جماعتی رسائل اور بعض انگریزی اخبارات سے مواد اکٹھا کرنے کی حقیر سی کوشش کی گئی ہے۔بعض دوستوں نے مواد اور تصاویر فراہم کرنے میں بہت تعاون کیا ہے۔امید ہے قارئین کو یہ کتاب پسند آئے گی۔احباب سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

اگر اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بھی کسی دوست کو ان کے متعلق کوئی مضمون ملے تو براہ مہربانی ارسال کریں ۔ اُسے آئندہ اشاعت میں شامل کیا جائے گا ۔بے شک یہ کتاب ان کے سب حالات پر محیط نہیں ہے۔مگر کچھ نہ ہونے سے بہتر ہے۔

خاکسار

رانا عبدالرزاق خاں۔ ایڈیٹر قندیل حق وقندیل ادب انٹرنیشنل لندن

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی سوانح باب روحانیت کا ایک درخشاں گلستاں ہے۔

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز۔ لندن

نافلہ مہدی کی سوانح مبارک مکرم ومحترم جناب رانا عبدالرزاق کی ادبی کاوشوں کا ایک روشن شاہکار ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی سوانح باب روحانیت کا ایک درخشاں گلستاں ہے جس میں احمدیت کی تابندہ تاریخ کے درعدن ہر سو بکھرے ہوئے ہیں۔ آپ ایک مبشر اور مبارک وجود تھے اور عمر بھر آپ کا فیضان جاری رہا۔ اپنے ملک، قوم، ملت، دین اور انسانیت کے لئے آپ کی سنہری خدمات کا شمار ممکن نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نافلہ کے حالات وسوانح مرتب کرنا وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ یہ مبارک وجود جو ہم سے جدا ہو گئے ہیں اُن کی زندگی کے رجسٹر کو محفوظ رکھنا ایک اہم فرض ہے تاہم اُن کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔ آپ نے فرمایا اس بات کو اچھی طرح یاد رکھو کہ فلسفیانہ ایمان انسان کے کام نہیں آتا۔ وہی ایمان کام آسکتا ہے جو علم اور مشاہدے پر مبنی ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق رکھنے والوں نے حضور علیہ السلام پر جو برکات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں اُن سے کچھ نہ کچھ حصہ پایا۔ اِس طرح نافلہ مہدی کی سوانح مبارک کے واسطے سے ہم بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل کر ان برکات کے وارث بن سکتے ہیں۔ آپ کے نمونے پر چلنا افراد جماعت خصوصاً نوجوان نسل کے لئے نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ نافلہ مہدی کی سیرت وسوانح مرتب کرنا بہت ضروری تھا اور یہ ایک نہایت بابرکت عظیم سعادت ہے جو ہمارے محترم رانا عبدالرزاق صاحب کو نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا بے حساب اجر عطا فرمائے اور یہ اجر اُن کی نسل میں جاری رہے۔

نافلہ مہدی حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کی زندگی میں ہمیں تین ایسے پہلو باکمال نظر آتے ہیں جو ایک احمدی کے دین کا خلاصہ ہیں یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کے ساتھ گہرا تعلق، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور مخلوق خدا کی ہمدردی کا جذبہ جو دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ اپنے مقدس باپ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے یہ ورثہ آپ کو خوب ملا۔ ہمارے رانا عبدالرزاق صاحب نے ماشاء اللہ بہت محنت سے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔ ترتیب بھی نہایت عمدہ ہے اور معلومات بھی جامع ہیں۔ بہت عمدہ مفید اور قیمتی مواد اس میں اکٹھا ہو گیا ہے جو آئندہ نہ صرف تاریخی لحاظ سے عمدہ ریکارڈ متصور ہو گا بلکہ سیرت کے مضمون پر ایک اہم دستاویز ہو گی جس سے تربیتی لحاظ سے بہت استفادہ ہو سکے گا۔ مَیں محترم رانا عبدالرزاق صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اس گراں قدر شخصیت کے سوانح لکھ کر ہم پر احسان کیا ہے۔ آپ کی محنت آج ہمارے سامنے ہے۔ حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کے ساتھ میرا دلی تعلق تھا۔ ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں اور آپ ہمیشہ خاص شفقت کا سلوک فرمائے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ بھی میرے والد مختار احمد صاحب ایاز کا اور پھر میرا بہت پیار کا تعلق تھا۔ حضرت میاں صاحب کی شفقت سے ہی میرا رشتہ طے ہوا اور آپ بنفسِ نفیس شادی کی تقاریب میں شامل ہوئے اور پھر یہ محبت کا رشتہ حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کے ساتھ آخر تک رہا۔ الحمدللہ۔ آپ کی زندگی احمدیت کی تعلیم کا مجسمہ تھی۔ آپ کے اخلاق عالیہ، زہد و تقویٰ اور علم و معرفت سب کے لئے ایک بے مثال نمونہ تھے۔ انسانیت کی خدمت اور حقوقِ انسانیت کے لئے جدوجہد کا جذبہ مَیں نے اُن سے پایا۔ اِس کتاب کے بارے میں میری یہ دعا ہے کہ مولیٰ کریم مکرم رانا صاحب کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو قبولیت عامہ عطا کرے۔ مَیں اُن سب کا بھی دلی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب کے سلسلے میں مکرم رانا صاحب سے تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ مکرم رانا عبدالرزاق صاحب کی صلاحیتوں کو مزید جلا دے اور ہر نوع کے اعلیٰ خدمات دینیہ بجالانے کی مقبول توفیق دے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ آپ کی علمی ادبی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین

اظہاریہ۔عبدالشکور۔امریکہ

جب بھی مُحترم جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب کا نام سامنے آتا ہے تو گویا ہر سمت کئی قندیلیں روشنی بکھیرنے لگ جاتی ہیں۔بغیر کسی شخصی تعارف کے، خاکسار جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب کے نام سے لگ بھگ گزشتہ ایک دہائی سے شناسا رہا ہے۔ پہلا غائبانہ ذریعہِ شناسائی، رانا صاحب کا جاری کردہ اُردو میگزین، قندیلِ ادب ہوا۔ یہ رسالہ بغیر میری کسی کاوش کے مجھے ای میل سے آتا رہا ہے اور اب تک مختلف ذریعوں سے مُجھ تک پہنچتا رہا ہے اور اب تو ذاتی شناسائی کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد، جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب کی طرف سے، گویا محبت نامہ کے طور پر، مکرر و دبرّ رنظر نواز ہو رہا ہے۔جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب دن رات، جس تندہی سے اردو ادب وشعر وسُخن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، عام اہلِ ذوق اور اردو ادب کے قاری کیلئے یقین کرنا غالباً ممکن نہ ہو۔قندیلِ ادب کی قندیلِ روشن کرنے کے بعد رانا صاحب کا اگلا قدم، دوصد صفحات سے بھی زیادہ ضخیم، سہ ماہی مجلّہ، قندیلِ حق کا اجراء ہے۔علاوہ اس کے، جناب رانا صاحب کے علمی اور معلوماتی مضامین مختلف جرائد کی زینت بنتے رہتے ہیں اور عاصی صحرائی کے نام سے شعری ادب پارے اس کے علاوہ پڑھنے کو ملتے رہتے ہیں۔ اس پر ہی بس نہیں، تقریباً ہر ماہ، قندیل شعروسخن کے نام سے ایک یا دو مشاعروں کا انعقاد بھی معمولات میں شامل ہے۔یہ مجالسِ مشاعرہ، مجلسی بھی اور زوم کے ذریعہ بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ان مجالس میں برِّصغیر سے تعلق رکھنے والے نامور شعرا کی شمولیت کا بھی باقاعدگی سے اہتمام ہوتا ہے۔

علاوہ بریں، جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب کی مصروفیات کا اگلا سنگِ میل، آپ کا تصنیف وتالیف کا کام ہے۔ جہاں تک خاکسار کو کچھ اندازہ ہے، اب تک آپ کی تقریباً ایک

درجن کتب شائع ہو چکی ہیں۔جن کتب تک میری دسترس ہوئی ہے ان میں ایک کا نام، دانشکدہِ عظیم، ہے جو تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ اور تعلیمی اداروں میں اس کے ارفع مقام کے بیان سے متعلق ہے۔ دوسری خاص نوعیت کی کتاب جناب رانا صاحب کے اپنے کاٹھ گڑھ کے راجپوت قبیلہ کی تاریخ پر مشتمل ہے۔قندیل حق نامی ایک کتاب بھی ہے جو کہ اسلامی مضامین پر مشتمل ہے ۔ایک قندیل علم کے نام کی بھی کتاب ہے جو کہ ان کے لندن میں اخبارات میں لکھے گئے کالمز کا مجموعہ ہے ۔ایک سیرت وسوانح ناصر احمد بہادر شیر ہے ۔ اسی طرح سپوت ایشیاء کے نام سے چوہدری ظفر اللہ خاں کے احباب زمانہ کے تبصرے ہیں ۔ثاقب زیروی اور ایم ایم احمد پر کتب بھی تیاری کے مراحل میں ہیں ۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جناب رانا صاحب ایک ہی وقت میں کئی کتابوں پر کام کر رہے ہوتے ہیں ۔گزشتہ کچھ عرصہ سے آپ خاکسار سے،کم از کم تین ایسی کتابوں کی تیاری کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے رہے ہیں ۔ کچھ عرصہ سے، جناب ثاقب زیروی صاحب پر زیرِ ترتیب کتاب کا تذکرہ ہوتا رہا ہے،کیا دیکھتا ہوں کہ چند روز قبل ہی، دربارِ خلافت کا جاں نثار، کے نام سے،سیرت وسوانح ثاقب زیروی، کا سات سو صفحات سے زیادہ،آن لائن فائینل مسودہ آیا ہوا ہے،سُبحان اللہ۔اسی طرح دنیا بھر کے احمدی شعرا کے بارے میں کام جاری ہے۔

یہ سب تمہیدی تفصیلات دراصل ایک نادر کتاب کے ذکر کا گویا ابتدائیہ بن کر تحریر میں آ گئی ہیں ۔اس نو بہ نو کتاب کا نام ’’نافلہِ مہدی‘‘ ہے۔خاکسار کی نظر میں جناب رانا عبدالرزّاق خاں کی اب تک کی تصنیفات اور تالیفات کا اپنی اپنی جگہ ایک مقام اور اہمیت ہے تاہم اس نئی تالیف ’’نافلہِ مہدی‘‘ کی قدر و منزلت، کئی اعتبار سے،منفرد ہے۔ یہ کتاب حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے سوانح اور ملکی اور ان کے بین الاقوامی مقام اور کارہائے نمایاں کے ذکر میں تالیف ہوئی ہے۔اس کتاب کے محاسن اور علمی قدر و قیمت کا اندازاور ادراک تو ہر قاری کی اپنی استعداد پر ہوگا ۔تاہم اس کتاب کی صرف سرسری ورق گردانی ہی دیکھنے والے کو حیرت میں ڈالنے کے لئے

کافی ہے کہ اس کتاب کے مولّف نے، حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سے متعلق، ایک زمانے سے لکھے جانے والے، اتنے نامور لوگوں کے مضامین، کہاں کہاں سے اور کیسے کیسے حاصل کر لئے اور اس کتاب میں اکٹھے کر دئے۔ اس کتاب کے آخری حصہ میں، صاحبزادہ مرزا مظفر احمد، جنہیں دنیا، ایم ایم احمد کے نام سے جانتی ہے، آپ کے دو انٹرویوز بھی شامل ہیں، جن میں ایک ہفت روزہ حُرمت میں شائع ہونے والا انٹرویو ہے۔ اور ایک بہت تفصیلی انٹرویو، جناب تنویر قیصر شاہد کا لیا ہوا ہے جو اُن دنوں نیویارک میں مقیم تھے۔ اس انٹرویو کا انتظام تنویر قیصر شاہد صاحب کی درخواست پر حضرت مولانا شیخ مبارک احمد صاحب نے کیا تھا۔

یہ تاریخی انٹرویو، ایم ایم احمد کے انکشافات AN INTERVIEW WITH HISTORY کے نام سے ہے۔ یہ انٹرویو حضرت صاحبزادہ صاحب کی واشنگٹن کے پوٹیمک ایریا میں واقع قیام گاہ پر ہوا۔ آخر میں دُعا ہے کہ اس نادر کتاب ''نافلہِ مہدی'' کی تیاری اور اشاعت پر اللہ تعالیٰ جناب رانا عبدالرزّاق خاں صاحب کو بہ احسن جزائے خیر دے اور ان کی تصنیف اور تالیف کے کاموں میں مدد رہنمائی سے نوازتا رہے، الھمَّ آمین۔ اس نادر کتاب ''نافلہِ مہدی'' کے مسودہ کے آخری مرحلہ پر خاکسار عبدالشکور کو اس کے بیشتر حصہ کی حرف بینی یعنی پروف ریڈنگ کی محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے جو سعادت حاصل ہوئی اس کے لئے جناب رانا صاحب کا شُکر گزار ہوں۔

جزاھم اللہ احسن الجزاء

احقر العباد

عبدالشکور، کیلولینڈ، امریکہ

15 جنوری 2024ء

تبصرہ

میرے لئے یہ بات بڑے فخر اور مباہات کا باعث ہے کہ اس کتاب نافلہ مہدی، سیرت وسوانح صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے ناشر رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے مجھے پیش لفظ لکھنے کے لئے فرمائش کی ہے۔عوام الناس میں آپ ایم ایم احمد کے نام نامی سے مشہور تھے۔ایک دنیا آپ کے سنہری کاموں اور تاریخی کارناموں سے واقف ہے۔آپ ایسا چودھویں کا ماہتاب تھے جس کی روشنی سے ہزاروں افراد دنیا کے کونے کونے میں متمتع ہوئے۔ دنیوی جاہ وحشمت ہو یا دینی فرائض ہر جگہ ہر مقام پر آپ ایک چمکتا ہؤا ہیرا نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں جن اعلیٰ مناصب جلیلہ پر آپ فائز رہے ان کی تفصیل کتاب میں دی گئی ہے۔پھر جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو جماعت احمدیہ امریکہ کا امیر مقرر فرمایا تو اس دور میں جو یادگار کام سرانجام پائے ان کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں 37 روح افزا، دل نشیں مضامین کے ساتھ تصاویر اور انگلش حصہ میں بڑے دلچسپ اور علمی مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ خاکسار کو بھی آپ عنایتوں سے وافر حصہ ملا۔ 1996 میں جب عاجز نے ڈاکٹر عبد السلام کی کامران زندگی پر کتاب رموز فطرت شائع کی تو رسالہ" لاہور" میں اس پر تبصرہ شائع ہوا۔اس کے بعد آپ کی طرف سے خط ملا کہ ایک سو کتابیں فضل مسجد واشنگٹن بھجوانے کا انتظام کر دیں۔آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔جب امریکہ کی جماعت احمدیہ کا پچاسواں جلسہ سالانہ 1998 میں میری لینڈ میں منعقد ہؤا تو اس میں شامل ہونے کی سعادت اس عاجز کو بھی حاصل ہوئی تھی۔خاص طور پر یہ کہ عاجز کو ایک روز نماز ظہر مسجد بیت الرحمن میں بالکل آپ کے ساتھ کھڑے ہو کر ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ایک دفعہ راقم کنگسٹن

سے واشنگٹن گرمیوں میں جا رہا تھا تو آپ کے چند عزیزوں کو میرے ساتھ سفر کا موقعہ ملا اور یوں مجھے آپ کے دولت خانے پر جانے کا اتفاق ہوا۔ ڈرائنگ روم میں ایک فریم میں وہ ایک روپیہ کا نوٹ تھا جس کے اوپر آپ کے دستخط مرزا مظفر احمد رقم تھے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ایک ڈالر سات روپے کا ہوتا تھا۔ گندم 16 روپے من تھی۔ پاکستان نے 25 ملین ڈالر جرمنی کو قرض کے طور پر دئے تھے۔ پاکستان کی معیشت کے آپ سچے امین اور کشتی بان تھے۔

یہ کتاب جماعت کے لٹریچر میں ایک اہم کتاب گرادنی جائیگی۔ مجھے امید ہے کہ احباب اس سے کما حقہ مستفید ہوں گے۔

زکریا ورک میپل ٹورنٹو کینیڈا

12 جنوری 2024

نافلہ مہدی

سیرت سوانح حضرت مرزا مظفر احمد صاحب

انجینئر محمود مجیب اصغر بھیروی (سویڈن)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے رانا عبد الرزاق صاحب نے نہایت قلیل وقت میں دنیا جہان سے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے بارے میں مضامین اور انٹرویوز اکٹھے کر کے دیدہ زیب جامع کتاب شائع کر دی ہے where there is a will , there is a way۔

اتنی عظیم شخصیت کی سیرت اور سوانح پر یہ ضخیم کتاب تیار کر لینا اور نایاب تصاویر سے مزین کر دینا رانا صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے

میں تیز قدم ہوں کاموں میں بجلی ہے میری رفتار نہیں

حضرت اولوالعزم فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی کا شعر ہے جو خلافت کی سچی غلامی میں رانا عبد الرزاق صاحب پر بھی صادق آتا ہے

رانا صاحب نے صاحبزادہ صاحب کی بیگم صاحبہ پر بھی مضامین کو شامل کر لیا ہے کیونکہ ہر کامیاب شخص کے پیچھے بیوی کا ہاتھ ہوتا ہے۔ آپ کی بیگم صاحبہ حضرت مصلح موعود کی بیٹی اور حضرت خلیفۃ المسیح اول کی نواسی تھیں۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کا یہ شعر مجھے بہت پسند ہے

ملے ہم کو وہ استاد و خلیفہ   کہ سارے کہہ اٹھے نور علی نور

اس لحاظ سے آپ کی کامیاب زندگی کے پیچھے حضرت مسیح موعود حضرت اماں جان آپ کے اپنے والدین اور حضرت خلیفۃ المسیح اوّل اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی قوت قدسیہ اور دعائیں شامل تھیں۔ پاکستان میں اقتصادی اور معاشی ترقی فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان کے دور حکومت میں ہوئی۔ اس وقت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ہی ان کے ساتھ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین اور مشیر تھے۔

جس بدبخت نے آپ پر قاتلانہ حملہ کیا اس کو ہم بھی مڈل ایسٹ میں تلاش کرتے رہے ہیں لیکن وہ ایران سے دستیاب ہوا۔ تحدیث نعمت کے طور یہ عاجز عرض کرتا ہے کہ اس عاجز کی حضرت صاحبزادہ سے خط و کتابت ہوتی رہی ہے اور اس عاجز کی بیگم کی ملاقات آپ کی بیگم صاحبہ سے ہوتی رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ رانا عبدالرزاق خان صاحب کی اس سعی کو مشکور فرمائے

احقر العباد

انجینئر محمود مجیب اصغر بھیروی (سویڈن)

پیش لفظ

بانئ جماعت احمدیہ سیدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیحِ موعود و مہدئ موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے نیک اور لمبی عمر پانے والی اولاد عطا فرمائی، تمام اولاد کے بارے میں الہام الٰہی میں بشارت دی گئی۔ آپ کی اولاد نے دُنیا میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت مرزا مظفر احمد صاحب المعروف ایم ایم احمد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ جسمانی اولاد بھی تھے۔ آپ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے فرزند تھے۔ آپ کی ساری زندگی اسلام واحمدیت اور وطن عزیز کی خدمت میں مصروف رہی۔ آپ کو جماعتی خدمات کے علاوہ ملکی خدمات کی بھی عظیم سعادت حاصل ہوئی۔ الحمدللہ۔

عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ آپ کے بارے میں ایک ٹھوس اور مدلّل کتاب تصنیف کی جائے جس میں آپ کی سیرت طیبہ کے تمام گوشے نمایاں طور پر ظاہر ہوں۔ گو کہ اس سے پہلے آپ کی سیرت پر ایک کتاب شائع ہو چکی ہے لیکن اُس میں تمام معلومات کا احاطہ نہیں ہوا ہے۔ اس کتاب میں حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کے مختلف پہلوؤں کے علاوہ آپ کے چند اہم مضامین کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ الحمدللہ کتاب ہذا ''نافلہ مہدی'' نے اس ضرورت کو کافی حد تک پورا کر دیا ہے۔

کتاب نافلہ مہدی سیرت وسوانح حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کے مؤلّف رانا عبدالرزاق خان صاحب کاٹھ گڑھی لندن ہیں۔ آپ ''قندیل ادب انٹرنیشنل لندن'' کے مدیر اعلیٰ ہونے کے ساتھ مشہور شاعر، ادیب ہونے کے ساتھ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں نیز اردو ادب کی بے لوث

خدمات بجالا رہے ہیں۔نافلہ مہدی میں آپ نے انتہائی خلوص،محنت ولگن سے کئی مسودہ جات کو ایک کوزہ میں سمودیا ہے۔خاکسار کوسرسری طور پر اس کتاب کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔جسے پڑھ کرحضرت صاحب کے خاندان سے متعلق سوانح عمری کے دلچسپ واقعات پڑھ کر ایمان تازہ ہوا۔خاص طور پر برطانیہ روانگی کے وقت حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات کو اپنے پلے باندھ لینا اور میدانِ عمل میں اپنی ہزاروں خواہشوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے محض للہ اسلام واحمدیت کی خدمات کو اولیت دیکر ایک سچے خادم اسلام ہونے کا ثبوت دیا ہے۔موصوف کا ذکر یوں تو جماعتی جرائد، اخبارات پرنٹ اینڈ الیکٹرانک میڈیا میں بخوبی دستیاب ہے ۔ پاکستان کیلئے ان کی خدمات کو کبھی بھلایانہیں جاسکتا۔یہ خدمات تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ سُنہرے حروف میں زندہ رہیں گی۔

محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب نے جس عمدہ رنگ میں کئی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی خدمات کو کتابی شکل میں ڈھالا ہے تعریف کے قابل ہے۔کئی مورخین کے اظہار خیالات کو ،شعراء کے کلام کو بھی شامل کر کے بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔مثلاً: * ۔پاکستان کا ایک نادر روزگار شخص۔مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت۔ * ۔عہد ساز اور خدمات سے معمور شخصیت ۔ پروفیسر راجانصر اللہ صاحب * ۔علم وعمل کے بلند مینار۔عبد السمیع نون صاحب۔ * ۔ایک عالی دماغ تھا نہ رہا۔ پروفیسر پرویز پروازی صاحب * ۔غیر معمولی انتظامی صلاحیت کی حامل شخصیت۔امتیاز احمد راجیکی صاحب * ۔ایم ایم احمد کچھ ذاتی یادیں جناب منیر عطاءاللہ صاحب وغیرہ۔ہر مضمون نگار نے موصوف کی خدمات کو سراہا ہے۔اللہ تعالیٰ مکرم رانا عبدالرزاق صاحب کی خدمات کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو بہتوں کے لئے نافع الناس بنائے۔آمین

شہزادہ قمرالدین مبشر گلاسگو

اسکاٹ لینڈ

آپ نے ایک عظیم ہستی پر مضامین اکٹھے کر کے اور اپنے جذبات لکھ کر جماعت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

مکرم رانا عبدالرزاق صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے اپنی تازہ تصنیف ''نافلہ مہدی'' بھجوائی۔ جزاکم اللہ خیراً۔ گو اِس سے قبل مجھے کسی کی طرف سے یہ کتاب مل چکی تھی اور سرسری نگاہ ڈالی تھی مگر اب آپ نے خاکسار کا نمبر تلاش کر کے بطور تحفہ بھجوائی بعد ازاں میل پر بھی ملی بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے جس پیار سے یہ تحفہ بھجوایا اُسی پیار و محبت سے مَیں نے اس کو مکمل طور پر جستہ جستہ دیکھا اور پڑھا۔ اِن سے بہت سے مضامین تو الفضل میں پڑھ چکا تھا مگر اِس تحفہ سے جہاں اعادہ ہوا وہاں نئے نئے علمی اور روحانی واقعات پڑھ کر ایمان تازہ ہوا۔

آپ نے ایک عظیم ہستی پر مضامین اکٹھے کر کے اور اپنے جذبات لکھ کر جماعت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اِس سے قبل حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خاںؓ سپوتِ پاکستان پر ایک خزانہ آپ جمع کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری صلاحیتوں سے نواز رکھا ہے اور آپ کو ان صلاحیتوں کی بروقت استعمال کی بھی توفیق ملتی رہتی ہے۔ آپ دو رسائل (غالباً) کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی علمی کاوش تیار کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنے وقت کو درست استعمال کرنے کا ملکہ بھی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور اِس کے بہتر نتائج مرتب کرے۔ آپ کا رسالہ

کان اللہ معکم و ایّد کم

آپ کے انعقاد کردہ مشاعروں کی بھی خوب دھوم سنی ہے گو خاکسار باوجود خواہش اور کوشش کے ان میں شامل نہیں ہو سکا۔

والسلام خاکسار

حنیف احمد محمود

24/2/8

رانا عبدالرزاق خاں کی کتاب

(نافلہ مہدی) پر تبصرہ

مبصر: محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب جرمنی

زندہ قومیں اپنے محسنوں کی خدمات نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ کسی نہ کسی طریق سے ان کی خدمات کے تشکر کے اظہار کے طور پر ان کے ناموں سے منسوب ادارے قائم کر دیتی ہیں، سڑکوں کے نام رکھ دیتی ہیں۔ بعض ممالک میں میں ان کے مجسمے بنا کر پبلک مقامات پر نسب کر دیتی ہیں۔ مگر پاکستانی قوم کئی اعتبار سے بدقسمت ہے جس میں یہ امر بھی شامل ہے کے مذہبی تعصب میں اندھے ہو کر اپنے محسنوں کے نام لینا بھی جرم سمجھنے لگ گئے ہیں۔ قوم کے ان محسنین میں حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں، ڈاکٹر محمد عبدالسلام، جنرل محمد افتخار جنجوعہ، جنرل ملک محمد اختر ملک،، جنرل عبدالعلی ملک اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحبان کے نام شامل ہیں۔ ان کی قابلیتوں اور کارناموں کا اعتراف پاکستان سے باہر تو بہت تو بہت ہوتا رہتا ہے مگر پاکستان کے میڈیا پر شاذ و نادر ہی ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔

ہی ان کا تذکرہ ہوتا ہے۔

برادرم محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب، اپنے آپ کو دیگر خدمات کے علاوہ، اس خدمت کیلئے بھی وقف کر رکھا ہے کہ وہ دن رات محنت کے کر کے قوم کے ان محسنوں کی خدمات کو کتابوں کی شکل میں جاوداں بنا رہے ہیں۔ وہ اس بے لوث محنت کے لئے ہماری دعاؤں کے مستحق ہیں۔

جہاں تک حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کا تعلق ہے تو ان کی پاکستاں کی معیشت کے استحکام میں جو جو کردار ہے اس کا تفصیلی ذکر تو برادرم محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے نافلہ مہدی میں کر دیا ہے۔ خاکسار کا قریبی ذاتی تعلق تو حضرت صاحبزادہ صاحب کی کی ذات گرامی سے نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ تعلیم الاسلام کالج کے سٹاف روم میں میرے محسن اور رفیق کار حضرت صاحبزادہ مرزا خورشید احمد گاہے بگاہے ان کا ذکر خیر کرتے رہتے تھے۔ صرف ایک مرتبہ مجھے ان کی مہمانی کا شرف حاصل ہوا، اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ میرے پرنسپل اور میرے محسن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ نے مجھے اور ضروی خط حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کو پہنچانے کے لئے اسلام آباد بھیجا۔ اس مقصد کے لئے میں شام کے وقت ان کے دولت خانہ پر گیا اور خط ان کی خدمت میں پیش کیا تو خط لے کے انہوں نے پوچھا آپ کہاں ٹھہرے ہیں اور کب واپس جانا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تو ابھی آیا ہوں رات کسی ہوٹل میں گزار کر کل واپس چلا جاؤں گا۔ فرمایا تو پھر یہاں میرے پاس ہی ٹھہر جاؤ۔ اسطرح میں نے ان کی مہمان نوازی کا اعزاز پایا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی بین الاقوامی خدمت کے اعتراف ایک واقعہ جو شاید بہت کم لوگوں نے سنا ہو وہ میں بیان کرنا چاہوں گا۔ ہمارے بہت ہی پیارے دوست اور تعلیم الاسلام کالج کے سابق طالب علم، برادرم محترم جناب محمود احمد لون، جو ہمارے مرحوم مربی مولانا مسعود احمد جہلمی کے برادر اصغر ہیں، اور آج کل کینیڈا میں ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں، وہ لمبا عرصہ ایک کینیڈین کمپنی کے مینیجر کے طور پر چین میں مقیم رہے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ مجھے بتایا

کہ کسی کام کے سلسلہ میں انہیں حکومت چین کی وفاقی وزارت میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جس چینی افسر نے ان کا استقبال کیا اس نے اپنی وزارت کے مختلف دفاتر کے تعارف کے لئے بلڈنگ کا دورہ کروایا۔ اس دوران وہ ایک گیلری میں سے گزرے جہاں بہت ساری بڑی بڑی ہستیوں کی تصاویر آویزاں تھیں۔ وہ کہتے ہیں میں ایک تصویر کے پاس رُک گیا۔ وہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کی تصویر تھی۔ مَیں نے اپنے میزبان چینی افسر سے سوال کیا کہ یہ کون ہیں اور انکی تصویر کا یہاں کیا تعلق ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک پاکستانی ماہر اقتصادیات تھے اور انہوں نے ہماری اقتصادی منصوبی بندی کی ابتدا میں قابل قدر راہنمائی کی تھی۔

اسی طرح میں نے پاکستانی حکومتی اعلیٰ عہدیدار سے ایک ٹی وی پروگرام میں سنا کہ ایک مرتبہ پاکستان کا ایک سرکاری وفد مہاتیر محمد سے رہنمائی لینے کے لئے ملائیشیا گیا، کیونکہ ان کے دور اوّل میں ملائیشیا کے ملک نے معیشت اور ڈیویلپمنٹ کے میدان میں حیرت انگیز ترقی کی تھی۔ جب انہوں نے مہاتیر محمد نے ان سے اس سلسلہ میں راہنمائی چاہی تو اس نے کہا ہم نے تو آپ کے ملک سے رہنمائی لے کر اپنی اقتصادی منصوبہ بندی کی تھی، آج آپ ہم سے پوچھنے آگئے ہیں۔

اسی طرح بہت عرصہ پہلے ایک پاکستانی ٹی وی کے پروگرام نے ایک سابقہ فنانس منسٹر سرتاج عزیز مرحوم نے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کا ذکر کرتے ہوا بیان کیا کہ جب صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب، پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین تھے (صدر جنرل محمد ایوب خاں مرحوم خود اس کمیشن کے چیئرمین تھے) تو مَیں یعنی سرتاج عزیز مرحوم صاحبزادہ صاحب کے ساتھ کمیشن کا ممبر تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ انتہائی، قابل، ذہین، محنتی اور دیانتدار محب وطن افسر تھے۔

خاکسار نے تو اپنے محدود علم کے مطابق چند سطور لکھ دی ہیں۔ مگر اصل مقصد تو بردرم محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی کتاب نافلہ مہدی پر ان کی پر خلوص اور بے لوث کاوشوں کی قدردانی کا اظہار ہے۔ جب بھی ان کے ساتھ اس موضوع پر بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں مَیں تو حضرت سلطان

القلم کی غلامی میں، انہی کی دعاؤں کا طالب ہوتے ہوئے اس کام میں لگا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ خدمات قبول فرمائے اور ان کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمر بھر ایسی خدمات کی توفیق دیتا چلا جائے۔ آمین۔

خاکسار

حمید احمد چوہدری

حال مقیم فرینکفورٹ جرمنی

۱۳ مارچ ۲۰۲۴

پاکستان کا ایک مایہ نازسپوت ۔صاحبزادہ ایم ایم احمد صاحب

رانا عبدالرزاق خان

ایک ذہین، دیانتدار عظیم ماہر اقتصادیات نائب صدر عالمی بینک صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب جوایم ایم احمد صاحب سے معروف تھے۔آپ کو دس سال تک 1962ءتا1972ءتک پاکستان کی اقتصادیات کے استحکام اور ترقی کے لئے ان تھک مساعی کی توفیق ملی ۔آپ صدر محمد ایوب خاں صاحب کے دور میں منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین رہے ۔ پاکستان کا یہ دور معاشی لحاظ سے سنہری کہلاتا ہے۔آپ 13رجنوری1913ءکوقادیان میں صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں پیدا ہوئے ۔ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کی۔گورنمنٹ کالج لاہور سے ہسٹری میں ایم اے کیا۔اس دوران لاء کالج میں داخلہ لیا۔1933ء میں آئی ایس آئی کے ارادہ سے لندن آ گئے ۔ آئی ایس آئی کے بعد ایک سال آکسفورڈ یونیورسٹی لندن میں گزارا۔اور 1938ءمیں واپس وطن پہنچ گئے ۔اپنی ملازمت کا آغاز یوپی کے قصبہ گوڑ گاؤں سے کیا۔ جہاں مسلمانوں کے لئے حفاظتی انتظامات کی توفیق ملی۔

اگست 1947ءمیں امرتسر میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے طور پر کام کیا۔قیام پاکستان کے بعد ضلع سیالکوٹ کے ڈپٹی کمشنر لگائے گئے ۔کیونکہ یہ ضلع سرحدی تھا اور مہاجرین کی آمد ورفت بہت زیادہ تھی ۔مگر آپ نے نہایت مستعدی سے خدمات انجام دیں۔ایک دفعہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے پیغام ملا کہ ایک شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے مگر وہ اندر نہیں آ سکتا۔ میں خود باہر نکلا تو دیکھا کہ وہ معذور ہے اس نے مجھے بتایا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن جو ریڈ کراس کی چیئرمین تھیں ME CENTER میں آئی ہوئی ہیں۔اور سینٹر کا سامان ریلوے کی چودہ ویگنوں میں لوڈ کروا کر انڈیا روانہ کرنے کا آرڈر دے چکی ہیں۔میں نے اسی وقت ریلوے کے ہیڈ کو فون کر کے

وہ سامان رکوادیا۔ بعد میں مجھے ایک جرنیل کا فون آیا کہ تم لیڈی ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کی خلاف ورزی کررہے ہو۔میں نے جواب دیا کہ میں اس وقت صرف پاکستان گورنمنٹ کا ملازم ہوں۔آپ ڈپٹی کمشنر میانوالی کےطور پرخدمات کے بعد ایڈیشنل کمشنر لاہور بنادیئے گئے۔

1951ء میں مرکزی سیکرٹری مالیات بنائے گئے۔1962ء میں مرکزی حکومت میں سیکرٹری کامرس کے عہدہ پر فائز ہوئے۔صدرمحمد ایوب خاں صاحب نے آپ کومنصوبہ بندی کمیشن ڈپٹی چیئرمین نامزدکیا۔چیئرمین صدرخود تھے۔ایوب خاں کے دور میں پاکستان میں صنعتی انقلاب رونما ہوا۔ بڑے بڑے شہروں کے اطراف میں دوردورتک صنعتیں لگنی شروع ہوگئیں۔لاہور،شیخوپورہ، گوجرانوالہ، فیصل آباد کے گردونواح، کراچی حیدرآباد روڈ پرصنعتوں کا قیام جوآپ کونظرآتا ہے ۔وہ ایوب خاں کے دورکی یادگارہیں۔ پاکستان جلدترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے والا تھا کہ ایوب خان بیمار ہوگئےتو صدر عالمی بنک نے بذریعہ تارتشویش کا اظہار کیا کہ اگرآپ پانچ سال مزید اس نظام کو چلا سکتے تو پاکستان یقینی طور پر ترقی یافتہ ملک بن جاتا۔ اوراپنے قرضے اُتارنے کے قابل ہوجاتا۔ایوب خاں کے بعد یحییٰ خان کے دورمیں آپ کوصدر پاکستان کا اقتصادی مشیرمقررکیا گیا یہ عہدہ مرکزی وزیر کے برابر تھا۔آپ نے اس دور میں بھی پاکستان کے اقتصادی حالات کوسنبھالا دینے کی مقدوربھرکوششیں جاری رکھی ۔ 1971ءتا 1972ء جو اقتصادی بجٹ پیش کیا۔جس کو ماہرین معاشیات نے نہ صرف سراہا بلکہ بہترین بجٹ قرار دیا۔ پاکستان ٹائمز نے 27/جون 1971ءکواخبار میں ان الفاظ میں سرخی لگائی۔خوداعتمادی اور کفایت شعاری کا بجٹ۔دوسری سرخی یہ تھی بجٹ تجاویز کے حقیقت پسند ہونے کا خیرمقدم کیا گیا۔ تفصیل یہ تھی۔" ہفتے کے روز بجٹ پیش کیا گیا اس کا لاہورشہر میں بڑے اطمینان کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا کیونکہ نئے ٹیکسوں کے متعلق جوتجاویز رکھی گئی ہیں ان کا عام آدمی پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔

روزنامہ نوائے وقت نے اپنی 27/جون 1971ء کی اشاعت میں ''حقیقت پسندانہ بجٹ'' کے عنوان سے اداریے میں لکھا۔

''اس سال مشرقی پاکستان میں بغاوت وشورش کے باعث ملک وملت میں اقتصادی زبوں حالی سے دوچار ہو گئے تھے۔ اس کے پیش نظر نئے ٹیکسوں کا نفاذ یا مروجہ ٹیکسوں میں اضافہ کا امکان کچھ ناگزیر سا نظر آنے لگا تھا اور کم وبیش ہر شعبہ زندگی کے لوگ اپنے ذہنوں کو ممکنہ ٹیکسوں کا مزید بوجھ قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ نیا بجٹ تیار کرنے والوں نے خاص حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور ایسے لوگوں پر ٹیکس عائد کئے گئے ہیں جو واقعی ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نئے میزانیہ کا یہ پہلو بھی بڑا خوشگوار ہے کہ اس میں ہوشربا گرانی کی چکی میں پسنے والے عوام کو کچھ سہولتیں دینے کی غرض سے اقدامات کئے گئے ہیں۔''

مارچ 1970ء میں مشرقی پاکستان میں سٹیٹ بنک اور دیگر بینکوں کو لوٹنے سے نیشنل عوامی پارٹی کے کارکنوں کے پاس پاکستانی کرنسی کے انبار لگ گئے۔ وہ سمگلروں سے ملکر پاکستان سے اشیاء خریدنے اور براستہ ہندوستان مشرقی پاکستان میں لے جاتے اور باغیوں کی مدد کرتے۔ پاکستان میں افراط زر کا ایک سیلاب آنے کو تھا۔ جناب ایم ایم احمد صاحب کی فہم وفراست نے اقتصادی حالت کو بروقت بھانپ لیا۔ چنانچہ آپ نے پانچ سو اور ایک سو روپے والے کرنسی نوٹ کی قانونی حیثیت ختم کردی۔ جس سے پاکستان اقتصادی تباہی سے بچ گیا اور روپے کی گرتی ہوئی قدر میں ٹھہراؤ آ گیا روزنامہ نوائے وقت جناب ایم ایم احمد کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے لکھتا ہے:

''بڑے کرنسی نوٹوں کی منسوخی نے سمگلنگ ختم کرنے کا بہترین موقع پیدا کر دیا... سمگلروں کا کاروبار تباہ ہو گیا۔'' (لاہور 24/جون)

پاکستانی روپے کا ڈالر کے ساتھ منسلک کرنے کا فیصلہ

ایوب حکومت میں پاکستانی روپے کو ڈالر سے منسلک کر دیا گیا۔جس سے پاکستانی کرنسی پر بڑے خوش کن اثرات پڑے تھے۔اور پاکستانی روپے کو کافی استحکام ملا تھا۔1972ء میں جب بھٹو حکومت برسر اقتدار آئی تو پاکستانی روپے کی قیمت بہت ہی کم کردی گئی جبکہ اس کمی کے اثرات پاکستانی معیشت پر پڑنے لگے تو بھٹو صاحب نے جناب ایم ایم صاحب سے رابطہ کیا۔اس سلسلہ میں ایم ایم صاحب بیان کرتے ہیں۔''روپے کی قیمت میں کمی کردی گئی اس سے پہلے ڈالر کے مقابلے میں ساڑھے سات تھی انہوں نے گیارہ روپے کردی تو جب 11/روپے ہوئی تو صدر صاحب نے مجھے بلوایا۔آئی ایم ایف کے ساتھ اس وقت غلام اسحاق خاں اور آفتاب قاضی نے بات کی تھی تو صدر نے مجھے بلوایا اور کہا یہ بہت زیادہ ہے میں اس سلسلے میں بات کروں میں نے آئی ایم ایف سے بات کی۔تو انہوں بتایا کہ یہ تو پاکستان کی جانب سے بذات خود کمی کی گئی ہے۔اب تو کچھ نہیں ہوسکتا میں نے غلام اسحاق خاں سے بات کی کہ یہ آپ نے کیوں کیا اتنی زیادہ کمی کیوں کردی۔یہ تو بہت زیادہ ہے کہنے لگے ہاں میں مانتا ہوں یہ بہت زیادہ ہے لیکن یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ اگر ڈی ویلویشن کامیاب کرنا ہے تو ایک ہی جمپ میں ایسے لیول پر لے جاؤ کہ پھر دوبارہ مستقل قریب میں جلدی کمی نہ کرنی پڑے۔

(ہفت روزہ حریت اسلام آباد 2 جنوری 1997ء)

1972ء میں آپ استعفیٰ دے کر ورلڈ بینک میں چلے گئے۔اور''نائب صدر عالمی بنک''اور آئی ایم ایف کے ایگزیکٹو سیکرٹری کے طور پر 1984ء تک خدمات سرانجام دیتے رہے۔اس دوران بھی آپ نے پاکستان کے مفاد کو مدنظر رکھا۔جہاں بھی پاکستان کو فائدہ پہنچایا جا سکتا تھا۔آپ اس میں عمر بھر کوشاں رہے۔ورلڈ بنک سے ریٹائرڈ ہو کر آپ نے امریکہ میں مستقل رہائش اختیار کرلی اور اس دوران بھی آپ وطن عزیز کی بہتری کے لئے کوشاں رہے۔1989ء میں جب پریسلر ترمیم سے امریکہ نے پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگا کر امداد بند کردی تھی تو آپ نے یہ

پابندیاں اٹھانے میں بہت کوششیں کیں بلکہ اپنا ذاتی اثر و رسوخ بھی استعمال کیا۔آپ یہاں فرماتے ہیں۔

ہماری جماعت (امریکہ) میں چالیس کے قریب کمیٹیاں ہیں ان سب کو لکھا کہ اپنے اپنے ہاؤس ممبر حضرات اور سینیٹرز کو کہیں کہ وہ اپنا اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں اور کام کریں خاص کر 14 ممبرز جن کی کمیٹی بیٹھی تھی ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس سلسلے میں بھرپور کوشش کریں۔میرے اپنے امریکن دوست تھے گورنر ریٹائرڈ۔ان سے میں نے بات کی ان کی میں نے پریسلر سے بات کروائی اس حوالے سے جو سب سے مؤثر آدمی تھا وہ ری پبلکن تھا۔اور یہ بھی ری پبلکن تھے۔میں نے ان سے بھی کہلوایا تو اس نے کہا کہ تم فون کر کے آجانا اور میں اس سلسلے میں بھرپور کوشش کا وعدہ کرتا ہوں۔اس طرح میرے اور پروفیسر دوست تھے۔مجھے کہنے لگے کہ تم کیوں کرتے ہو جب تمہارے خلاف اس اس قدر زہر اگلا جاتا ہے۔پھر تم کیوں اسقدر کوشش کر رہے ہو تو میں نے ان سے کہا ہماری مخالفت گورنمنٹ کی پالیسی سے ہے لیکن ہماری مخالفت کا کوئی بھی اور ذرہ سا حصہ پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔ ہم ملک کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنا کہ کسی محب وطن کو ہونا چاہیئے۔ہم ملک کے مفاد میں ہمیشہ کام کرتے آئے ہیں اور جہاں بھی ضرورت پڑے گی ہم کام کریں گے۔(ہفت روزہ حریت اسلام آباد 2 جنوری 1997ء)

صدر یحییٰ خان کی بیرون ملک ایران روانگی کے موقع پر آپ کو قائم مقام صدر پاکستان ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔اس دوران ایک معاند احمدیت اسلم قریشی نے آپ پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس وجہ سے آپ زخمی ہو گئے تھے۔آپ کو جماعت احمدیہ کے امیر جماعت امریکہ ہونے کا اعزاز تا وفات حاصل رہا۔آپ 23/جولائی 2002ء کو امریکہ کے ایک ہسپتال میں 89/برس کی عمر میں خالق حقیقی سے جا ملے۔آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔

——*
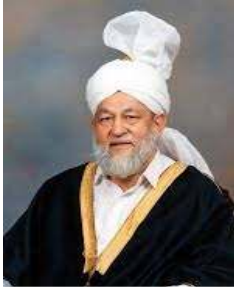
ایم ایم احمد کی آواز میں فتح وظفر کی بشارت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ خطبہ جمعہ 6 نومبر 84ء میں فرماتے ہیں۔

''جن دنوں پاکستان کے حالات کی وجہ سے بعض راتیں شدید کرب میں گزریں تو صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے بڑی شوکت کے ساتھ الہاماً فرمایا ''السلام علیکم'' اور یہ آواز بڑی پیاری، روشن اور کھلی آواز تھی جو مرزا مظفر احمد صاحب کی معلوم ہو رہی تھی یعنی یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے میرے کمرے کی طرف آتے ہوئے باہر سے ہی السلام علیکم کہنا شروع کر دیا ہے اور داخل ہونے سے پہلے السلام علیکم کہتے ہوئے کمرے میں آ رہے ہیں۔ چنانچہ اس وقت تو خیال بھی نہیں تھا کہ یہ الہامی کیفیت ہے کیونکہ میں پوری طرح جاگا ہوا تھا لیکن اس وقت جو ماحول تھا اس سے تعلق کٹ گیا تھا۔ میرا فوری ردعمل یہ تھا کہ میں اٹھ کر باہر جا کر ان سے ملوں لیکن اسی وقت یہ کیفیت ختم ہو گئی اور مجھے پتہ چلا کہ یہ تو خدا تعالیٰ نے بشارت دی ہے اور اس میں نہ صرف یہ کہ السلام علیکم کا وعدہ دیا گیا ہے بلکہ ظفر کا وعدہ بھی ساتھ عطا فرما دیا ہے کیونکہ مظفر کی آواز میں السلام علیکم پہنچانا یہ ایک بہت بڑی اور دوہری خوشخبری ہے۔ پہلے بھی ظفر اللہ خاں ہی خدا تعالیٰ نے دکھائے اور دونوں میں ظفر ایک قدر مشترک ہے۔'' (روزنامہ الفضل 26 دسمبر 98ء)

مرزا مظفر احمد میرے گلے لگ گئے۔ حضور انور کا ایک ایمان افروز رؤیا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ سفر یورپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایک موقع پر بالکل بے حیثیت اور بے حقیقت ہو کر میں نے اپنے رب سے عرض کیا۔ اے خدا میرے بس میں تو کچھ نہیں ہے۔ میرا ذہن قطعاً خالی پڑا ہے۔ تو نے جماعت کے لئے جو توقعات پیدا کر دی ہیں وہ میں نے تو پیدا نہیں کیں۔

جماعت احمدیہ کے امام کو دنیا ایک خاص نظر سے دیکھنے آتی ہے اور ایک توقع کے ساتھ اس کا جائزہ لیتی ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں تو اس پر پورا نہیں اتر سکتا۔ اس لئے اے خدا ! تو ہی میری مدد فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اتنی غیر معمولی مدد فرمائی کہ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں خود نہیں بول رہا کوئی اور طاقت بول رہی ہے میرے ذہن میں ازخود مضمون آتے چلے جا رہے تھے۔ پھر اس کے بعد میرے دل میں ایک خوف پیدا ہوا کہ اگر اللہ کی تائید ایک لمحہ کے لئے بھی مجھے چھوڑ دے تو جس مقام پر اس نے فائز فرما دیا اور دنیا کی توقعات بلند کر دیں اس مقام سے تو میں ایسا گروں گا کہ لوگوں کو کچھ سمجھ ہی نہیں آئے گی کہ یہ کون شخص ہے جو ابسامنے آیا ہے اس سے پہلے تو کوئی اور وجود تھا۔ چنانچہ بڑی گھبراہٹ اور پریشانی میں میں نے دعا کی اے خدا ! تو وہ نہ بن کہ رحمت کا جلوہ دکھا کر پیچھے ہٹ جائے تو نے فضل فرمایا ہے تو پھر ساتھ رہ اور ساتھ ہی رہ اور کبھی نہ چھوڑ۔

اسی رات میں نے ایک خواب دیکھی اور اس سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس سارے سفر کو کامیاب کرے گا اور مجھے کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ یعنی جماعت کو کبھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ مسجد بشارت سپین کے صحن میں میرے بھائی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب آ کر مجھے گلے لگا لیتے ہیں اور پھر چھوڑتے ہی نہیں۔ میں حیران کھڑا ہوں مجھے اس وقت کچھ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اب ملاقات کافی لمبی ہو گئی ہے۔ اب بس کریں لیکن وہ چمٹ جاتے ہیں اور چھوڑتے ہی نہیں۔ اسی حالت میں خواب ختم ہو گئی۔

صبح اٹھ کر مجھے یاد آیا کہ میں نے تو یہ دعا کی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف اس سفر کو بابرکت کرے گا بلکہ باقی ساری زندگی کو بھی بابرکت کرے گا۔ دنیا کو جماعت سے جو توقعات ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم ان کو پورا کریں گے۔ یہ ''ہم'' کا صیغہ میں اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ وہاں ایک شخص مرزا طاہر احمد مراد نہیں تھا۔ میری دعائیں نہ اپنی

ذات کے لئے تھیں نہ ایک وجود کے لئے تھیں میری دعائیں تو اس جماعت کے لئے تھیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آج اللہ کی صفات کا مظہر بنی ہوئی ہے۔ اس جماعت سے جو توقعات ہیں وہی اس کے خلیفہ سے ہوتی ہیں اس سے الگ توقعات تو نہیں ہوا کرتیں۔ پس میں اس خوشخبری کو ساری جماعت کے لئے سمجھتا ہوں۔ (الفضل 8 مارچ 1983ء ص 2)

تعارف۔ ایم ایم احمد۔ شخصیت اور خدمات

پاکیزہ خاندان

براہین احمدیہ جلد چہارم (جو 1884ء کی تصنیف ہے) میں حضرت مسیح موعود کے یہ الہامات درج ہیں۔ سبحان اللہ تبارك و تعالیٰ زاد مجدك۔ ینقطع آباء ك و یبدء منك نصرت بالرعب و احییت بالصدق ایھا الصدیق۔ نصرت و قالوا لات حین مناص۔ (براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 583)

اس کا ترجمہ حضرت مسیح موعود یوں فرماتے ہیں۔ تمام پاکیاں خدا کے لئے ہیں جو بڑی برکتوں والا اور عالی ذات ہے۔ اس نے تیری خاندانی بزرگی کو تیرے وجود کے ساتھ زیادہ کیا۔ اب ایسا ہوگا کہ آئندہ تیرے باپ دادے کا ذکر منقطع کیا جائے گا اور ابتدا خاندان کا تجھ سے ہوگا۔ تجھے رعب کے ساتھ نصرت دی گئی ہے اور صدق کے ساتھ تو اے صدیق زندہ کیا گیا۔ نصرت تیرے شامل حال ہوئی اور دشمنوں نے کہا اب گریز کی جگہ نہیں۔ (تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275)

ان الہامات کے مطابق حضور کی دوسری شادی نومبر 1884ء میں سادات خاندان میں حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ بنت حضرت میر ناصر نواب صاحب سے ہوئی۔ حضور اس خاندان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”اس (خدا) نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں

لاوے اوراس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کوجن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دنیامیں زیادہ سے زیادہ پھیلا دے‘‘(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275)

الہامات الٰہیہ میں اس مبارک خاتون کے نام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ براھین احمدیہ کے مذکورہ الہامات میں نصرت کا لفظ دودفعہ ہے۔حضوراس لفظ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔اس جگہ عربی الہام میں جیسا کہ نصرت کا لفظ واقع ہے اسی طرح میری خاتون کا نام نصرت جہاں بیگم ہے جس کے یہ معنے ہیں کہ جہاں کو فائدہ پہنچانے کے لئے آسمان سے نصرت شامل حال ہوگی۔(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 276)

میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاول کے طور پر الہامات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔(تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275)

حضرت مسیح موعود کے الفاظ ’تمام جہان کی مدد‘ قابل غور ہیں کیونکہ یہ وسیع معانی اور وسیع دائروں پر پھیلے ہوئے ہیں۔اصل اور حقیقی مقصود تو دین کی خدمت اور روحانیت کا غلبہ ہے اوراس مقصد کے لئے اس خاندان کو بے تحاشا قربانیاں دینے اور شاندار فتوحات حاصل کرنے کی توفیق دی ہے مگر وہ صلاحیتیں زندگی کے ہر میدان میں جلوہ گر ہوئیں اور تمام جہان کی ہر رنگ میں امداد بلکہ رہنمائی کرنے کا اس خانوادے کوموقع ملا ہے۔

حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اورقوت قدسیہ کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔متنوع۔عدیم المثال اور زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والی صلاحیتیں بکھیر دی ہیں۔جس میدان میں کسی نے محنت اور دعا کے ساتھ قدم اٹھایا اسے خدا نے ہر قسم کے پھول پھل لگائے اور دنیا کے سامنے ایک ممتاز حیثیت میں ابھرا۔

اس شجرہ طیبہ کا بلند ترین پھل مصلح موعود تھا۔ جسے علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا گیا تھا۔ وہ

سلطان البیان تھا اس کی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں، قوموں نے اس سے برکت پائی اور دنیا میں اس نے ایک عظیم انقلاب کی بنیاد ڈال دی۔

وہ نافلۂ موعود بھی اسی خاندان کا ہے جس نے یورپ اور امریکہ اور افریقہ میں جا کر خدائے واحد کا پیغام سنایا۔ کل عالم کو محبت کا پیغام دیا۔ اور امن کا سفیر کہلایا۔ اور مہدی کا منادی بھی اسی خاندان کی شاخ طوبیٰ ہے جو مسیح الزماں اور اس کے مقدس آقا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی نشر و اشاعت میں عالمی مواصلاتی رابطوں کے ذریعہ ہمہ وقت مشغول ہے۔ جس نے خدا کی خاطر وطن چھوڑ کر یورپ میں ڈیرہ لگایا مگر دین کو مضبوط گھر مہیا کر دیا ہے۔ اور ماموروں کا چاند بھی اسی خاندان کے افق سے طلوع ہوا جس کے اندر جمال کی ٹھنڈی اور پاکیزہ روشنی تھی جس کی بصارت اور بصیرت بے مثال تھی جس کا ہر لفظ موتی اور ہر حرف نگینہ تھا۔ اسی خاندان کا ایک فرد وہ بادشاہ اور قاضی تھا جو شاہانہ سخاوت اور دریا دلی کا ایک شاندار نمونہ تھا اور غریبوں کی دلداری اور مشکل کشائی پر کمر بستہ تھا۔

اس شجرہ کی کسی شاخ نے ڈاکٹری، سرجری اور ہومیوپیتھی میں کمال حاصل کیا۔ تو کسی نے انجینئرنگ میں اہل زمانہ سے خراج تحسین وصول کیا کسی نے ملکی سیاست اور انتظام میں ابنائے عالم کی رہنمائی کی تو کسی نے تعلیم و سائنس کے تاریک گوشے روشن کئے۔ کسی نے فوجی اور دفاعی شعبہ میں نئے سنگ میل نصب کئے تو کسی نے علم و ادب اور شاعری میں نئے چراغ جلائے۔ کسی نے معیشت اور اقتصادیات میں اپنا لوہا منوایا تو کسی نے صنعت و حرفت میں قوم کو نئی راہیں دکھائیں۔ کسی نے زراعت، جانوروں اور شہد کی دنیا میں نئے راز معلوم کئے تو کسی نے بنجر زمین کو گل و گلزار بنانے کے محیر العقول کارنامے کر دکھائے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی غیر معمولی صلاحیتوں اور برکات سے سرفراز فرمایا گیا۔

ان کی سرخیل وہ نواب اور دخت کرام ہیں جو مسیح موعود کی بیٹیاں ہیں اور پھر وہ عورتیں جن کی

اولاد کو خدا نے خلافت کے منصب پر فائز کیا اور وہ بھی جنہیں خلفاء اور دیگر مبارک وجودوں کے قدم بقدم خدمت سلسلہ اور خدمت نوع انسانی کی توفیق ملی۔ الغرض اس خاندان نے الٰہیات، علوم قرآن وحدیث، تاریخ اور اس کا فلسفہ، سیرت، تقریر وتحریر، تنظیم کاری، آبادکاری، سیاست کاری، شہروں کی آبادی، ادب اور شاعری، سیاست، خارجہ، ملی اور بین الاقوامی امور، شکار، سلیقہ، سادگی، علم انساب، کھیل وغیرہ علم وعمل کی ہر شاخ کو نئے پھولوں سے آراستہ کیا اس نے جتنے مختصر عرصہ میں وسائل کی کمی اور حالات کے جبر کے باوجود زندگی کے متعدد شعبوں میں جن ذہنی اور قلبی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا ہے شاید اس کی مثالیں بہت کم ہوں گی وذلك فضل الله۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اسی مقدس خاندان کے درخشندہ گوہر تھے جنہوں نے بے سروسامانی، سخت مخالفت، کفر کے فتووں، قتل کی دھمکیوں، علم وفضل کی ناقدری اور جاہلانہ تعصب کے باوجود مسلسل آگے قدم بڑھایا۔

سوانحی خاکہ

☆ حضرت مسیح موعود کے پوتے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مورخہ 28 فروری 1913ء کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ ☆ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت قادیان میں ہوئی۔ بزرگان سلسلہ کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ ☆ ابتدائی تعلیم قادیان سے حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کی۔ ☆ اعلیٰ تعلیم کے لئے 1933ء میں انگلستان روانہ ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود کے پہلے پوتے تھے جو بیرون ملک حصول علم کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت مصلح موعود نے بیرون ملک روانگی کے موقع پر خصوصی نصائح فرمائیں۔ انگلستان میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا۔ ☆ 26/دسمبر 1938ء کو مسجد نور قادیان میں حضرت مصلح موعود نے اپنی بیٹی صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ کا نکاح آپ کے ساتھ پڑھا۔ صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ حضرت سیدہ امۃ الحی بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے بطن سے ہیں۔ آپ کی

اولاد نہیں تھی آپ نے مکرم ظاہر مصطفی احمد ابن مکرم ناصر محمد سیال صاحب کو بیٹوں کی طرح پالا اور پروان چڑھایا۔☆ برطانیہ سے واپسی پر آپ نے تقسیم برصغیر سے قبل انڈین سول سروس کا آغاز کیا۔ آپ بطور افسر مال سرگودھا اور ملتان میں تعینات رہے۔ پھر ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ اور ڈپٹی کمشنر میانوالی رہے۔☆ تقسیم برصغیر کے ایام میں ہجرت کے دوران آپ کو جماعت کی غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی۔☆ آپ مغربی پاکستان میں فنانس سیکرٹری اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے عہدوں پر متعین رہے۔☆ صدر پاکستان فیلڈ مارشل جنرل محمد ایوب خان نے آپ کو ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن مقرر کیا۔ صدر ایوب خود چیئرمین تھے۔ اس عہدے پر آپ کو گراں قدر ملی خدمات کی توفیق ملی۔ پاکستان کا پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ تیار کیا گیا۔ اس منصوبہ کے تحت تربیلا ڈیم، منگلا ڈیم اور ان سے نکلنے والی نہروں کے عظیم منصوبے شروع ہوئے۔☆ صدر پاکستان جنرل یحییٰ خان کے دور حکومت میں آپ صدر کے اقتصادی امور کے مشیر رہے۔ یہ عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔☆ 1971-72ء کا وفاقی بجٹ آپ نے پیش کیا۔ جسے ملک کے دگرگوں سیاسی و معاشی حالات میں ایک کارنامہ قرار دیا گیا۔☆ 15 ستمبر 1971ء کو CDA کے ملازم محمد اسلم قریشی نے آپ پر اسلام آباد میں قاتلانہ حملہ کیا۔ آپ شدید زخمی ہوئے اور ہسپتال داخل کروایا گیا۔ دیگر شخصیات کے علاوہ صدر پاکستان آپ کی خیریت دریافت کرنے گئے۔ حملہ آور گرفتار کر لیا گیا۔☆ 1972ء میں آپ ورلڈ بنک سے منسلک ہو گئے۔ ورلڈ بنک کے ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں بطور ایگزیکٹو سیکرٹری تعینات رہے۔ یہاں سے آپ 1984ء میں ریٹائر ہوئے۔☆ 1978ء میں لندن میں ہونیوالی کسر صلیب کانفرنس میں آپ نے اپنا مقالہ پڑھا۔☆ 1989ء میں آپ امیر جماعت احمدیہ امریکہ مقرر ہوئے اور تادم آخر اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ آپ کے دور امارت میں جماعت امریکہ نے غیر معمولی ترقیات حاصل کیں۔ مرکزی بیت الذکر بیت الرحمن کی تعمیر،

دیگر بیوت الذکر و مشن ہاؤسز کی تعمیر، انٹرنیٹ پر جماعتی ویب سائٹ، MTA ارتھ اسٹیشن کا قیام، نمائش اور MTA سٹوڈیو، جلسہ سالانہ پر لنگر خانہ کا اجراء، جلسہ سالانہ امریکہ کی کارروائی MTA پر براہ راست نشر ہونی شروع ہوئی۔ مالی قربانی میں امریکہ صف اول کا ملک بن گیا۔☆ آپ کے دور امارت میں حضور انور نے 1989ء، 1991ء، 1994ء، 1996ء، 1997 اور 1998ء میں امریکہ کے دورے فرمائے۔☆ پاکستان کے بارہ میں پریسلر ترمیم کے خاتمہ کے لئے امریکی سینیٹر براؤن کی ترمیم جو کہ براؤن ترمیم کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس حوالے سے آپ نے گراں قدر ملّی خدمت سرانجام دی جس پر صدر اور وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے پاکستان کی امریکہ میں سفیر نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔☆ جلسہ سالانہ امریکہ 2001ء میں بھی آپ نے افتتاحی واختتامی خطابات کئے۔☆ 2002ء میں آپ بیماری کی وجہ سے متعدد بار واشنگٹن ہسپتال میں زیر علاج رہے۔☆ مورخہ 23/جولائی 2002ء کو پاکستانی وقت کے مطابق صبح ساڑے نو بجے اور امریکی وقت کے مطابق 22/جولائی کی شب رات ساڑھے گیارہ بجے آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے خالق حقیقی سے جاملی۔☆ آپ نے 89 سال، چار ماہ اور تیئس دن کی عمر پائی۔ اس لحاظ سے آپ خاندان حضرت مسیح موعود کے مردوں میں اب تک سب سے لمبی عمر پانے والے وجود ہیں۔☆ مورخہ 30/جولائی 2002ء کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے درجات بلند کرتے ہوئے انہیں اعلیٰ علیین میں داخل فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول کرتے ہوئے ان کے فیض کو جاری رکھے اور آپ کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

۞۞۞۞۞۞۞

برطانیہ روانگی کے وقت حضرت مصلح موعودؓ کی ہدایات

عزیزم مرزا مظفر احمد سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کو انگلستان جانا مبارک ہو، اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شر سے بچائے۔اوراس طرح وہاں رہنے کی توفیق دے۔جو اسلام اور سلسلہ کی عزت بڑھانے والا ہو۔

سلسلہ کی عزت کا خیال

آپ کو یادرکھنا چاہئے کہ: (1) آپ کی حالت دوسرے طالب علموں کی طرح نہیں ان کو کوئی نہیں جانتا۔ان کی حالت کو کوئی نہیں دیکھتا۔آپ کو لوگ اس نگاہ سے دیکھیں گے۔کہ آپ حضرت مسیح موعود کے پوتے ہیں۔اورآپ کے سامنے تعریف کرنے والے بعد میں لوگوں سے کہیں گے کہ ہم نے مرزا صاحب کے پوتے کو دیکھا ہے۔اس میں تو یہ یہ نقائص ہیں۔پس ہمیشہ اس امر کا خیال رکھیں۔کہ آپ کے ہاتھ میں اپنی عزت کی حفاظت کا ہی کام نہیں ہے۔بلکہ سلسلہ کی عزت بلکہ حضرت مسیح موعود کی عزت کی حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے۔

دعا (2) ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ نے اس زمانہ کی مادیت کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑا کیا ہے۔پس آپ کو دعاؤں پر خاص زور دینا چاہئے کوئی مشکل نہیں جسے اللہ تعالیٰ حل نہ کرسکتا ہو۔اور کوئی عزت نہیں جو اس کے دربار سے نہ مل سکتی ہو۔پس ہمیشہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہیں۔اور ہمیشہ مشکل کے وقت میں اس کی طرف جھکیں۔تاکہ وہ شیطان کے حملہ سے محفوظ رکھے۔اور مشکلات کو دور فرمائے۔

نماز باجماعت (3) اس ملک کے اوقات ایسے ہیں۔کہ جلد آدمی نمازوں میں سست ہونے لگتا ہے۔پس ہمیشہ کوشش کریں۔کہ نمازوں میں بے قاعدگی نہ ہو۔یہ تو میں بالکل امید نہیں کرتا

کہ ایک وقت کی نماز بھی آپ کے ہاتھ سے جاتی رہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ نمازیں وقت پر ادا ہوں۔ اور اگر ہو سکے تو با جماعت ادا ہوں۔ اگر پاس کوئی احمدی نہ ہو۔ تو کسی غیر احمدی کو ہی اپنے پیچھے کھڑا کر کے جماعت کرا سکتے ہیں۔

تلاوت قرآن (4) قرآن شریف کا سمجھ کر مطالعہ کرتے رہیں۔ کہ اس میں سب نور اور ہدایت ہے۔ اگر غور سے پڑھیں گے۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ یورپ باجود ترقی کے اس کے مقابلہ میں ابھی تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔

احمدیوں سے ملنا (5) ہر ممکن کوشش احمدیوں سے ملتے رہنے کی کرتے رہیں خصوصاً (بیت الذکر) میں آنے کی۔ کوئی موقعہ نہ دیں کہ مسجد میں آ سکیں لیکن آئیں نہیں۔

دوست کیسے ہوں (6) ہمیشہ اچھے دوستوں سے تعلق پیدا کریں۔ خصوصاً وہ جو اچھے طبقہ کے اور سمجھدار ہوں۔ انسانی عقل کی ترقی اپنے دوستوں کے دماغ کے مطابق ہوتی ہے۔ بے وقوف دوست آپ کو بھی بے وقوف بنا دے گا۔ دوستی خصوصاً اچھے طبقہ کے انگریزوں سے ہو۔ ہندوستانیوں سے وہاں دوستانہ کم رکھیں۔ اس سے زبان صاف نہ ہو گی۔ اور اخلاق خراب ہوں گے۔

(7) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ کہ آپ کو ملازمت کرنی ہو گی یا سلسلہ کا کام لیکن جو کچھ بھی ہو آپ کو یہ فائدہ دے گا کہ آپ اس طبقہ سے ملتے رہیں۔ جس کا ہندوستان یا انگلستان کے پالیٹکس پر اثر ہوتا ہے۔ ایسے طبقہ میں ملتے رہنے کی کوشش کریں۔ میں نے اس کے لئے سر اڈوائر کو خط لکھا ہے۔ ان سے مناسب موقعہ ملتے رہیں۔ وہ خیر خواہ آدمی ہے۔ انشاء اللہ اچھا مشورہ دے گا۔ اور مفید ثابت ہو گا۔ دوسرا شخص اگر اس کی صحت اچھی ہو۔ سر جافرے ہے۔ درد صاحب کی معرفت ان سے مل کر بھی تعارف پیدا کر لیں۔ اسی طرح سر مکلیگن ہے۔ آخر الذکر ہمارے خاندان کے خاص طور پر واقف ہیں۔

دعوت الی اللہ (8) اپنے حلقہ میں دعوت الی اللہ کا کام کرتے رہیں۔ اور اچھے نوجوانوں کو

انگریز ہوں یا ہندوستانی مسجد میں لے جانے کی کوشش کریں۔ کہ اس سے دل کو نور حاصل ہوتا ہے۔

امام مسجد لنڈن کی اطاعت (9) درد صاحب یا جو (مربی) ہو۔ وہ وہاں کا امام اور امیر ہے اس کی پوری فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اور اس سے مشورہ لیتے رہنا چاہیئے۔

عورتوں کے متعلق ہدایت (10) وہاں عورتوں کی وبا کثرت سے ہے۔ اس سے بچنا تو مشکل ہے۔ کیونکہ وہ ہر مجلس میں موجود ہوتی ہیں لیکن جوان عورتوں سے الگ ملنے یا ان کے ساتھ سیر وغیرہ جانے سے احتراز کرنا چاہیئے۔

کھانے کے متعلق (11) کھانے میں حلال حرام کا خاص خیال رکھیں۔ اور شکل میں داڑھی کا۔

راستہ کے متعلق یاد رکھیں کہ:

جہاز کا سفر (1) جہاز میں متلی سے بچنے کے لئے اچھا ذریعہ یہ ہے کہ اول تو کچھ نہ کچھ کھاتا ضرور رہے۔ دوم کھلی ہوا میں رہے۔ یعنی کمرہ کی جگہ ڈک پر وقت گزارے سوم جس وقت زیادہ ہچکولے ہوں۔ اس وقت ذرا لیٹ جائے۔

حلال گوشت (2) جہاز میں جاتے ہی سٹیورڈ سے یعنی جہاز کے خادم سے کہہ دیں۔ کہ آپ خنزیر یا بغیر حلال کا گوشت نہیں کھاتے۔ اس کا وہ خیال رکھے۔ اور اس چیز کے متعلق آپ کو بتا دے۔ بلکہ چاہیئے کہ میاں بشیر احمد صاحب تھامس کک کی معرفت پی اینڈ او کمپنی والوں کو فوراً اطلاع کرا دیں۔ تا کہ کوئی تکلیف نہ ہو۔

ٹھگوں کے متعلق احتیاط (3) تھامس کک کے آدمی ہر جگہ بندرگاہ میں ملتے ہیں ان پر اعتبار کریں۔ خود کوئی انتظام نہ کریں۔ یورپ میں ٹھگ بہت ہوتے ہیں۔ ہوٹل وغیرہ میں ٹھہرنا ہو۔ تو بھی ان کی معرفت انتظام کرائیں۔ انہیں کہہ سکتے ہیں کہ اوسط درجہ کے خرچ والا لیکن معتبر ہوٹل ہو۔

(4) جہاز سے اتر کر لنڈن پہنچنے کے وقت تک جہاز کے مسافروں کے سوا کسی سے تعلق نہ پیدا کریں۔ نہ کسی کو ساتھ رہنے دیں۔ ایسے لوگوں میں سے 90 فی صدی ٹھگ ہوتے ہیں۔

(5) ہمیشہ روپیہ ضروری کاغذات وغیرہ اندر کی جیب میں رکھیں۔ جیب کترنے والے کثرت سے بندرگاہوں وغیرہ پر پھرتے ہیں۔

سیر کے متعلق احتیاط (6) بندرگاہ پر سیر کو جانا ہوتو چند دوسرے لوگوں سے مل کر جائیں۔ اکیلے نہ جائیں۔ کہ لٹیرے بڑے خطرناک حملے ایسے مواقع پر کرگزرتے ہیں۔

آسان راستہ (7) فرانس سے انگلستان دو راستے جاتے ہیں۔ بذریعہ Dover اور Southampton آپ کو سنا ہے چکرزیادہ آتے ہیں۔ تھامس کک کو کہہ دیں کہ آپ سوتھمپٹن کے ذریعہ سے جانا چاہتے ہیں Dover کا راستہ نہایت سخت ہے اور گو دو گھنٹے کا ہے۔ مگر اسی عرصہ میں جان نکال لیتا ہے۔

جہاز میں روپیہ وغیرہ کی حفاظت کا طریق

(8) جہاز میں پہنچتے ہی زائد روپیہ اور پاسپورٹ اور ضروری کاغذ پرسر Purser کے پاس رکھوادیں۔ ورنہ جہاز میں گم ہوجانے پر تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ جہاز کے ٹھہرنے سے ایک دن پہلے کاغذات واپس لے کر باحتیاط رکھ لیں۔ چند گھنٹے پہلے مل سکیں تو اور بھی اچھا ہے Purser کی رسید محفوظ رکھیں اس کے دکھانے پر روپیہ اور کاغذات واپس ملیں گے۔

خادم کو انعام (9) جہاز سے اترتے وقت سٹیورڈ (خادم) کو دس شلنگ سے ایک پونڈ تک دینے کا رواج ہے۔ یہ کمرہ کے خادم اور کھانا کھلانے والے خادم دونوں کا حق ہوتا ہے۔ خواہ دونوں کو الگ الگ دے دیا جائے۔ یا دونوں کی موجودگی میں ایک کو بعض جہازوں پر یہ دونوں کام ایک ہی شخص کرتا ہے۔

(10) جہاز پر لیمن جوس وغیرہ قیمتاً ملتا ہے۔ ضرورت کے موقعہ پر سٹیورڈ کی معرفت مل سکتا ہے۔ اسے حکم دینا کافی ہوتا ہے۔

تعارف پیدا کرنے کا ذریعہ (11) جہاز میں چڑھتے ہوئے کچھ پھل لے کر رکھ لیا جائے اور

کچھ انگریزی رسالے تو مفید ہوتے ہیں۔ ساتھیوں سے اس کے ذریعہ سے تعارف ہو جاتا ہے۔ اور شروع کے دن اچھے کٹ جاتے ہیں۔

مقدس سرزمین کے متعلق فرض

(12) جہاز اس مقدس سرزمین کے پاس سے گزرے گا جس سے ہمیں نور ملا ہے۔ اور جہاں ہمارا سب سے پیارا وجود مدفون ہے۔ دونوں جگہ سے جہاز کے گزرنے کا علم جہاز کے افسروں سے ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تو اس جگہ اس سرزمین کو دیکھ کر دعائیں کریں۔ تا اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو۔ ایک جگہ تسبیح وتحمید اور دوسری جگہ درود پڑھیں۔ کہ اس احسان عظیم کا جو ہم پر ہوا ہے۔ اعتراف ہو۔ ان شکرتم لازیدنکم۔

الفضل کا مطالعہ (13) یہ تو آپ کے ابا کا کام ہے کہ الفضل تمہارے نام جاتا رہے۔ مگر اس کو پڑھتے رہنا تمہارا کام ہے۔

اللہ تعالیٰ خیریت سے لے جائے۔ خیریت سے لائے خوشی خوشی سب کو چھوڑیں۔ خوشی خوشی اور خیریت سے سب کو آکر ملیں۔ اللہ کے سپرد و اللہ خیرٌ حافظاً و ناصراً۔ الٰہی

سپردم بہ تو مایۂ خویش را ---- تو دانی حساب کم و بیش را

(نوٹ) بمبئی میں سیٹھ اسماعیل صاحب آدم ہر قسم کا مفید مشورہ دے سکتے ہیں۔ میں ان کو لکھ رہا ہوں۔ ان کو پہنچنے کی اطلاع ضرور دے دیں۔

والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد (خلیفۃ المسیح)

(الفضل 24/اکتوبر 1933ء)

۞۞۞۞۞۞۞

حصول علم کے لئے انگلستان جاتے وقت عظیم باپ کی ہدایات

(حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب)

اب جب کہ تم ولایت کے لمبے سفر پر جا رہے ہو۔ (اللہ تعالیٰ تمہارا حافظ و ناصر ہو اور تمہیں ہر قسم کی دینی و دنیوی خیریت کے ساتھ کامیاب اور بامراد واپس لائے) میں چاہتا ہوں۔ کہ اپنی سمجھ کے مطابق جو باتیں تمہارے لئے مفید سمجھتا ہوں وہ تمہیں اختصار کے ساتھ لکھ دوں۔ تاکہ اگر خدا کو منظور ہو۔ تو وہ تمہارے لئے کارآمد ثابت ہوں۔ ہر اچھی بات اختیار کرو

سب سے پہلی بات یہ ہے۔ کہ جس ملک میں تم جا رہے ہو۔ وہاں کا مذہب تہذیب اور تمدّن بالکل جدا ہے۔ یہ ملک تمہارے واسطے گویا ایک نئی دنیا کا حکم رکھتا ہے۔ اس میں خدا کو یاد رکھتے ہوئے اور خدا سے دعا مانگتے ہوئے داخل ہو اس ملک میں بہت سی باتیں تمہیں مفید اور اچھی ملیں گی۔ انہیں اس تسلی کے بعد کہ وہ واقعی اچھی ہیں بے شک اختیار کرو۔ اور ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ مفید اور اچھی چیز جہاں بھی ملے۔ وہ مومن کا مال ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ ترجمہ یعنی ہر اچھی بات مومن کی اپنی کھوئی ہوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ جہاں بھی ملے۔ اسے لے لینا چاہئے۔ مگر جہاں اس ملک میں اچھی باتیں ملیں گی۔ وہاں بہت سی خراب اور ضرررساں باتیں بھی ملیں گی۔ ان باتوں کے مقابلہ پر تمہیں اپنے آپ کو ایک مضبوط چٹان ثابت کرنا چاہئے۔ اور خواہ دنیا کچھ سمجھے مگر تمہیں یہ یقین رکھنا چاہئے کہ خراب اور ضرررساں چیز کے معلوم کرنے کا یقینی معیار سوائے اس کے اور کوئی نہیں۔ کہ جو بات خدا اور اس کے رسول کے حکم اور موجودہ زمانے میں حضرت مسیح موعود کی تعلیم کے خلاف ہے۔ وہ یقینا نقصان دہ اور ضرررساں ہے۔

دین اور اخلاق کی حفاظت

ولایت میں تمہیں اپنے دین اور اخلاق کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ ملک اپنے اندر بعض ایسے عناصر رکھتا ہے۔ جو دین اور اخلاق کے لئے سخت ضرر رساں ہیں پس اس ملک میں دعا اور استغفار کرتے ہوئے داخل ہو۔ اور جب تک اس میں رہو۔ یا اس قسم کے دوسرے ملک میں رہو۔ خاص طور پر دعا اور استغفار پر زور دو تا کہ تمہارا دل ان ممالک کے مخفی زہروں سے محفوظ رہے۔ اور زنگ آلودنہ ہو۔ نماز کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی رکھو اور اسے اس کی پوری شرائط کے ساتھ ادا کرو۔ اسی طرح اسلام کی دوسری عبادات اور احکام کی پابندی اختیار کرو۔ اور یقین رکھو کہ اس میں ساری برکت اور کامیابی کا راز مخفی ہے۔

تعلق باللہ کے لئے کوشش

باوجود اسلام کی مقرر کردہ عبادات اور اس کے احکام کی پابندی اختیار کرنے کے یہ یاد رکھو۔ کہ یہ باتیں (دین) میں بالذات مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ یہ صرف اصل مقصد کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اصل مقصد خدا تعالیٰ کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا کرنا ہے۔ پس اپنی عبادت میں ہمیشہ اس مقصد کو یاد رکھو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جن کے متعلق قرآن شریف فرما تا ہے ''کہ وہ باوجود نماز کے پابند ہونے کے نماز سے غافل ہوتے ہیں''۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہزار برس کی نمازیں جو اس مقصد سے لاپرواہی کی حالت میں ادا کی جاتی ہیں۔ اس ایک سجدہ کے مقابلہ میں ہیچ ہیں جو اس مقصد کے حصول کے سچی تڑپ کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے پس اپنی ہر عبادت میں اور اپنے ہر عمل میں اس بات کی کوشش کرو۔ کہ خدا کے قرب اور خدا کی محبت میں ترقی ہو۔ اور اس کے ساتھ ذاتی تعلق پیدا ہو جائے۔ اپنے اعمال اور اپنے اخلاق کو بالکل خدا کے حکم اور اس کے رسول کے منشاء کے ماتحت چلاؤ۔ اور کوشش کرو۔ کہ تم میں خدا اور اس کے رسول کی صفات جلوہ فگن ہو جائیں۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

دینی کتب کے مطالعہ کی عادت

میں تمہیں اپنی طرف سے ایک قرآن شریف اور ایک کتاب حدیث اور بعض کتب حضرت مسیح موعود اور ایک کتاب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی دے رہا ہوں۔ان کا با قاعدہ مطالعہ رکھو۔اور خصوصاً قرآن شریف اور اس زمانہ کے لحاظ سے کتب حضرت مسیح موعود کے مطالعہ میں ہرگز کوتاہی نہ کرو۔کیونکہ ان میں زندگی کی روح ہے قرآن شریف کو سمجھکر پڑھنے کی کوشش کرو اور اس کے گہرے مطالعہ کی عادت ڈالو۔قرآن شریف ایسی کتاب ہے۔کہ اس کا ظاہر صحیفہ فطرت کی طرح بہت سادہ ہے۔مگراس کے اندر حقائق اور معانی کی بے شمار گہرائیاں مخفی ہیں۔جن سے انسان اپنے غور اور فکر اور تدبر کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔مگر قرآن شریف کی گہرائیوں تک پہنچنے کا سب سے زیادہ یقینی رستہ تقویٰ اور طہارت ہے۔اس کے بغیر قرآن شریف کے حقائق انسان پر نہیں کھل سکتے۔اور یہی وجہ ہے۔کہ مخالفین کو قرآن شریف ہمیشہ ایک سطحی کتاب نظر آتا ہے۔حالانکہ سمجھنے والے جانتے ہیں کہ گو اس کا ظاہر سادہ ہے۔مگراس کے اندر بے شمار ذخیرے مخفی ہیں۔جو تقویٰ اور طہارت کے ساتھ غور کرنے والوں پر کھلتے ہیں۔حدیث کا جو حصہ یقینی ہے۔وہ بھی اپنے اندر انتہائی اثر اور صداقت رکھتا ہے۔اور اس کے مطالعہ سے انسان روحانی پیاس کی سیری محسوس کرتا ہے۔اور اس زمانہ کے لئے خصوصیت سے حضرت مسیح موعود کی کتب میں خاص اثر رکھا گیا ہے۔ ان سب سے علی قدر مراتب فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔

لباس کے متعلق ہدایت

جس ملک میں تم جا رہے ہو وہاں کا لباس یہاں کے لباس سے بہت مختلف ہے۔اس کے متعلق صرف یہ اصولی بات یاد رکھو۔کہ (دین) کو اصولاً لباسوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لباس گردو پیش کے حالات اور ملک کی آب وہوا پر منحصر ہے پس اگر تم وہاں کے آب وہوا کے ماتحت وہاں کے لباس کا کوئی حصہ اختیار کرنا ضروری سمجھو۔تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے مگر

انگریزی لباس میں ایک چیز ایسی ہے۔ جسے حدیثوں میں دجال کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی لئے حضرت مسیح موعود اسے ناپسند فرماتے تھے۔ اور وہ انگریزی ٹوپی ہے پس گو ظاہری اور جسمانی لحاظ سے انگریزی ٹوپی مفید ہو مگر اس کی ان Associations کی وجہ سے اس کا روحانی اثر ضرر رساں ہے۔ لہٰذا اس کے استعمال سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اس کے سوا میں لباس کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ تمہیں آزادی ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ کسی چیز کو محض غلامانہ تقلید کے طور پر اختیار نہ کرنا۔ بلکہ اگر کسی چیز کے استعمال میں وہاں کے حالات کے ماتحت کوئی فائدہ یا خوبی پاؤ تو اسے بے شک اختیار کر سکتے ہو۔ ہاں یہ ضرور مدنظر رکھنا کہ لباس کے معاملہ میں حتیٰ الوسع سادگی اختیار کی جائے۔ نمائش یا بھڑکیلا پن یا فضول خرچی مومن کی شان سے بعید ہے۔ اور ریشم کے کپڑوں کا استعمال تو تم جانتے ہو کہ مردوں کے لئے منع ہی ہے۔

خوراک کے متعلق ہدایت

ولائت کے سفر میں خوراک کا معاملہ بھی خاص توجہ چاہتا ہے۔ ان ممالک میں شراب اور سؤر کے گوشت کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ جب تک انسان خاص توجہ سے کام نہ لے غلطی یا غفلت سے ان میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ شراب کا معاملہ تو خیر نسبتاً سہل ہے۔ کیونکہ اس میں غلط فہمی کا امکان بہت کم ہے۔ مگر سؤر کے گوشت کے معاملہ میں بسا اوقات غلط فہمی ہو جاتی ہے۔ اس لئے پوری احتیاط کے ساتھ اس بات کی نگرانی رکھنی چاہئے کہ کھانے میں غلطی سے ممنوع گوشت سامنے نہ آجائے۔ مگر شائد اس سے بھی زیادہ نگرانی کی ضرورت اس بات میں ہے کہ کہیں غلطی سے ممنوع طریق پر ذبح کیا ہوا گوشت استعمال نہ ہو جائے یورپ میں اور جہاز پر بھی اکثر ممنوع طریق پر ذبح کیا ہوا گوشت ملتا ہے۔ جو مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے یعنی خود جانور تو جائز ہوتا ہے مگر ذبح کا طریق غلط ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ ایسی دوکانوں سے گوشت منگوایا جائے جو اسلامی طریق پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ مثلاً یہودی لوگ اس معاملہ میں بہت محتاط ہیں۔ اور خالص اسلامی رنگ

میں ذبح کرتے ہیں۔ ان کی دوکانوں سے گوشت منگوایا جا سکتا ہے۔ اور جہاز وغیرہ پر جہاں انتظام اپنے ہاتھ میں نہ ہو۔ وہاں مچھلی اور انڈے کی غذا استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس بات کی عادت ڈال لینی چاہئے کہ Steward یا Waiter کو پہلے سے تاکید کر دی جائے۔ کہ شراب یا سؤر کا گوشت یا غیر (دینی) طریق پر ذبح کیا ہوا گوشت سامنے نہ آئے۔ اور کھانا سامنے آنے پر بھی پوچھ لینا چاہئے۔ جہاز پر غالباً جاتے ہوئے بمبئی سے ذبح کیا ہوا گوشت ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی تسلی کر لینی چاہئے۔ اگر گوشت مشکوک ہو تو سبزی اور مچھلی اور انڈے اور پھل کی صورت میں دوسری غذا بکثرت مل سکتی ہے۔ خوراک کا معاملہ مخفی طور پر انسان کے اخلاق پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے اور پھر اسلامی احکام کی تعمیل مزید برآں ہے۔

دینی شعار کی پابندی

ایک بات اسلامی شعار کی پابندی ہے۔ ظاہری ہیئت کے متعلق جو اسلامی طریق ہے۔ خواہ وہ شریعت کے احکام سے ثابت ہو یا آنحضرت ﷺ اور حضرت مسیح موعود کے تعامل سے۔ اس کی پابندی اختیار کرنی ضروری ہے۔ شعار کا معاملہ نہایت اہم ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ انسان کے اندرونہ پر اس کا گہرا اثر پڑتا ہے۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ دوسروں کے لئے ظاہر میں دیکھنے والی چیز صرف شعار ہی ہے۔ انسان کے اخلاقی زیوروں میں سے اعلیٰ ترین زیور یہ ہے۔ کہ وہ اپنے قومی اور ملی شعار کو نہ صرف اختیار کرے۔ بلکہ اسے عزت کی نظر سے دیکھے جو قومیں اس کا خیال نہیں کرتیں۔ وہ آہستہ آہستہ ذلیل ہو جاتی ہیں۔ داڑھی بھی اسلامی شعار کا حصہ ہے اور آنحضرت ﷺ نے نہ صرف اس پر عمل کیا ہے۔ بلکہ زبانی طور پر بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے۔ پس اس شعار کا تمہیں احترام کرنا چاہئے اسلام کا یہ منشاء نہیں۔ کہ داڑھی اتنی ہو یا اتنی نہ ہو۔ ان تفصیلات میں اسلام نہیں جاتا۔ کیونکہ یہ باتیں انسان کی اپنی وضع اور مرضی پر موقوف ہیں۔ مگر اسلام یہ ضرور چاہتا ہے کہ داڑھی رکھی جائے خواہ وہ کتنی ہی ہو۔ داڑھی مر

دکا فطرتی زیور اور حسن ہے اور اس کے رکھنے میں بہت سے طبی اور اخلاقی فوائد مخفی ہیں۔ انگلستان میں بھی اب تک بادشاہ داڑھی رکھتا ہے اور اور بھی کئی بڑے بڑے لوگ رکھتے ہیں۔ خدمت دین تمہیں اپنے ولایت کے قیام میں اپنے حالات کے مطابق دین اور سلسلہ کی اشاعت میں بھی حصہ لینا چاہئے۔ اور اس کا سب سے زیادہ سہل طریق یہ ہے کہ وہاں کے مشن کے کام میں جہاں تک ممکن ہو۔ امداد دو۔ اور جو کام تمہارے سپرد کیا جائے۔ اسے سرانجام دینے کی کو پوری پوری کوشش کرو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ سب سے بہتر دعوت انسان کے اپنے نمونہ سے ہوتی ہے۔ اپنے نمونہ سے ثابت کرو کہ اسلام بہتر مذہب ہے۔

تعلیم کے متعلق ہدایت

تمہارے تعلیم کے تعلق میں مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اب سمجھدار ہو۔ اور اس لائن میں کافی تجربہ حاصل کر چکے ہو۔ اپنے وقت کی قدر و قیمت کو پہچانتے ہوئے وقت کا بہترین استعمال کرو اور یاد رکھو کہ دنیا میں جو مرتبہ محنت کو حاصل ہے وہ عام حالات میں ذہن کو بھی حاصل نہیں ہے۔ محنت سے اگر وہ ٹھیک طرح پر کی جائے ذہن کی کمی بڑی حد تک پوری کی جاسکتی ہے۔ مگر ذہن محنت کی کمی کو پورا نہیں کرسکتا۔ پس محنت کی عادت ڈالو اور محنت بھی ایسی جسے گویا کام میں غرق ہو جانا کہتے ہیں۔ ایسی محنت اگر صحیح طریق پر کی جائے۔ اور خدا کا فضل شامل رہے۔ تو ضرور اعلیٰ نتیجہ پیدا کرتی ہے جس لائن کے واسطے تم جا رہے ہو اس کے لئے عموماً بہترین لڑکے لئے جاتے ہیں پس جب تک شروع سے ہی محنت اختیار نہیں کرو گے کامیابی مشکل ہو گی اگر تم محنت کرو تو پھر تمہیں خدا کے فضل سے کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اگر گزشتہ نتائج میں دوسرے طلبا تم سے آگے بھی رہے ہوں تو تم محنت سے ان سے آگے نکل سکتے ہو انسان کی ساری ترقی کا راز محنت میں ہے۔ مگر محنت صحیح طریق پر ہونی چاہئے اور ہر کام کے لئے صحیح طریق جدا جدا ہے۔

پس سب سے پہلے تمہیں واقف کار اور معتبر ذرائع سے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس لائن کے

لئے تیاری کا صحیح طریق کونسا ہے۔ اوراس کے بعد پوری محنت کے ساتھ اس میں لگ جانا چاہئے۔ یہ تم جانتے ہی ہو۔ کہ مقابلہ کے امتحان کے لئے مخصوص طور پر کوئی یونیورسٹی کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ سارا دارومدار طالب علم کی اپنی کوشش پر ہوتا ہے۔ البتہ ولایت میں بعض پرائیویٹ درسگاہیں ایسی ہیں جو طالب علموں کو اس کے لئے تیاری کراتی ہیں۔ ان سے بھی فائدہ اٹھانا چاہئے۔ علاوہ ازیں تمہیں چاہئے کہ جاتے ہی برٹش میوزیم کے ممبر بن جاؤ جس میں دنیا بھر کی بہترین کتب کا ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ اس لائبریری سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور گزشتہ سالوں کے پرچے دیکھ کر امتحان کے معیار اور طریق کا بھی پتہ لگانا چاہئے۔

اس کے علاوہ تمہیں بیرسٹری کی تعلیم کے لئے بھی کسی کالج میں داخل ہوجانا چاہئے۔ کیونکہ ایک تو یہ تعلیم مقابلہ کے امتحان میں مدد دے گی اور دوسرے اگر خدانخواستہ مقابلہ کے امتحان میں کامیابی کی صورت نہ ہوسکی۔ تو یہ تعلیم ویسے بھی مفید ہوگی بلکہ میں تو چاہتا ہوں۔ کہ اگر ممکن ہو۔ تو بیرسٹری کے علاوہ بھی کوئی اور کورس لے لو۔ بشرطیکہ وہ امتحان مقابلہ کی تیاری میں روک نہ ہو۔ مثلاً جی۔ اے کا کورس یا اور اس قسم کا کوئی کورس لے سکتے ہو غرض اپنے ولایت کے قیام سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ تعلیم کا ایک ضروری حصہ اخبار بینی ہے جس کی تمہیں عادت ڈالنی چاہئے۔ زمانہ حال کے معلومات کے لئے اخبار سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے۔ اوران سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اسی طرح جو نئی نئی کتب شائع ہوں۔ ان کا بھی مطالعہ رکھنا چاہئے۔ رسائل کا مطالعہ بھی مفید ہوتا ہے۔ تقریر کی مشق کے لئے تم نے ہندوستان میں میری نصیحت کی طرف توجہ نہیں کی۔ اب اگر خدا توفیق دے تو اس کمی کا بھی پورا کرنے کا خیال رکھنا۔

اخراجات میں میانہ روی

خرچ کے متعلق میں نے درد صاحب کو لکھا ہے۔ وہ وہاں کے حالات کے ماتحت اندازہ لکھ کر بھجوا دینگے۔ جس کے مطابق انشاء اللہ تمہیں خرچ بھجوایا جاتا رہے گا۔ میں نے انہیں لکھا ہے کہ

اندازہ لگاتے ہوئے درمیانہ درجہ کے شریفانہ معیار کو مدنظر رکھیں یعنی نہ ہی تو کوئی ناواجب تنگی ہو۔ جو تکلیف کا موجب بنے اور نہ ہی ایسی ہی فراخی ہو جو بے جا آرام و آسائش کا باعث ہو اور فضول خرچی میں شمار ہو۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی اپنے اخراجات میں اسی اصول کو مدنظر رکھو گے۔

شریف طبقہ سے میل جول

وہاں اپنی سوسائٹی کے انتخاب کے لئے تم کو یہ اصول مدنظر رکھنا چاہئے کہ ایسے لوگوں میں ملا جاوے۔ جو اپنی زبان اور عادات و اطوار کے لحاظ سے شریف طبقہ کے لوگ سمجھے جاتے ہوں اور رذیل اور بداخلاق اور گندے اور عامیانہ زبان والے لوگوں سے قطعی پرہیز کرنا چاہئے۔

خط و کتابت کے ذریعہ باقاعدہ رابطہ

ولایت کی ہندوستان کے ساتھ خط و کتابت ہفت روزہ ہے جس میں ایک عام ڈاک ہے اور ایک ہوائی ڈاک ہے تمہیں چاہئے کہ التزام کے ساتھ ہر ہفتہ اپنے حالات سے اطلاع دیتے رہو۔ اگر ہوائی ڈاک کے ذریعہ خط لکھ سکو تو بہتر ہے ورنہ عام ڈاک میں خط بھجوا دیا کرو۔ حضرت صاحب کو باقاعدہ اپنے حالات سے اطلاع دیتے رہو۔ اور دعا کی تحریک کرتے رہو۔ اسی طرح حضرت والدہ صاحبہ اماں جان کو بھی دعا کے واسطے لکھتے رہو۔ گاہے گاہے سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کو بھی دعا کے لئے لکھتے رہو۔ ڈاک کے خرچ کی کفایت اسی رنگ میں ہوسکتی ہے کہ ایک ہی لفافہ میں کئی لفافے بند کر کے بھجوا دیے جائیں۔ اب میں موٹی موٹی باتیں جو تمہیں کہنا چاہتا تھا وہ کہہ چکا ہوں۔ میرے دل میں بہت کچھ ہے مگر میں اس سے زیادہ نہیں کہنا چاہتا اور بس اسی قدر نصیحت کے ساتھ تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا تمہیں خیریت سے لے جائے اور خیریت سے رکھے اور ہر قسم کی مکروہات سے بچاتے ہوئے کامیاب اور مظفر و منصور واپس لائے۔ آمین اللھم آمین۔

غض بصر کی عادت

نوٹ: ایک بات جو میں لکھنا چاہتا تھا۔مگر وہ لکھنے سے رہ گئی ہے وہ وہاں کی عورتوں کے متعلق ہے۔ ولایت میں علاوہ اس کے کہ عورت بالکل بے پرداور نہایت آزاد ہے آبادی کے لحاظ سے اس کی کثرت بھی ہے جس کی وجہ سے مردوں کو باوجود کوشش کے ان کے ساتھ ملنا پڑتا ہے۔ اور اسی اختلاط کے بعض اوقات خراب نتائج نکلتے ہیں۔ میں عورت ذات کا مخالف نہیں ہوں عورت اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت مفید اور بابرکت مخلوق ہے اور مرد کے واسطے رفاقت حیات اور اولاد کی تربیت کے نقطہ نگاہ سے عورت کا وجود ایک نہایت قابل قدر وجود ہے مگر غیر مرد وعورت کا بے حجابانہ اختلاط اپنے اندر سخت فتنے کے احتمالات رکھتا ہے اور اسی لئے جہاں شریعت نے عورت کے وجود کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے وہاں یہ بھی سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ غیر مرد وعورت ایک دوسرے کے ساتھ ملنے میں پردہ کی ان ان شرائط کو ملحوظ رکھیں۔ان شرائط میں سے خاص طور پر قابل ذکر یہ ہیں۔کہ (الف) غیر مرد وعورت ایک دوسرے کی طرف آنکھیں اٹھا کر نہ دیکھیں۔(ب) وہ ایک دوسرے کے ساتھ خلوت میں دوسروں سے علیحدہ ہوکر نہ ملیں اور (ج) ان کا جسم ایک دوسرے کے ساتھ نہ چھوئے۔ ان شرائط کے علاوہ شریعت نے اور کوئی خاص شرط پردہ کے متعلق نہیں لگائی۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ تم ولایت میں پردے کی ان شرطوں کی پابندی اختیار کروگے اور دل میں خدا سے دعا بھی کرتے رہوگے کہ وہ تمہیں ہر قسم کے شر اور فتنہ سے محفوظ رکھے۔اللہ تمہارا حافظ وناصر ہو۔

(والسلام۔خاکسار

(دستخط)مرزابشیراحمد)

(الفضل 31/اکتوبر 1933ء)

گرانقدر ملی خدمات

(محمد محمود طاہر صاحب)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ایک ممتاز ماہر اقتصادیات تھے۔آپ عالمی مالیاتی اداروں میں نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے بلکہ ان اداروں کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز رہے۔ چنانچہ آپ ورلڈ بنک کے ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں بطور ایگزیکٹوسیکرٹری کے خدمات بجا لاتے رہے۔وطن عزیز پاکستان کے لئے آپ نے گراں قدر ملی خدمات سرانجام دیں اور پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر پاکستان کی تعمیر وترقی کے لئے غیر معمولی اہمیت کے منصوبے بنانے میں آپ کا کردار مثالی اور تاریخی تھا۔ان منصوبوں کے ثمرات سے آج وطن عزیز کے عوام مستفیض ہو رہے ہیں۔حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کرنے کے بعد 1933ء میں اعلیٰ تعلیم کیلئے برطانیہ تشریف لے گئے۔آپ نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا۔وطن واپس آکر آپ نے تقسیم برصغیر سے قبل انڈین سول سروس کا آغاز کر دیا۔اور آپ کی تعیناتی بطور افسر مال مختلف مقامات پر رہی۔اور پھر آپ ڈپٹی کمشنر کے طور پر بعض اضلاع میں متعین رہے۔

مغربی پاکستان میں خدمات

مغربی پاکستان میں آپ سیکرٹری فنانس اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری تعینات رہے۔آپ کے دستخطوں سے پاکستان کے کرنسی نوٹ بھی جاری ہوئے۔سیکرٹری فنانس کے طور پر آپ نے غیر معمولی طور پر ملک کی معاشی بہتری کے لئے کام کیا۔

ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن

آپ اپنے آپ کو ایک ماہر اقتصادیات کے طور پر منوا چکے تھے۔ صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی جوہر شناس نظر نے آپ کا انتخاب کیا اور پاکستان کی معاشی ترقی کے لئے آپ کو ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن کے صدر خود ایوب خان تھے اس لئے اس کمیشن کے جملہ امور عملی طور پر حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ہی کے پاس تھے۔ آپ کی نگرانی میں اس کمیشن نے پاکستان کی تعمیر وترقی کے لئے غیر معمولی اہمیت کے حامل ترقیاتی منصوبے شروع کئے۔ آپ نے اس کمیشن میں خدمت کے دوران پاکستان کی تعمیر کیلئے جامع پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ شروع کیا۔ جس کے ذریعہ تربیلا ڈیم، منگلا ڈیم اور ان سے نکلنے والی نہروں کے عظیم منصوبے شروع ہوئے جو آج پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صدر پاکستان کے اقتصادی امور کے مشیر آپ کی ملی خدمات کا سلسلہ صدر جنرل یحییٰ خان کے دور میں بھی جاری رہا۔ صدر یحییٰ نے آپ کو اقتصادی امور کے لئے اپنا مشیر مقرر کیا۔ یہ عہدہ وفاقی وزیر کے برابر تھا۔ 1971ء کے دوران پاکستان کی سیاسی اور اقتصادی صورتحال انتہائی دگرگوں اور مشکلات کا شکار تھی۔ ان حالات میں آپ نے 1971۔72ء کا کامیاب وفاقی بجٹ پیش کیا جو ایک متوازن اور پاکستانی معیشت کو سہارا دینے والا بجٹ تھا۔ یہ آپ کا ایک ایسا کارنامہ تھا جس کو اس وقت کے سیاستدانوں اور دانشوروں نے شاندار خراج تحسین پیش کیا۔ اس بجٹ کی نمایاں خوبی عوام کے بوجھ کو کم کرنا اور خود انحصاری کی منزل کی نشاندہی اور عزم تھا۔

وفاقی بجٹ کو خراج تحسین

اس دور کے معروف اور مؤقر انگریزی روزنامے پاکستان ٹائمز نے اپنی اشاعت میں صفحہ اول پر بجٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔ ”اتوار کو عوام کا موڈ اس سے مختلف تھا جو عموماً بجٹ کے بعد ہوا کرتا تھا“ قیمتوں کے چڑھ جانے کے امکانی خوف اور خفگی کی بجائے عوام راحت سی محسوس کر

رہے ہیں۔ وہ اس بے رحم تلوار سے محفوظ ہو گئے ہیں جو عمومی معاشی بدحالی اور مشرقی پاکستان کے بحران کے پیش نظر ناگزیر معلوم ہوتی تھی۔ بجٹ کے دو نمایاں پہلو ہیں۔ٹیکسوں کے عائد کرنے میں معقولیت اور خود پر انحصار کرنے کی اشد ضرورت''۔(پاکستان ٹائمز 25 جون 1971ء)

برصغیر کے معروف صحافی میاں محمد شفیع المعروف م۔ش اپنی ڈائری مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت میں جناب ایم ایم احمد کی بجٹ تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔''صدر کے اقتصادی مشیر جناب ایم۔ایم۔احمد نے راولپنڈی میں اپنی بجٹ تقریر کا آغاز ''بسم اللہ(۔)'' پڑھ کر کیا۔ اخبارات اس کا ذکر گول کر گئے............ میرے خیال میں جناب ایم۔ایم۔احمد پہلے فنانشل ایکسپرٹ ہیں جنہوں نے اپنی بجٹ تقریر میں پاکستان کے ایک نظریاتی مملکت ہونے کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔اوراس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ پاکستان کے قیام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو دخل حاصل تھا۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے ساتھ اس جذبہ کو از سر نو فروغ دیں جو قیام پاکستان کا باعث ہوا تھا............

جناب ایم۔ایم۔احمد نے ایک غیرت مند محب الوطن پاکستانی کی حیثیت سے اس چیلنج کو بھی قبول کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے جو بیرونی ملکوں کی طرف سے مشروط مالی امداد کی شکل میں پاکستان کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے............ایم۔ایم۔احمد کا یہ اعلان پاکستان کے دشمنوں کے ناپاک منصوبوں پر بم بن کر گرے گا''۔(نوائے وقت 29 جون 1971ء)

☆ بجٹ تقریر پر مبارک باد دیتے ہوئے روزنامہ نوائے وقت کے صفحہ اول کی ایک خبر ملاحظہ ہو:۔''راولپنڈی۔26 جون۔آج جب ایم ایم احمد نے اپنی بجٹ تقریر ختم کی تو تقریب میں موجود متعدد سرکردہ صنعتکاروں اور بنکاروں نے ایک اچھا بجٹ پیش کرنے پر مبارکباد پیش کی۔ یہ تقریب حسب سابق نہایت سادہ تھی''۔(نوائے وقت 27/جون 1971ء)

☆ سابق اقتصادی مشیر ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے بجٹ تقریر کے بارہ میں کہا:۔''یہ بجٹ

زبردست تعمیری غوروفکر کا نتیجہ ہے۔ یہ رسمی قسم کا بجٹ نہیں......انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ سب حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو مسٹر ایم ایم احمد نے عمدہ کام کیا ہے۔ بجٹ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مختلف پالیسیوں کو صحیح طور پر بروئے کار لایا جائے''۔(ڈیلی ڈان 28/جون 1971ء)

ڈائریکٹر ورلڈ بنک

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھٹو دور میں ورلڈ بنک سے منسلک ہو گئے۔ یہ پاکستان کے لئے بھی بہت بڑا اعزاز تھا کہ ایک پاکستانی ماہر اقتصادیات کو ورلڈ بنک کا ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں بطور ایگزیکٹو سیکرٹری تعینات کیا گیا۔ اس دوران بھی آپ کو کئی لحاظ سے وطن عزیز کی خدمت کی توفیق ملی۔ اور آپ پاکستان کی معاشی بہتری کے لئے مفید مشوروں سے نوازتے رہے اور عملی کوششیں بھی کرتے رہے۔

براؤن ترمیم کے لئے گرانقدر مساعی

عالمی مالیاتی اداروں سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی پاکستان کے لئے کئی مواقع پر آپ کو اہم خدمات کرنے کی توفیق ملی۔ پاکستان کے خلاف اقتصادی پابندیاں پریسلر ترمیم کے ذریعہ عائد تھیں۔ پھر امریکن سینیٹر براؤن نے پریسلر ترمیم کے خاتمے کے لئے ترمیم پیش کی جو براؤن ترمیم کے نام سے موسوم ہے۔ اس سلسلہ میں وطن عزیز نے آپ کو بھی کوشش کرنے کیلئے کہا چنانچہ آپ نے اس بارہ میں کامیاب کوشش کی جس پر صدر پاکستان اور وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے پاکستان کی امریکہ میں سفیر نے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ ہفت روزہ حرمت کے ایڈیٹر زاہد ملک نے امریکہ میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سے ایک انٹرویو لیا۔ جو حرمت 27/دسمبر 1996ء میں شائع ہوا۔ براؤن ترمیم کے حوالے سے آپ نے انٹرویو میں کہا:۔''ہماری تعلیم ہماری رگوں میں اور ہمارے خون میں سرایت کر چکی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کے ساتھ ہر صورت میں وفاداری کو نبھانا ہے............ حال ہی میں پریسلر ترمیم کے خلاف جو براؤن ترمیم کے لئے

کوشش ہوئی تھی تواس وقت مجھے بھی ایمبیسی نے کہا کہ میں بھی اس سلسلے میں کوشش کروں۔تو میں نے اس وقت بڑی بھرپور کوشش کی تھی یہاں تک کہ یہاں پاکستانی کمیونٹی اورتمام متعلقہ حلقوں میں خاصی دھاک بیٹھی اور حیرت سے لوگوں نے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ ملک کے خلاف ہیں لیکن انہوں نے تو ملک کے لئے بڑا کام کیاہےاور جان کی بازی لگاکے جدو جہد کی ہے‘‘۔

(ہفت روزہ ’’حرمت‘‘ 27دسمبر 96ءص 11)

ہمارادل پاکستان کے لئے دھڑکتا ہے

اپنے وطن پاکستان جس کی خدمت آپ نے نصف صدی سے زائد عرصہ کی۔اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ کر بھی اور پھر بیرون ملک رہ کربھی خاموش اوراعلانیہ خدمت کی توفیق پائی۔جناب زاہد ملک کوانٹرویودیتے ہوئے آپ نے جماعت احمدیہ اوراپنے جذبات اوروفا کا اظہار اپنے پاکستان کے لئے ان شاندار الفاظ میں کیا جوکہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔آپ فرماتے ہیں:۔’’بہرحال ہم جہاں بھی ہوں ہمارادل پاکستان کے لئے دھڑکتا ہے۔ہم جہاں بھی ہوں اپنے وطن کی خدمت کرتے رہیں گے۔غلط فہمیاں بالآخر دور ہوجائیں گی‘‘۔

(ہفت روزہ حرمت اسلام آباد 27دسمبر 1996ءتا2 جنوری 1997ءص44)

یہ حقیقت ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے ساری عمر ملک وقوم کی خدمت میں صرف کردی اوراپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں کے ذریعہ نہ صرف ملک کے اندر رہ کر پاکستان کے لئے گراں قدر خدمات کی توفیق پائی بلکہ بیرون ملک رہ کر بھی اپنے وطن کا نام روشن کیا۔اللہ تعالیٰ آپ کی ان خدمات کوقبول فرمائے اورآپ کےفیض کوجاری رکھے۔

(بحوالہ الفضل ربوہ 13اگست 2022ءصفحہ 5۔6)

جماعتی خدمات اورامارت جماعت امریکہ

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک مخلص اور فدائی خادم سلسلہ تھے۔آپ کومختلف اوقات میں کئی جہتوں سے جماعت کی خاموش اوراعلانیہ خدمت کی توفیق عطا ہوئی۔آپ کئی جماعتی کمیٹیز کے ممبراورسر براہ رہے۔سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 1986ء میں بیرون پاکستان صد سالہ جوبلی منصوبہ بندی کے لئے کمیٹی قائم فرمائی تھی۔اس سنٹرل کمیٹی کے آپ چیئر مین دوم مقرر ہوئے۔یہ کمیٹی 1989ء تک کام کرتی رہی۔امریکہ میں آپ کوکئی پہلوؤں سے جماعتی خدمت کی توفیق ملی۔لیکن آپ کی خدمات دینیہ کا ایک اہم سلسلہ 1989ء میں شروع ہوا جب آپ کوحضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے جماعت احمدیہ امریکہ کا امیر مقرر فرمایا۔آپ اس منصب جلیلہ پر تا دم آخر فائز رہے۔آپ کے دورامارت میں جماعت احمدیہ امریکہ نے مختلف میدانوں میں ترقی اور کامیابی کے کئی سنگ میل طے کئے۔مشن ہاؤسز کی خرید،تعمیر،نئی بیوت الذکر کے قطعات اراضی کی خرید اوران کی تعمیر،بعض بیوت الذکر میں توسیع اورتعمیر نو کے ساتھ ساتھ جماعت امریکہ مالی قربانی میں دنیا کے صف اول کے ممالک میں شامل ہوگئی۔آپ کے دور میں جماعت امریکہ میں ہونے والی ترقیات کی چند جھلکیاں پیش ہیں:۔

مرکزی مقام بیت الرحمن کی تعمیر

جماعت کی اجتماعی تقریبات کے لئے جماعت امریکہ کے پاس کوئی وسیع مرکزی بیت الذکر نہ تھی۔واشنگٹن مشن ہاؤس جماعت کی وسعت کے لحاظ سے ناکافی ہوگیا تھا۔چنانچہ آپ کے دور امارت کا ایک عظیم کارنامہ جماعت احمدیہ امریکہ کی مرکزی بیت الذکر ’’بیت الرحمن‘‘ کی تعمیر ہے۔ سلور سپرنگ میری لینڈ میں تعمیر ہونے والی ’’بیت الرحمن‘‘ کا افتتاح سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 14/ اکتوبر 1994ء کو فرمایا۔ اب جماعت احمدیہ امریکہ کی تقریباً تمام اہم مرکزی تقریبات یہاں منعقد ہوتی ہیں۔ اور جماعت کے مرکزی دفاتر بھی یہاں قائم ہیں۔

مالی قربانی میں مسابقت

آپ کے دور امارت میں جماعت احمدیہ امریکہ نے مالی قربانی میں غیر معمولی ترقی کی جس کے نتیجہ میں مالی قربانی میں امریکہ دنیا بھر کے مما لک میں صف اول کا ملک بن گیا۔ چنانچہ 1996ء میں امریکہ وقف جدید میں دنیا بھر میں اول اور تحریک جدید میں دوم رہا جب کہ 1997ء وہ سال ہے جب امریکہ تحریک جدید اور وقف جدید دونوں میں دنیا بھر کے مما لک میں اول رہا۔

نئے مشن ہاؤسز کی خرید و تعمیر

جماعت امریکہ کی ترقیات اور بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر اس میدان میں بھی آپ کے دور میں غیر معمولی ترقی ہوئی اور 2001ء تک امریکہ کے مشن ہاؤسز کی تعداد تقریباً 40 ہو چکی تھی۔ جماعت کے اولین مشن شکاگو کی پرانی بیت الصادق کی از سر نو تعمیر ہوئی جس کا افتتاح حضور انور نے 23/ اکتوبر 1994ء کو فرمایا۔ متعدد مقامات پر نئے مشن ہاؤسز اور بیوت الذکر کی تعمیر ہوئی۔ قطعات اراضی خریدے گئے ہیں اور تعمیری کام زیر کارروائی ہے۔ جن میں سان فرانسسکو، پورٹ لینڈ، ڈیلس ٹیکساس، بوسٹن مشن ہاؤس کی تعمیر، اولڈ برج نیو جرسی مشن ہاؤس، البنی مشن ہاؤس نیویارک، سان ہوزے مشن ہاؤس کیلی فورنیا، میامی فلوریڈا، فلاڈیلفیا، ڈیٹرائیٹ، کولمبس اوہایو، ہیوسٹن، ورجینیا میں قطعہ اراضی اور شکاگو میں نئی عمارت وغیرہ۔ ان میں بعض پر کام جاری یا مکمل ہو چکا ہے۔

متفرق سنگ میل۔ لنگر خانہ کا اجراء:

آپ ہی کے دور امارت میں 1992ء میں پہلی بار جلسہ سالانہ امریکہ (منعقدہ نیویارک)

میں لنگر خانہ کا نظام جاری ہوا جواب بڑی کامیابی کے ساتھ ہر سال جلسہ پر جاری ہے قبل ازیں بازار سے تیارہ شدہ کھانا استعمال ہوتا تھا۔

نمائش: جماعت احمدیہ امریکہ کی نمائش کا قیام ہوا۔

MTA ارتھ اسٹیشن: جماعت احمدیہ کینیڈا اور امریکہ کے تعاون سے MTA ارتھ اسٹیشن کا قیام بیت الرحمن کے ساتھ ہوا جس کا افتتاح حضور انور نے 14/اکتوبر 1994ء کو فرمایا۔ ارتھ اسٹیشن سے MTA کی نشریات مختلف ممالک تک پہنچائی جاتی ہیں۔

جماعتی ویب سائٹ: 1995ء میں جماعت احمدیہ کی انٹرنیٹ پر ویب سائٹ امریکہ سے قائم ہوئی اور حضور انور کا خطبہ، ایم ٹی اے کے دیگر پروگرام، جماعتی تعارف اور دیگر بہت سی دینی معلومات کا انٹرنیٹ پر اجراء ہوا۔

MTA سٹوڈیو: 1996ء میں امریکہ میں ایم ٹی اے سٹوڈیو کا قیام ہوا۔

جلسہ سالانہ کی نشریات: آپ ہی کے دور میں جلسہ سالانہ امریکہ کی کارروائی براہ راست MTA کے ذریعہ دنیا بھر میں نشر ہونی شروع ہوئی۔

حضور انور کے دورے: حضرت صاحبزادہ صاحب کو یہ اعزاز اور خوش قسمتی بھی نصیب ہوئی کہ آپ کے دورِ امارت میں حضور انور نے امریکہ کے متعدد دورے فرمائے۔ چنانچہ حضور انور 1989ء، 1994ء، 1997ء اور 1998ء میں امریکہ تشریف لے گئے۔

فتح وظفر کی بشارتیں: حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو یہ سعادت اور اعزاز حاصل ہے کہ حضور انور کو کئی رؤیا وکشوف میں آپ کا وجود دکھائی دیا گیا۔ جس کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کی فتح وظفر اور ترقیات سے تعبیر فرمایا۔

پاکستان کا ایک نادرِ روزگار شخص

(مولانا دوست محمد شاہد)

مملکت خداداد پاکستان کی جن مایہ ناز ہستیوں نے اپنی فقید المثال صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے وطن عزیز کے نام کو بین الاقوامی سطح پر روشن کیا ان میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ صاحب صدر یواین او، عالمی شہرت کے حامل نوبیل پرائز یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے بعد حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سابق ایگزیکٹوڈائریکٹر ورلڈ بنک (امریکہ) کا مقام سب سے نمایاں، ممتاز اور منفرد ہے۔ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک بے نظیر نافع الناس وجود

حضرت صاحبزادہ صاحب (ولادت 28 فروری 1913ء۔وفات 23 جولائی 2002ء) کو جناب الٰہی نے جمعۃ المبارک کو خلعت وجود بخشا اور خدا کے فضل وکرم سے آپ کی پوری زندگی اس مبارک دن کی برکتوں سے معمور رہی۔آپ کی پیدائش پر سلسلہ احمدیہ کے مرکزی ترجمان اخبار ’’الحکم‘‘ (قادیان) نے شمارہ 7 مارچ 1913ء صفحہ 11 پر ’’مبارک‘‘ کے زیر عنوان ایک روح پرور نوٹ سپرد اشاعت کیا اور دعا کی:۔’’اے خدا، اے رب السماء، اس مولود کو نافع الناس اور باپ اور دادا......کی طرح رحیم اور کریم انسان بنانا۔والدین کے لئے قرۃ العین ہو دین کا خادم......

اے مالک السماء اس کو متقیوں کے لئے امام بنانا اس کو آسمانی بادشاہت کے تخت پر بٹھانا‘‘

الحمدللہ رب العرش نے یہ سب دعائیں اس شان وشوکت سے قبول فرمائیں کہ ایک عالم

انگشت بدنداں ہے خصوصاً آپ نے نافع الناس اور بابرکت وجود کی حیثیت سے جو مہتم بالشان خدمات انجام دیں وہ تاریخ پاکستان کا ایک سنہری باب ہیں یہ الگ امر ہے جیسا کہ لاہور کے اخبار ’’چٹان‘‘ 24 دسمبر 1961ء نے اپنے اداریہ میں نہایت درد بھرے الفاظ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا تھا کہ:۔’’رئیس المتغزلین مولانا حسرت موہانی کا قول ہے مسلمان قومی خدمات کی سزا دے سکتے ہیں جزاء اللہ کے پاس ہے‘‘ علامہ اقبال کا فرمودہ ہے: روزمرہ کی سیاست میں مسلمانوں کے خدمت گزار عموماً ان کے قہر وغضب کے شکار ہوجاتے ہیں‘‘

ایک نامور اہل قلم کی ملاقات اور تاریخی انٹرویو

خدا تعالیٰ جزائے عظیم بخشے۔ ملک کے نامور اہل قلم، نڈر صحافی اور روشن خیال دانشور جناب تنویر قیصر شاہد صاحب کو جو آج سے چھ برس پیشتر اپریل 1996ء میں پاکستان سے امریکی ریاست ورجینا کے پرفضا مقام پوٹا مک میں تشریف لے گئے اور حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (ایم، ایم، احمد) سے شرف ملاقات حاصل کیا اور پھر آپ سے اہم معلومات سے لبریز ایک تاریخی انٹرویو لیا۔ اس موقع پر مولانا شیخ مبارک احمد صاحب مرحوم انچارج احمدیہ مشن امریکہ بھی موجود تھے۔ جناب تنویر قیصر شاہد صاحب نے کمال دیانت داری اور تکنیکی مہارت اور چابکدستی سے پورا انٹرویو صفحہ قرطاس کی زینت کیا یہ قیمتی دستاویز مئی 1998ء میں دینا پبلشرز ٹمپل روڈ لاہور کی مساعی جمیلہ سے منظر عام پر آئی جس کا نام ہے:۔’’ایم، ایم، احمد کے انکشافات

An Interview with History’’

یہ کتاب جو حضرت صاحبزادہ صاحب کی نہایت پرکشش اور جاذب نظر تصاویر کا مرقع ہے 100 صفحات پر مشتمل ہے۔ فاضل مرتب ومولف نے انتساب کے بعد آپ کی دلآویز تصویر کے نیچے درج ذیل الفاظ سپرد قلم کئے ہیں:۔’’ایم، ایم، احمد یعنی میاں مظفر احمد صاحب...... پاکستان کا ایک نادر روزگار شخص! جنہوں نے پہلی بار لب کشائی کی ہے تو مملکت خداداد کے سیاسی اقتصادی اور

سماجی موسموں کے لاتعداد پست و بلند مناظر کھل کر سامنے آ گئے ہیں۔ یادوں اور یادداشتوں کا اندوختہ۔ ہمارے ماضی قریب کی ایک حیرت خیز داستان‘‘

زبردست خراج تحسین

اس اجمالی مگر اثر انگیز تعارف کے بعد جناب تنویر قیصر صاحب نے دیباچہ میں آپ کی مثالی ملکی وقومی وملی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ولولہ انگیز الفاظ میں آپ کو زبردست خراج تحسین ادا کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔ لاریب جناب ایم ایم احمد پاکستان کی مستحکم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بیوروکریسی کے انتہائی اہم اور وقیع رکن بلکہ رکن رکین رہے ہیں۔ ان کا سینہ بیش بہا سیاسی یادوں اور واقعات کا خزینہ اور دفینہ ہے۔ وہ ان گنت واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ ان کی ذات اور شخصیت کے کئی پہلو ہیں............

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ سول سروس کے لئے منتخب کئے جاتے تھے، وہ لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ یہ سول سروس برطانیہ اور ہندوستان کے بہترین دماغوں پر مشتمل تھی۔ آزادی کے بعد سول سروس کا یہی ڈھانچہ پاکستان کو ورثے میں ملا۔ جو آئی سی ایس افسر پاکستان کے حصے میں آئے، وہ کچھ زیادہ تعداد میں نہیں تھے۔ چونکہ ایڈمنسٹریشن کا برا بھلا تجربہ صرف انہیں کو تھا، اس لئے نئی حکومت اور نئی مملکت پر یہ افسر چھا گئے۔

سابق آئی سی ایس جناب ایم ایم احمد کا شمار مملکت خداداد کے ایسے ہی بڑے دماغوں اور اعلیٰ منتظموں میں ہوتا تھا۔ ممکن ہے بعض لوگ ان کے نظریات سے اختلاف کریں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے پاکستان کی انتظامی اور مالی تشکیل اور استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ مختلف اوقات میں پاکستان کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ مرکزی سیکرٹری خزانہ رہے۔ محکمہ بحالیات کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہیں۔ پلاننگ کمیشن ایسے انتہائی مشکل اور حساس شعبے کی سربراہی پر وہ فائز رہے۔ انہوں نے سکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان اور زیڈ اے بھٹو کی

حکومتوں میں بھرپور طریقے سے متعینہ فرائض کی ادائیگی کی۔ ان حکمرانوں کے ذاتی اور سرکاری کردار کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کیا۔ وہ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کے آخری لمحات کے نہ صرف عینی شاہد ہیں بلکہ وہ بنفس نفیس ان اہم ترین اور حساس مذاکرات میں شامل رہے جب مشرقی پاکستان کے مقدر کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ بھٹو سے شیخ مجیب الرحمن اور تاج الدین ایسے اہم مشرقی پاکستانی سیاستدانوں کی گفتگوؤں کے وہ امین ہیں۔ ورلڈ بینک ایسے بین الاقوامی شہرت یافتہ مالیاتی ادارے میں بھی وہ طویل عرصہ تک فرائض انجام دیتے رہے۔ پاکستان کی طاقتور اور کہنہ مشق بیوروکریسی کا ایک معروف ترین نام غلام اسحق خان صاحب کا ہے جو ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے آخرکار پاکستان کے صدر بن گئے۔ جناب اسحق، ایم ایم احمد صاحب کے نہ صرف معاصرین میں شامل رہے ہیں بلکہ ان کے قریبی دوست بھی تھے۔ قدرت اللہ شہاب اور الطاف گوہر ایسے بیوروکریٹ بھی ان کے ساتھی رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق دور کے وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق اور آج کے وفاقی وزیر خزانہ جناب سرتاج عزیز ماضی میں جناب ایم ایم احمد کے نائبین ہوا کرتے تھے'' (صفحہ 8 تا 10)

تاریخی انٹرویو کا ابتدائی حصہ

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا شاہکار انٹرویو کتاب کے 97 صفحات پر محیط ہے جس کا لفظ لفظ قابل دید اور لائق مطالعہ ہے۔ بطور نمونہ اس کا ابتدائی حصہ (از صفحہ 16 تا 32) ذیل میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے جس سے نہ صرف حضرت صاحبزادہ صاحب کے اخلاقی، دینی اور روحانی خدّوخال کا ایک تصور نمایاں طور پر ابھرتا ہے بلکہ آپ کے نافع الناس اور پیکر خدمت ہونے کے کئی واقعاتی پہلوؤں پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے اور یہ حقیقت مہر نیمروز کی طرح سامنے آتی ہے کہ آپ نے ہندو نواز انگریز افسروں کی مزاحمت بلکہ کھلی مخالفت کے باوجود ہمیشہ مظلوم مسلمانوں سے بے مثال محبت اور شفقت کا سلوک کیا، ان کی خدمت کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہر مرحلہ پر حب الوطنی کی قابل رشک ولائق تقلید مثالیں قائم کر دکھائیں جو آئندہ نسلوں کے لئے مینارہ نور اور مشعل راہ ثابت ہوں گی۔

اب جناب تنویر قیصر شاہد صاحب کے قلم سے انٹرویو کا ابتدائی حصہ مطالعہ فرمایئے فرماتے ہیں:۔ ’’اپنے مولد، والدین اور ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے جناب ایم ایم احمد نے بتایا: ’’میری پیدائش 28 فروری 1913ء کو قادیان (بھارتی صوبہ پنجاب کا ایک معروف قصبہ) میں ہوئی۔ میرے والد گرامی کا نام حضرت مرزا بشیر احمد تھا اور والدہ کا نام سرور سطان۔ میرے والد مسیح موعود علیہ السلام کے منجھلے بیٹے تھے۔ وہ احمدیت کے اوّلین لوگوں میں شامل تھے۔ دراصل ہم لوگ معاشی اعتبار سے زمیندار فیملی سے تعلق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود میرے والد صاحب نے اپنی ساری زندگی جماعتی کاموں کے لئے، اسلام کی خدمت کیلئے وقف کر دی تھی۔ وہ زیادہ تر کام وہیں قادیان ہی میں کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر اسلام اور اسلامی تاریخ پر مبنی تھیں۔ ان کی ایک معروف تصنیف ’’سیرت خاتم النبیین‘‘ ہے۔ اپنے اسلوب، تحقیقی معیار اور عقیدے کے اعتبار سے یہ اتنی بلند پایہ کتاب ہے کہ جب یہ شائع ہو کر اول اول منصۂ شہود پر آئی تو ڈاکٹر علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی ایسے صاحبان علم وفضل نے اس کی زبردست تحسین کی اور اس پر شاندار ریویو کئے۔

’’قادیان میں جماعت کے زیر انتظام ایک ہائی سکول چل رہا تھا جو اردگرد کے علاقوں میں ’’تعلیم الاسلام ہائی اسکول‘‘ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسی ہائی اسکول سے میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا جب کہ میرا بچپن بھی زیادہ تر قادیان ہی میں گزرا ہے۔ میٹرک کرنے کے بعد کالج کی تعلیم حاصل کرنے کا مرحلہ آیا تو میں نے والد گرامی کی تجویز پر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا جو اس زمانے میں برصغیر کے نامور اور اعلیٰ معیار کے تعلیمی اداروں میں سرفہرست گردانا جاتا تھا۔ میں 1929ء میں اس کالج میں داخل ہوا تھا۔ تقریباً چھ سال اس کالج میں زیر تعلیم رہا۔ اسی

کالج سے میں نے تاریخ میں ماسٹر ڈگری کی''۔ بیسویں صدی عیسوی کی تیس کی دہائی کے دوران جب کہ ایم ایم احمد گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک ہونہار طالب علم تھے، جی سی کے اساتذہ کا تذکرہ بڑی محبت سے کرتے ہوئے بتانے لگے: ''جب میں نے گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا، اس زمانے میں ہمارے پرنسپل مسٹر گیرٹ ہوا کرتے تھے۔ اردو ادب کے نامور طنز نگار اور انگریزی ادبیات کے معروف استاد جناب احمد شاہ بخاری پطرس طلباء کو انگریزی پڑھاتے تھے، سوندھی صاحب بھی تھے جن کی ایک بیٹی نے ایک ایسے صاحب سے شادی کی جو خود بعد میں گورنمنٹ کالج کے پرنسل ہو گئے تھے۔ ایک اور پروفیسر ڈکنسن بھی ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی انگریزی کے استاد تھے۔ عربی قاضی فضل حق صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ فارسی کے نامور استاد اور شاعر صوفی صاحب (صوفی غلام مصطفیٰ تبسم) بھی وہیں ہوتے تھے۔ غرضیکہ گورنمنٹ کالج لاہور میں علم و ادب کے علماء کی ایک کہکشاں اتر آئی تھی'' گورنمنٹ کالج لاہور سے ماسٹر ڈگری کے حصول کے بعد ایم ایم احمد نے مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے انگلستان جانے کی ٹھانی۔ ابتدائی اقدامات کر لئے گئے مگر اس کے باوجود دل میں ایک شک سا تھا کہ نہ جانے وہاں داخلہ ملتا ہے کہ نہیں۔ چنانچہ اس دوران انہوں نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا تا کہ وقت کا بہاؤ مثبت سمت میں جاری رہے۔ ایم ایم احمد نے مجھے بتایا:

''1933ء میں میں لندن چلا آیا۔ آئی سی ایس کرنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ لندن کے سکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں داخلہ لے لیا تا کہ بی اے آنرز کر لیا جائے۔ ساتھ ہی مڈل ٹیمپل میں لاء کی ڈگری کیلئے بھی داخلہ لے لیا۔ لندن یونیورسٹی سے میں نے بی اے آنرز پاس کر لیا تھا، وہاں سے بھی میں نے پارٹ ون پاس کر لیا مگر قانون کی تعلیم کا پارٹ ٹو کرنے کا مرحلہ نہ آ سکا کیونکہ میں نے آئی سی ایس کر لیا تھا۔ آئی سی ایس کرنے کے بعد ایک سال کی پروبیشن ملتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ عرصہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں گزارا۔ انگلستان کی معروف عالم درسگاہوں میں چھ سال کا عرصہ گزارنے کے بعد میں 1938ء میں واپس ہندوستان پہنچ گیا''۔

آئی سی ایس کرنا ایک کارِ دشوار مرحلہ ہوا کرتا تھا۔ متحدہ ہندوستان کے ایک مردِ حُر مولانا محمد علی جوہر بھی آئی سی ایس کرنے ہی انگلستان سدھارے تھے۔ ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے زندگی بھر کی جمع پونجی ان پر نچھاور کر دی مگر اس کے باوجود مولانا جوہر آئی سی ایس کے جوہر مراد سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ بہر حال انگلستان سے واپسی کے بعد جناب ایم ایم احمد کی پہلی پوسٹنگ ملتان میں بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر ہوئی۔

یہ وہ دور تھا جب تحریک پاکستان زوروں پر تھی اور تشکیل پاکستان کا مرحلہ قریب ہی آ پہنچا تھا اور تھوڑے سے عرصے کے بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ ان دنوں ایم ایم احمد صاحب کہاں تھے؟ انہوں نے بتایا: ''پاکستان بننے کے بالکل آخری دنوں میں پاکپتن میں Settlement Officer کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ انہیں دنوں مجھے چیف سیکرٹری صاحب (یوپی کے اختر حسین) کا فون آیا کہ گوڑ گاؤں میں بڑی گڑبڑ ہے۔ ہندو جاٹوں نے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام کر دیا ہے اور قتل و غارت گری بڑھتی جا رہی ہے، اس لئے ہم تمہیں وہاں بھیج رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ عام حالات میں تو سیٹلمنٹ آفیسر کو اس وقت تک تبدیل نہیں کیا جاتا جب تک سیٹلمنٹ مکمل نہ ہو جائے مگر چیف سیکرٹری نے کہا کہ گورنر صاحب کا اصرار ہے کہ تمہیں وہاں بھیجا جائے۔ اس شدید ضرورت کے تحت ہم لاہور سے ہوائی جہاز بھی بھیجنے کو تیار ہیں تا کہ تم پاکپتن سے لاہور آؤ اور جہاز میں بیٹھ کر گوڑ گاؤں چلے جاؤ۔ میں نے کہا کہ جہاز کی ضرورت نہیں۔ میں پاکپتن سے لاہور پہنچا۔ کار میں مختصر سامان رکھا اور براستہ حصار گوڑ گاؤں پہنچ گیا۔ راستے میں میں دہلی میں اپنی بیوی کو چھوڑ گیا تھا۔

''گوڑ گاؤں پہنچا تو وہاں حالات واقعی بہت خراب تھے۔ مسلمان دیہاتوں کا تقریباً محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ وہاں کے ہندو جاٹوں (جو دراصل میوٗ ذات کے ضدی اور خوں آشام ہندو تھے) نے مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی تھیں۔ مسلمانوں کے قتل کی ان گنت وارداتیں ہو چکی

تھیں۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال دگرگوں ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی انگریز ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کی حیثیت میں کام کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران ایک روز انبالہ سے انگریز کمشنر کا مجھے فون آیا کہ چندروز بعد گورنر صاحب (مسٹر جنکنز) آرہے ہیں۔ تم ان کو ناشتہ دو اور تفصیل کے ساتھ ان سے ڈسکشن کرو کیونکہ وہ گاؤں کی ابتر صورتحال کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ میں نے کمشنر صاحب سے کہا کہ حضور، میرے پاس تو رہنے کے لئے ڈھنگ کی جگہ بھی نہیں ہے، گورنر کو کہاں بٹھاؤں گا؟ کمشنر صاحب کہنے لگے اس کی پروانہ کرو۔ گورنر صاحب کو آپ اور وہاں کے دگرگوں حالات کے بارے میں بریف کر دیا گیا ہے۔ بہرحال گورنر صاحب آئے تو میں نے ان کے ساتھ تفصیلی بات چیت کی مگر لاء اینڈ آرڈر کے موضوع پر لگتا تھا کہ وہ براہ راست اردگرد کے لوگوں سے معلومات لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اکیلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے اختتام پر انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں قوموں نے تم پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور سب نے اقرار کیا ہے کہ تم بغیر کسی تعصب کے سب کے ساتھ یکساں اور عادلانہ سلوک کر رہے ہو۔ ازاں بعد گورنر جنکنز نے مجھے کہا کہ میں تمہیں اس علاقے کا مکمل اختیار کا حامل ڈپٹی کمشنر نامزد کرتا ہوں اور تم فلاں تاریخ سے ڈی سی کا چارج سنبھال لینا''۔

ایم ایم احمد بتاتے ہیں کہ گوڑ گاؤں کے علاقے میں مسلمانوں کی سلامتی اور انہیں ہندو جاٹوں کے دست استحصال اور ظلم کے شکنجے سے نجات دلانے کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیئے۔ ان کی موجودگی سے خون آشام ہندو جاٹوں کو ایک باریقین ہوگیا کہ جب تک یہ شخص ایم ایم احمد نامی یہاں موجود ہے، وہ مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی نہیں کھیل سکیں گے۔ اس دوران گوڑ گاؤں ہی میں ان کی ملاقات ممتاز دولتانہ سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے انگریز ڈپٹی کمشنر سے ابھی چارج نہیں لیا تھا۔ ایک دفعہ ہم آس پاس کے علاقوں کا دورہ کرنے کیلئے باہر نکلنے کو کھڑے

تھے۔اس اثناء میں دولتانہ صاحب (جو پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے) مجھے ملنے آ گئے۔ وہ اس وقت مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ وہ آئے تو میں ان سے خاصی دیر باتیں کرتا رہا اور علاقے کے مسلمانوں کے بارے میں تمام سوالات کا جواب دیتا رہا۔ اس دوران انگریز ڈی سی میرا انتظار کرتا رہا۔ دولتانہ صاحب میرے کلاس فیلو بھی رہے تھے۔اس لحاظ سے بھی میں ان سے تفصیلی باتیں کرتا رہا۔ جب وہ چلے گئے تو انگریز ڈی سی مجھ سے بڑے ناراض ہوئے کہ تم نے اس شخص کو اتنا وقت کیوں دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے دولتانہ صاحب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل ہیں اور اس علاقے میں مسلمانوں پر خاصا ظلم ہوا ہے اور وہ ان کے بارے ہی میں سوالات پوچھ رہے تھے اور ایک سول سرونٹ ہونے کی حیثیت میں میرا یہ فرض بنتا تھا کہ میں ان کو محصور مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں پوری معلومات فراہم کروں تاکہ وہ ان معلومات کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل مرتب کرسکیں۔ انگریز ڈپٹی کمشنر میری اس منطق پر چیں بہ جبیں تو بہت ہوا مگر وہ کچھ نہ بولا لیکن اس کے باطنی غصے سے میں باخبر تھا۔اس سے یہ بات عیاں ہوگئی تھی کہ وہ کس نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میں اور بھی چوکنا ہوگیا''

آزادی کے ان خون آشام ایام کی ایک اور حکایت خونچکاں کا ذکر چھیڑتے ہوئے ایم ایم احمد نے کہا: ''میری سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہندوؤں کی بھی انتہائی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح زک پہنچائی جائے۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کو لوٹ لیا جائے یا ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا جائے۔ وہ ہمہ وقت شکار کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک رات مجھے اطلاع ملی کہ ایک مسلمان گاؤں شاہ پور کا ہندوؤں نے محاصرہ کرلیا ہے اور وہ جلد ہی ہلہ بولنے والے ہیں۔ میں اس وقت پولیس کی بھاری نفری لے کر وہاں پہنچ گیا اور سات سو کے قریب بلوائیوں کو گرفتار کرلیا۔ میں دلی طور پر ان کو سخت سزا دینا چاہتا تھا تاکہ اردگرد بسنے والے مزید بلوائیوں کو بھی خبر ہو جائے کہ مسلمانوں کے خلاف یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔ مگر چونکہ یہ ایک

Judiciary کیس تھا، اس لئے اس سے نبٹنا میرے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ ان دنوں صورت یہ تھی کہ جن افراد کو چھ ماہ سے زائد عرصے کی سزا ہوتی تھی انہیں لوکل جیل کی بجائے ڈویژنل جیل میں بھیجنا پڑتا تھا اور ڈویژنل جیل انبالہ میں تھی۔ بہرحال میں نے مقامی ایس ڈی او کے تعاون سے جسے مجسٹریٹ کے اختیارات مل گئے تھے، ان زیرحراست سات سو بلوائیوں کو ایک ایک سال قید کی سزا دی۔ اس سزا کی بازگشت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد بڑے پیمانے پر اور اجتماعی سطح پر ہندوؤں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ مقامی مسلمانوں کے دیہاتوں اور محلوں کا محاصرہ کر کے ان کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیں، ان کا مال واسباب لوٹ لیں یا ان کے گھروں کو آگ لگا دیں۔ اگرچہ مجھے اس کام کیلئے دن اور رات اپنے آرام پر قربان کرنے پڑے مگر میرا ضمیر مطمئن رہا کہ مجھ پر جو فرض عائد کیا گیا تھا، اس پر میں پورا اترا اور ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے مسلمانوں کی میں مقدور بھر خدمت کرنے کے قابل ہوسکا''

تقسیم ہند نے عجیب وغریب حالات پیدا کر دیئے تھے۔ مجموعی حیثیت میں مسلمانوں کو خسارے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مسلمان سول سرونٹس کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ انگریزوں کی طرف سے بھی مسلمان ایک خاص طرح کے رویے کا شکار تھے۔ گوڑ گاؤں میں حالات قدرے نارمل ہوئے تو ایم ایم احمد کا تبادلہ امرتسر کر دیا گیا۔ حالات کی بے ثباتی اپنے عروج پر تھی۔ کل کیا ہوگا؟ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ امرتسر آنے کا قصہ ایم ایم احمد یوں سناتے ہیں:۔''یہ اگست 1947ء کے پہلے ہفتے کی بات ہے جب میں امرتسر پہنچا ہوں۔ ان دنوں امرتسر، گورداسپور اور فیروز پور ان متنازعہ علاقوں میں شامل تھے جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ پاکستان میں شامل ہوں گے یا بھارت میں۔ انتظامی صورت یہ تھی کہ امرتسر میں انگریز ڈپٹی کمشنر تھا اور اس کے ساتھ ایک ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر پاکستان کی اتھارٹی میں لگایا گیا تھا اور ایک ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر بھارت کی اتھارٹی میں نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے پاکستان اتھارٹی کی طرف سے سامنے لایا

گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جس طرف بھی اس علاقے کی Allocation ہوگی، اسی طرف کا ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر فوری طور پر وہاں کا انتظام وانصرام سنبھال لے گا۔ میں جب امرتسر پہنچا تو وہاں کے انگریز ڈی سی نے مجھے کہا کہ بھئی میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ ایک تو میرے گھر میں مہمان بہت آئے ہوئے ہیں، دوسرے اگر میں تمہیں رکھوں گا تو پھر بھارت کی طرف سے آنے والے ڈی سی کو بھی اپنے ہاں ٹھہرانا پڑے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم اپنا بندوبست خود کرو۔ اس نے مجھے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ کسی ہوٹل میں نہ ٹھہرنا بلکہ کسی دوست یا واقف کار کے گھر میں انتظام کرو۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک مسلمان مجسٹریٹ کے گھر کا انتخاب کرلیا۔

''خاصے دن گزر گئے مگر انگریز ڈی سی نے مجھے کوئی کام تفویض نہ کیا۔ ایک روز میں ان کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ کوئی ڈیوٹی متعین کریں۔ کہنے لگے تمہیں اگر کوئی ڈیوٹی دوں گا تو بھارتی اتھارٹی میں آنے والے ایڈیشنل ڈی سی کو بھی دینی پڑے گی۔ میں نے کہا کہ اس کے ذمے بھی کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگا دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ تم کورٹ میں میری پیشیاں سن لیا کرو اور شہر کی انتظامیہ کے بھی چھوٹے موٹے کام کر دیا کرو۔ میں نے یہ دونوں فرائض سنبھال لئے۔ میں نے امرتسر شہر کا قریب سے جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ مسلمان خوف زدہ بھی ہیں اور نہتے بھی اور دوسری طرف ہندو اور سکھ مسلح بھی ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا رویہ Hostile بھی ہے اور جارحانہ بھی۔ اس مشاہدے کی روشنی میں میں نے امرتسری مسلمانوں کو اسلحے کے لائسنس جاری کرنے شروع کر دیئے تاکہ وہ کم از کم اپنی حفاظت آپ تو کرسکیں۔ امرتسر میں کام کرتے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گزرے تھے جب انہیں ایک خوفناک حادثے کا سامنا کرنا پڑا: ''ایک روز میں کورٹ میں بیٹھا تھا''۔ ایم ایم احمد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: ''میں پیشیاں سن رہا تھا اور کام میں مگن تھا۔ اچانک کسی نے ہم پر بم پھینکا۔ میرے ساتھ ہی لاہور والے سید وحیدالدین فقیر کے ایک قریبی رشتہ دار بیٹھے تھے جو اے ڈی ایم تھے۔ خوش قسمتی سے بم کاغذات کے ایک

بڑے سے ڈھیر پر پڑا۔اگر چہ وہ پھٹ گیا مگر اس کا اثر قدرے زائل ہو گیا۔ بم کے پھٹنے سے ایک پولیس والا مارا گیا اور وہاں بیٹھا ایک منشی شدید زخمی ہو گیا۔ ہم وہاں دبک کر بیٹھ گئے تا کہ اگر کوئی دوسرا بم بھی ہے تو پھٹ ہی جائے مگر کوئی دوسرا دھما کہ نہ ہوا اور بم پھینکنے والے لوگوں کی دھما چوکڑی اور بھگدڑ کا فائدہ اٹھا کر فرار ہو گئے۔اس صورتحال میں اگر چہ میں نے کام جاری رکھا مگر اس سے یہ اندازہ لگانے میں اور زیادہ آسانی ہوگئی کہ عنقریب حالات مزید کتنے بگاڑ کا شکار ہو جائیں گے اور حالات کی سنگینی میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ہم کام کے دوران اور گھر سے کورٹ آتے وقت اور سہ پہر کے وقت گھر کی طرف جاتے وقت اور زیادہ محتاط ہو گئے''۔

برصغیر کی تقسیم اور یہاں سے رخصت کے حوالے سے حکمران انگریز طبقہ چیں بہ جبیں تھا۔ اگر چہ آزادی کے لئے ہندو بھی پیش پیش تھے مگر وہ سب کے سب تقسیم ہند کے خلاف تھے جب کہ اسلامیان ہند پاکستان کی شکل میں ایک علیحدہ وطن کے طلبگار تھے اور یہ مطالبہ ہند اور انگریز دونوں کے لئے ناگوار تھا۔ انگریز اور ہندو کی اس ناگواری نے تقسیم کے دوران متعدد بار اور کئی جگہوں پر مسلمانوں کے خلاف اقدامات کئے اور تقسیم کے لئے جو فارمولا طے پایا تھا، جگہ بہ جگہ اس کی خلاف ورزی کی۔ کچھ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ایم ایم احمد یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ ان سب معاملات کے عینی شاہد ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ''امرتسر کے انگریز ڈپٹی کمشنر ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے گورداسپور بھارت میں شامل کیا جائے گا۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔اسی حیرانی کے عالم میں میں نے ڈی سی صاحب سے جو کہ لاہور سے تبدیل ہو کر آئے تھے، کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیونکہ گورداسپور تو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستان سے زیادہ متصل ہے۔اس صورت میں اگر اسے بھارت میں شامل کیا جاتا ہے تو یہ پارٹیشن فارمولا کی خلاف ورزی ہو گی۔ اس پر ڈی سی صاحب گڑ بڑا گئے اور اچانک کہنے لگے کہ نہیں نہیں، یہ افواہیں ہیں اور میں چونکہ لاہور سے آیا ہوں، وہاں اس قسم کی افواہیں گردش کرتی رہتی ہیں۔انہیں

سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے تم مت گھبراؤ۔

''یہ گرمیوں کا موسم تھا۔ ہم لوگ چھتوں پر سوتے تھے۔ مجھے دوسرے روز انگریز ڈی سی نے پھر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ حالات زیادہ خراب ہو رہے ہیں۔ بہتر ہے تم قادیان چلے جاؤ، اور اگر امرتسر پاکستان کو ملا تو میں تمہیں فون کر کے بلا لوں گا تا کہ تم امرتسر کا چارج سنبھال لو۔ میں اسی رات ڈی سی کی زیر ہدایت قادیان چلا گیا۔ اس وقت جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے۔ میں نے ان کے سامنے سارے حالات رکھے۔ یہ سن کر حضرت صاحب نے فرمایا: مجھے ابھی ابھی الہام ہوا ہے کہ تم لوگ جہاں بھی جاؤ گے، جس حالت میں بھی ہو گے، آخر کار ایک جگہ اکٹھے ہو جاؤ گے۔ مَیں قادیان میں چار دن رہا پہلے دو دن تک گورداسپور پاکستان کا حصہ معلوم ہوتا تھا مگر 17 اگست 1947ء کو اعلان ہو گیا کہ یہ بھارت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ گویا انگریز ڈی سی نے مجھے جو باتیں چند روز پہلے بتائی تھیں، اس کا واقعی علم اسے تھا۔ بہر حال اس اعلان کے ساتھ ہی قادیان بھی مشرقی پنجاب یعنی ہندوستان کا حصہ بن گیا۔ ہماری جماعت نے دو سیسنا طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر حاصل کئے اور ہم نے ان طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے قادیان کے ارد گرد بسنے والے تمام مسلمانوں کو جو انتہائی کسمپرسی اور بھوک کے عالم میں دن گزار رہے تھے، زندگی کی ممکنہ ضروریات فراہم کیں۔ انہیں خوراک، لباس اور سواری مہیا کی۔ اگر آپ ان دنوں کے پرانے اخبارات نکال کر دیکھیں تو تقریباً سبھی اخبارات ہماری ان خدمات کی تحسین کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نے جو ایک ہیلی کاپٹر حاصل کیا تھا، وہ چند روز تک گورداسپور کی پولیس کے سربراہ نے بھی عاریتاً اپنے زیر استعمال رکھا۔ اس کی بدولت گورداسپور کے آس پاس کے وہ علاقے جہاں سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں اور ان کے گھروں کو گھیرے میں لے رکھا تھا، انگریز سربراہ پولیس ہیلی کاپٹر کی مدد سے فوراً وہاں پہنچا اور مسلمانوں کو محاصرین سے نجات دلائی۔ ہم نے اس ہیلی کاپٹر کے استعمال کی ان لوگوں سے کوئی فیس بھی وصول نہ کی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ یہ دراصل مسلمانوں ہی

کی خدمت میں استعمال ہو رہا ہے‘‘۔

اس ہنگامہ کارزار کے دوران ایم ایم احمد نے اپنی اہلیہ کو قادیان میں چھوڑا اور ایک سیسنا طیارے میں سوار ہو کر لاہور آ گئے جہاں پنجاب سیکرٹریٹ میں انہیں ڈپٹی سیکرٹری کالونیز متعین کر دیا گیا۔ گورنر جنکنز کی جگہ گورنر موڈی آ گئے تھے۔ اختر حسین چیف سیکرٹری نے ایم ایم احمد کو بتایا کہ گورنر جنکنز نے جاتے جاتے تمہاری گونر موڈی سے بڑی تعریف کی ہے اور سفارش کی ہے کہ وہ تمہیں اپنا سیکرٹری رکھ لیں: ’’مگر مجھے سیکرٹری، جو ذاتی قسم کی نوکری ہوتی ہے، کا عہدہ پسند نہ تھا‘‘ ایم ایم احمد بولے ’’مگر میں نے اختر حسین صاحب سے کہا کہ چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں، اگر وہ آرڈر کریں گے تو میں گورنر کے سیکرٹری کی بھی نوکری کرلوں گا۔ میرا یہ پیغام اختر حسین نے گورنر موڈی تک پہنچا دیا۔ گورنر نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر وہ پسند نہیں کرتا تو ہم اسے سیکرٹری نہیں لگاتے‘‘۔ ایک مختصر سے وقفے کے بعد ایم ایم احمد نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا: ’’ان دنوں سیالکوٹ میں راجہ صاحب نامی ڈپٹی کمشنر تھے۔ مقامی مسلم لیگ نے ان کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور کہا کہ راجہ صاحب تقسیم کے بعد سیالکوٹ میں الجھے ہوئے معاملات کو دانستہ صحیح طرح نمٹا نہیں رہے ہیں۔ مظاہروں میں ان کے خلاف اور بھی الزام عائد کئے گئے۔ چونکہ سیالکوٹ جموں وکشمیر سے متصل علاقہ تھا اور کشمیر میں لڑائی ہو رہی تھی، اس لئے بھی یہ علاقہ زیادہ حساسیت کا حامل تھا اور مسلم لیگ کا کہنا تھا کہ راجہ صاحب جہاد کشمیر سے متعلقہ معاملات میں معاون ثابت نہیں ہو رہے۔ چیف سیکرٹری اختر حسین نے مجھے طلب کیا۔ کیبنٹ میٹنگ ہوئی جس میں میں بھی حاضر تھا۔ وہاں دولتانہ صاحب، نواب ممدوٹ صاحب اور سکندر حیات صاحب موجود تھے۔ ان کی متفقہ رائے اور حکم کے تحت مجھے سیالکوٹ میں راجہ صاحب کی جگہ ڈپٹی کمشنر لگا دیا گیا۔

’’سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے کرتا دھرتا خواجہ صفدر اور ایک شاہ نامی آدمی تھے۔ خواجہ صفدر دراصل اسی شاہ صاحب کے نائب تھے۔ بعد میں خواجہ صاحب ایم این اے بھی بنے اور قومی

اسمبلی کے سپیکر بھی بننے کی کوشش کرتے رہے۔ بہت برسوں بعد وہ جنرل ضیاء الحق کی ناک کا بال تک بن گئے تھے۔ بہرحال، خواجہ صفدر اور شاہ صاحب ایسے افراد کو مہاجرین اور دوسرے لوگوں کے لئے میری طرف سے جس قسم کی مدد کی ضرورت تھی، وہ میں نے فراہم کی۔ مسلم لیگ سے وابستہ افراد سے ہر سطح پر تعاون کرنے سے بعض لوگ میرے خلاف بدظن بھی ہو گئے۔ مثلاً ہمارے ایریا کمانڈر فوجی تھے اور انگریز تھے۔ انہوں نے مجھے ایک روز شاکی لہجے میں کہا کہ تم بارڈر تک مہاجرین کی مدد کے لئے جن افراد کے دستوں کو بھیجتے ہو وہ زیادہ تر مسلم لیگی کیوں ہوتے ہیں؟ اس طرح تو تم اپنی غیر جانبداری مجروح نہیں کر رہے؟ میں نے کہا دیکھئے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم لیگی افراد پر ایک تو لوگ زیادہ اعتماد کرتے ہیں، دوسری ان لوگوں کی بارڈر تک آسانی سے رسائی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سکھ اور ہندو کمیونٹی کے لوگوں کو بھی آگے تک بھیجوں گا تو ہوسکتا ہے گڑبڑ ہو جائے۔ مگر میری وضاحت کے باوجود میرے خلاف ان کا دل صاف نہ ہوا‘‘۔

قائداعظم کی طبیعت نڈھال تھی۔ مہاجرین کی غیر متوقع بھاری تعداد نے ان کو زیادہ پریشان کر دیا تھا اور ادھر کشمیر میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ کشمیر کو قائداعظم پاکستان کی شہ رگ قرار دے چکے تھے۔ جہاد کشمیر کا میدان کارزار گرم ہو گیا تھا۔ ان نازک لمحات کی کہانی ایم ایم احمد یوں سناتے ہیں: ’’سیالکوٹ سے جموں و کشمیر قریب پڑتا ہے۔ کیبنٹ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہر ممکنہ سطح پر مجاہدین کشمیر کی مدد کرو اور جہاد کشمیر میں زیادہ سے زیادہ تعاون کرنے کا وسیلہ بنو۔ اس سلسلے میں مجھے جنرل شیر محمد اور بعدازاں جنرل موسیٰ بھی ملے۔ میں نے ان سے بھی گزارش کی کہ یہاں کا ایریا کمانڈر انگریز ہے اور اسے شک ہے کہ کشمیر کے بارے میں امداد فراہم کر رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ کبھی کوئی رکاوٹ کھڑی کر دے، اس لئے اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔ اس دوران ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا۔ سیالکوٹ سے باہر ایک Limb Centre بنایا گیا تھا۔ اس سنٹر میں ان افراد کا علاج کیا جاتا تھا جن کے اعضاء سکھوں اور ہندوؤں نے ہجرت کے دوران کاٹ دیئے تھے۔ یہاں

میڈیکل کا بہت زیادہ سامان پڑا ہوا تھا۔ایک دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے پیغام ملا کہ ایک شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے مگر وہ اندر نہیں آسکتا۔میں خود باہر نکلا تو دیکھا وہ معذور ہے۔

اس نے مجھے بتایا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن، جو ریڈکراس کی چیئر پرسن تھیں Limb Centre میں آئی ہوئی ہیں اور سنٹر کا سامان چودہ ویگنوں (ریلوے کی) میں بھروا چکی ہیں اور وہ اس سامان کو انڈیا بھجوانے کا آرڈر کر چکی ہیں۔ میں نے اسی وقت ریلوے کے ہیڈ، (سیالکوٹ میں) اسٹیشن ماسٹر کو فون کیا کہ میں تمہیں ڈی سی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ وہ چودہ ویگنیں جنہیں لیڈی ماؤنٹ بیٹن لوڈ کروا کر انڈیا بھجوانے کا آرڈر دے چکی ہیں، بالکل ریلوے اسٹیشن سے نہیں ہلیں گی۔اس نے میرے حکم پر عمل کیا۔بعد میں مجھے ایک جرنیل کا فون آیا کہ تم لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت میں صرف پاکستانی گورنمنٹ کا ملازم ہوں، لیڈی ماؤنٹ بیٹن یا لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کا پابند نہیں۔خدا کا شکر ہے کہ وہ سامان بچ گیا۔اگر مجھے بروقت اطلاع نہ ملتی تو ہم بڑے نقصان سے دوچار ہوجاتے اور یہ خسارہ کسی جگہ سے بھی پورا نہ ہوسکتا۔انہی دنوں لیڈی ماؤنٹ بیٹن سیالکوٹ آئیں تو انہوں نے ویگنوں کا تذکرہ تک نہ کیا۔انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ سراسر ایک غیر قانونی حرکت کا ارتکاب کر رہی تھیں‘‘۔(صفحہ 16 تا 32)

آہ! ؎

فروغِ شمعِ محفل تو رہے گا صبحِ محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

(بحوالہ روزنامہ الفضل ربوہ 22 اگست 2002ء صفحہ 3-4)

قطعۂ تاریخ

وفات مرزا مظفر احمد صاحب

ہو گئے ہیں ''ایم ایم احمد جدا' بطل جلیل
چل دیئے محسن' مربی' مہرباں میرے خلیل'' 2002ء
لو کا موسم ہر طرف تھا دھوپ بھی تھی بے لحاظ
اور اس موسم میں تھے وہ ٹھنڈے پانی کی سبیل
ہر قدم پر گھپ اندھیروں سے پڑا تھا واسطہ
ہر قدم پر روشنی کی وہ بنے روشن دلیل
ہر طرف بکھرے تھے سنگ رہ مگر ان کا وجود
ہر کسی کے واسطے بنتا رہا اک سنگ میل
آخری دم تک خدا کے دین کے داعی رہے
کفر کی وادی میں دین حق کے تھے اعلیٰ وکیل
اک مسلسل جہد میں قدسی مظفر ہی رہے
ہوش میں جب تک رہے سمجھا نہیں خود کو علیل

(عبدالکریم قدسی)

ایک خادم دین اور سادہ مزاج وجود۔

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

(مکرم فخر الحق شمس)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو خدا تعالیٰ نے دینی و دنیوی لحاظ سے بہت نوازا تھا۔ مسلسل محنت، خدا داد صلاحیتوں، توکل اور دعاؤں سے آپ دونوں طرف ہی عروج پر پہنچے۔ جس میدان میں قدم رکھا اس کو کامیابی سے سر کیا۔ اس مضمون کو ترتیب دینے کے لئے آپ کے قریب رہنے والے احباب سے تاثرات اور مشاہدات جمع کئے گئے ہیں۔ جس سے خاص طور پر آپ کی ذاتی زندگی اور جماعتی خدمات کے بعض پہلو تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ جن احباب سے مختلف مواقع پر گفتگو کی گئی ان میں مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر امور خارجہ وصدر مجلس انصار اللہ پاکستان، مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر پرنسپل جامعہ احمدیہ ربوہ، مکرم داؤد احمد حنیف صاحب مربی سلسلہ نیویارک، مکرم ملک مسعود احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ امریکہ، مکرم ظفر اللہ ہنجرا صاحب مربی سلسلہ ڈیٹن امریکہ اور مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب واقف زندگی مقیم امریکہ شامل ہیں۔ ان احباب کے تاثرات کو موضوعاتی ترتیب سے اکٹھا کیا گیا ہے۔

خلافت سے وابستگی اور اطاعت کا اعلیٰ مقام

حضرت صاحبزادہ صاحب کی خلافت سے وابستگی، لگاؤ اور اطاعت امام عروج پر تھی۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے باوجود عمر میں بڑے ہونے کے بہت ادب اور احترام کرتے تھے، حضور انور کے ہر ارشاد پر من وعن عمل پیرا ہوتے، خلافت کی ہر لحاظ

سے تابعداری میں رہتے ہوئے کام کرتے۔آپ براہ راست حضور انور کو بہت کم امور ارسال کرتے بلکہ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے ذریعے حضور تک بات پہنچاتے۔آپ کے دورامارت میں حضور انور نے امریکہ کے پانچ دورے فرمائے۔ ہر مرتبہ دورے کے دوران آپ حضور کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت اور آرام کا خیال رکھتے۔امریکہ میں قیام کے دوران حضور انور کی مصروفیات کا ایک ایک منٹ کا پروگرام بنا کر قبل از وقت حضور انور سے اس کی منظوری لے لیتے، حضور کے استقبال کے لئے ائر پورٹ پر موجود افراد کی معین لسٹ پہلے سے ہی تیار کرتے۔امریکہ کے دورے کے دوران حضور انور نے جس شہر جانا ہوتا وہاں کے امیر جماعت یا صدر جماعت، خاندان کے احباب کے نام اور ڈاکٹر حضرات کے نام اور پتہ جات کی لسٹ پہلے حضور انور کی خدمت اقدس میں پیش فرما دیتے۔ایک مرتبہ حضور انور کے دورے کے وقت میاں صاحب کچھ بیمار تھے اور زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے،آپ نے ائر پورٹ پر ویل چیئر لانے کا حکم دیا تھا تا کہ بوقت ضرورت اس پر بیٹھ سکیں لیکن حضور انور کے احترام میں ویل چیئر کا سہارا نہ لیا اور تکلیف کے باوجود ساتھ ساتھ چلتے رہے، کافی دور چلنے کے بعد حضور انور کی اجازت سے ویل چیئر پر بیٹھے۔

حضور انور سے گفتگو کے دوران جی حضور! ہی کہتے حضور انور کے قیام کے لئے اپنا کمرہ پیش کرتے۔ جب تک حضور انور آپ کے کمرہ میں قیام پذیر رہتے۔حضرت میاں مظفر احمد صاحب حضور کی محبت اور اطاعت کے جذبات سے لبریز ہو کر کمرہ سے باہر تشریف رکھتے اور اپنے معمول کے کام سرانجام دیتے رہتے۔سہولت کے لئے اپنے ٹیلیویژن کے ساتھ مختلف چینلز کی تفصیل لکھ کر رکھتے تا کہ حضور انور کو اس کے متعلق استفسار نہ کرنا پڑے اور تکلیف نہ ہو۔حضور انور کی ہر خواہش کی تکمیل آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھا۔

روزانہ کا معمول اور دفتری مصروفیات

آپ نے بہت معمور الاقات زندگی گزاری۔ پاکستان اور پاکستان سے باہر کلیدی عہدوں

پر تاریخی کارنامے سرانجام دیئے اور پھر بطور امیر جماعت احمدیہ امریکہ جماعتی کاموں کے لئے گویا وقف ہو کر رہ گئے۔ نوجوانی سے ہی تہجد کے لئے بہت التزام فرماتے تھے۔ نماز فجر سے فارغ ہو کر ہر قسم کے اخبار کا مطالعہ کرتے اور احباب جماعت سے بعض معاملات پر گفتگو بھی فرماتے۔ ناشتہ کرنے کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے اور پھر دو پہر ایک بجے تک گھر میں ہی قائم اپنے دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے۔ دفتر میں تشریف لانے سے پہلے روزانہ باقاعدہ تیار ہو کر پینٹ، شرٹ، ٹائی اور کوٹ زیب تن کرتے۔ دفتر میں باقاعدگی سے بیٹھتے۔ اپنے دفتر یا گھر کا فون خود سنتے جماعتی کاموں میں انہاک کی وجہ سے دفتر میں بلاوجہ کسی کا خلل برداشت نہ کرتے۔ ہر کام کی بروقت تکمیل اور اس کو سرانجام دینے میں احتیاط کی عادت آپ نے اپنے والد گرامی حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے سے حاصل کی تھی۔ اپنی تقریر، میٹنگ یا کسی بھی تقریب میں کوئی نہ کوئی مزاح والی بات کرتے جس سے ماحول میں شگفتگی پیدا ہو جاتی۔ بہت سنجیدہ ماحول دیکھ کر ضرور مزاح فرماتے۔ جچی تلی اور مناسب بات کرتے۔ دوسرے کی بات خاموشی سے اور مکمل سنتے اور بعض اوقات اسی وقت تبصرہ نہ فرماتے بلکہ چند لفظوں میں جواب دے دیتے۔ کسی بھی معاملہ پر کوئی بحث نہ فرماتے اور نہ ہی تکرار کرتے۔

آپ کی ڈاک میں خواہ کسی قسم کا بھی خط آتا اسے خود غور سے پڑھتے۔ جواب کے لئے اس پر اشارے تحریر فرما دیتے یا اس کا زبانی جواب لکھوا دیتے۔ خط کا جواب ہمیشہ انگریزی میں دیتے۔ خط پر دستخط کرنے سے پہلے ایک ایک لفظ پڑھتے اور پھر دستخط ثبت فرماتے۔ ڈاک پر وصولی کی مہر لگانے کے لئے ضرور کہتے۔ خط کا جواب اس فقرے سے شروع کرتے کہ آپ کا خط فلاں تاریخ کا لکھا ہوا فلاں تاریخ کو ملا ہے۔ اگر ڈاک رات کو پہنچائی جاتی تو اسی وقت خطوط پڑھ کر ان کے جواب کے لئے بعض امور سوچ لیتے تاکہ اس چٹھی کا جواب لکھنے میں آسانی ہو آپ تحریر کے ماہر تھے، الفاظ کی نوک پلک سنوار کر لکھتے۔ مرکز سے جو بھی سرکلر جاتا اس کی بروقت تعمیل

فرماتے۔کم گو تھے لیکن بے تکلف دوستوں سے بات چیت خوب کرتے۔اپنے والد حضرت مرز ابشیر احمد صاحب ایم اے کی طرح باریک بین تھے ہر معاملہ اور کام کو تفصیل میں جا کر دیکھتے۔

آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔جس میں اخبارات ورسائل اور مختلف موضوعات پر کتب شامل ہیں۔آپ کم وقت میں گہرائی سے مطالعہ کرنے میں ماہر تھے۔کتاب یا رسالے کا نہ صرف مطالعہ کرتے بلکہ غلطیوں کی نشاندہی بھی فرماتے۔ جماعتی کاموں کے سلسلہ میں کوئی بات بتانی ہوتی تو پہلے اسے ضبط تحریر میں لاتے۔آپ کا حافظہ بہت تیز اور کمال کا تھا۔ایک ایک بات یاد رکھتے۔ آپ کی انگریزی بہت شستہ اور اعلیٰ پائے کی تھی۔بعض اوقات مشکل لفظ کہہ جاتے جو بظاہر غیر ضروری معلوم ہوتا تھا لیکن کچھ ہی دیر میں سننے والے کو احساس ہوتا کہ اس سے زیادہ مناسب لفظ اس صورتحال میں بولا ہی نہیں جا سکتا۔آپ بہت سوشل تھے،شام کے وقت آپ کے دسترخوان پر دوستوں یا عزیزوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا۔اکثر اپنے رفقائے کار کو اپنے ہاں دعوت پر مدعو کرتے۔کھانے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو اور روزمرہ کے مسائل پر بات چیت ہوتی۔دوپہر کا کھانا ایک بجے تناول فرماتے۔آہستہ کھاتے،تھوڑا کھاتے اور کھانے کو انجوائے کر کے کھاتے۔آپ کو اکیلے کھانا کھانا بالکل پسند نہ تھا۔رات کے کھانے کا وقت عموماً 9 بجے ہوتا تھا۔انگریزی کے علاوہ اردو اور پنجابی میں بات چیت کرتے۔آپ کی یہ خوبی قابل ذکر ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلہ بھی تحقیق اور سٹڈی کے بعد حل کر لیتے۔جماعتی کاموں میں بڑی عمر کے اثرات حائل نہ ہوئے تھے۔

جماعتی خدمت کا جذبہ

آپ نے دنیاوی لحاظ سے جو بھی کام کئے ان میں کمال کو پہنچے اس کے مقابل پر جب دینی کاموں کا آغاز فرمایا تو بھی سب سے آگے تھے جماعت احمدیہ امریکہ کی امارت سنبھالنے کے بعد آپ نے دن رات کی محنت کے بعد اسے مزید مستحکم کیا،آپ کے بے شمار اہم کاموں میں سے امریکہ کی مرکزی بیت الذکر بیت الرحمن کی تعمیر امریکہ کے مالی نظام کی مضبوطی اور مختلف ریاستوں

میں بیوت الذکر کی تعمیر سرفہرست ہیں۔ وفات سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے ہسپتال میں بستر علالت پرڈاک ملاحظہ فرماتے، آپ نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کریں۔گزشتہ 20,25، سال سے آپ پر بڑھاپے اور کمزوری کے آثار نہیں تھے۔31 جولائی 2001ء تک آپ اتنے ہی ٹھیک اور صحت مند تھے جتنا پہلے تھے۔آخری ایک سال میں آپ کی صحت اچانک خراب ہونا شروع ہوئی۔آپ نے بیت الرحمن میں آخری مرتبہ مکرم ناصر محمد سیال صاحب کے جنازہ میں شرکت فرمائی۔2000ء میں واشنگٹن سے باہر ڈوئی کانفرنس میں شرکت کے لئے زائن تشریف لے گئے۔واشنگٹن سے باہر یہ آپ کا آخری دورہ تھا۔آخر میں آپ کو کمر کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو آپ مجلس عاملہ کے اجلاسات کی صدارت کرسی پر بیٹھ کر ہی کرتے۔ مجلس عاملہ کی اکثر میٹنگز میں خود شریک ہوتے ممبران عاملہ کو باقاعدہ پہلے ایجنڈا ارسال کیا جاتا اور دوران میٹنگ ان امور پر تفصیلی بحث ہوتی۔آپ نے Human Rights Cell قائم فرمایا جو جماعت احمدیہ امریکہ کا خاص شعبہ ہے۔

آپ کا دور امارت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے 1989ء میں اپنے دورہ امریکہ کے دوران آپ کو امیر جماعت احمدیہ امریکہ مقرر فرمایا۔اس طرح آپ کی امارت کا دور 13 سال پر محیط ہے۔آپ نے امریکہ کی امارت کا سٹرکچر مضبوط کرنے کے لئے بہت کام کیا۔خدا تعالیٰ کے فضل سے امریکہ میں 50 جماعتیں قائم ہیں آپ کے دور امارت میں ہر سال ایک یا دو جماعتوں کا اضافہ ہوتا رہا۔اس دوران آپ نے اپنی جملہ ذمہ داریوں کا خوب حق ادا کیا اور ہمیشہ سوچ سمجھ کر اور صحیح فیصلہ کیا۔ ہر شعبہ کو خود گہرائی سے سٹڈی کرتے، جماعتوں کی طرف سے آنے والی رپورٹوں پر تبصرہ اور ہدایات فرماتے کہ کام مکمل اور صحیح ہونا چاہئے بیشک آرام سے ہو۔آپ کو یہ بات پسند تھی کہ جس کے سپرد کام کیا جائے وہی اس کو سرانجام دے۔

بغیر اجازت کوئی کسی اور کا کام نہیں کرسکتا تھا۔

شعبہ تربیت کی طرف خاص توجہ

شعبہ تربیت کو فعال کرنے اور دینی نصائح گھر گھر پہنچانے کے لئے آپ نے خاص توجہ فرمائی۔ صدران جماعت سے اس سلسلہ میں باقاعدہ رپورٹ لیتے اور تربیت کے امور پر تفصیلی استفسار فرماتے۔ نمازوں کے اعداد وشمار پر تفصیلی گفتگو فرماتے۔ امارت کے آغاز میں انگریزی اور اردو میں مختلف فقرات پر مشتمل چارٹس اور بینرز بنوائے، ان کو جماعتوں میں تقسیم کیا اور کہا کہ ان کو التزام کے ساتھ ہر گھر میں تقسیم کیا جائے تا کہ یہ قیمتی نصائح ہر وقت احباب جماعت کی نظروں کے سامنے رہیں۔ یہ جماعت کی تربیت کا شاندار انداز تھا۔

دعوت الی اللہ میں خصوصی دلچسپی

آپ کے دور میں دعوت الی اللہ کے کاموں میں پہلے کی نسبت کافی ترقیات ہوئیں۔ آپ کو ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتی کہ اس شعبہ میں بھی حضور انور کی خواہشات کے مطابق عمل پیرا ہوا جائے۔ نو احمدیوں میں زیادہ تر افریقی امریکن افراد تھے۔ ان سے آپ کو بہت پیار تھا۔ بلکہ ان سے ذاتی تعلق تھا۔ آپ ان کی اکثر امداد فرمایا کرتے تھے یتیموں، بیواؤں اور غریبوں کی امداد میں کوئی کسر نہ چھوڑتے، آخری وقت تک دعوت الی اللہ کے بارے میں سوچتے رہتے۔ ایک مربی صاحب وفات سے کچھ دیر پہلے آپ کو ہسپتال ملنے کے لئے گئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کتنی بیعتیں کرائی ہیں۔ مربیان کی میٹنگ میں بعض اوقات تفصیل سے دعوت الی اللہ کی طرف توجہ دلاتے۔

بیوت الذکر اور مشن ہاؤسز کی تعمیر

بیوت الذکر اور مشن ہاؤسز کی تعمیر اور ان کو فعال کرنے کی طرف آپ نے اپنے دور امارت میں خاص توجہ کی۔ شمالی امریکہ کی سب سے بڑی بیت الذکر 'بیت الرحمن' کی تعمیر آپ کے دور میں

مکمل ہوئی اور جس کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ نے 14 ر اکتوبر 1994ء کو فرمایا۔ آپ نے مشن ہاؤسز کے بنانے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے الگ الگ سکیمیں بنوائیں اور ان پر عمل کروایا۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے دور سے شکاگو میں ایک مکان بطور بیت الذکر استعمال ہو رہا تھا۔ حضور انور کے حکم کے مطابق اس جگہ باقاعدہ بیت الذکر بنائی گئی اور برکت کی خاطر اس میں پرانے مکان کا سامان لگایا گیا اور اس کا نام بیت صادق رکھا گیا۔ اب وہ علاقہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت ترقی کر گیا ہے۔ شکاگو، واشنگٹن، نیویارک، لاس اینجلس، ورجینیا، ڈیٹرائٹ، ہیوسٹن اور ڈیلس (ٹیکساس) میں بیوت الذکر کی تعمیر کی سکیمیں بنائیں، کام کا آغاز کیا، بعض تو آپ کے دور میں ہی مکمل ہو گئی تھیں، بعض پر کام جاری ہے۔

ایم ٹی اے کی نشریات کا آغاز

امریکہ میں ایم ٹی اے کی ترویج و ترقی میں آپ کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ یہاں پہلے صرف آڈیو سسٹم قائم تھا۔ آپ کی کوششوں سے ایک پرائیویٹ کمپنی سے معاہدہ کے تحت براعظم امریکہ اور بعض دوسرے علاقوں تک ایم ٹی اے کی وسیع نشریات پہنچانے کے لئے ارتھ سٹیشن کا قیام بیت الرحمن کے ملحقہ احاطہ میں عمل میں آیا۔ یہ ارتھ اسٹیشن جماعت کینیڈا کی طرف سے جماعت امریکہ کے تعاون سے شروع ہوا۔ جو خدا کے فضل سے بڑی کامیابی کے ساتھ نشریات دور دراز علاقوں تک پہنچا رہا ہے۔

شعبہ مال میں غیر معمولی خدمت

جماعت احمدیہ امریکہ کا شعبہ مال آپ نے خاص طور پر فعال بنایا۔ آپ کے دور میں ہونے والی پہلی مجلس شوریٰ میں آپ نے امریکہ کی جماعتوں کو پہلی مالی تحریک یہ کی کہ امریکہ کا بجٹ 3 سال میں دوگنا ہونا چاہئے۔ آپ کی بہت خواہش تھی کہ جماعتہائے احمدیہ امریکہ تمام چندوں کی ادائیگی میں دنیا میں پہلے نمبر پر آئے۔ آپ کی نگرانی اور مسلسل یاددہانی سے خدا تعالیٰ کے فضل سے

3 سال میں امریکہ نے اپنا ٹارگٹ پورا کرلیا۔آپ شعبہ مال کی ایک ایک رپورٹ کا خود جائزہ لیتے ۔اگرخوشکن رپورٹ ہوتی تو خوشنودی کا اظہار فرماتے۔ ہر ماہ باقاعدگی سے تمام جماعتوں کو شعبہ مال میں ان کی کارکردگی کا جائزہ ارسال کیا جاتا، جو جماعت اس شعبہ میں پیچھے ہوتی اسے لکھتے کہ جلد مکمل کرنے کی کوشش کی جائے۔ ہر شعبہ میں جماعت کو آگاہ رکھنا ضروری سمجھتے تھے۔طوعی چندوں میں امریکہ صف اول کا ملک بن گیا اور آپ کے دور امارت میں تحریک جدید اور وقف جدید میں امریکہ اولین ممالک میں شامل ہوگیا۔

وقف جدید میں پہلی پوزیشن

اپنی امارت کے آغاز میں آپ نے مجلس عاملہ کوٹارگٹ دیا کہ ہم کسی ایک شعبہ کومنتخب کرتے ہیں،کوشش اور محنت کرکے دنیا کی جماعتوں میں پہلے نمبر پر آنے کی کوشش کرتے ہیں اس سلسلہ میں آپ نے وقف جدید کومنتخب فرمایا۔اور پھر دعاؤں اور محنت سے چند سال میں ہی وقف جدید میں اول آنے میں جماعت احمدیہ امریکہ کامیاب ہوگئی۔اس اعزاز کوقائم رکھنے کے لئے آپ نے بہت دلجمعی سے خود بھی کام کیااور جماعتوں کو بھی کام کرنے کی تلقین فرمائی۔

تقاریر اور خطابات

کسی بھی اجلاس میں تقریر کرنا ہوتی یا جلسہ سالانہ امریکہ میں خطاب کرنا ہوتا تو ہمیشہ پہلے بھرپور تیاری کرتے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود کی سیرت یا حضرت مصلح موعود کے ساتھ ذاتی واقعات آپ کی اکثر تقاریر کا موضوع ہوتا تھا۔تقریر تیار کرتے وقت نوٹس لیتے اوران کی مدد سے سنوار کراور بھرپور تقریر فرماتے۔

امریکہ میں لنگرخانہ حضرت مسیح موعود کا اجراء

آپ کے دورامارت میں جلسہ سالانہ امریکہ کے موقع پر پہلی مرتبہ لنگرخانہ حضرت مسیح موعود کا

آغاز ہوا۔لنگر خانہ جاری ہونے سے جلسہ سالانہ کے اخراجات میں نمایاں کمی واقع ہوگئی۔ پہلے فی کس یومیہ خرچ 15 سے 20 ڈالر تک اٹھتا تھا،لنگر خانہ کے بابرکت اجراء سے فی کس یومیہ خرچ 3 ڈالر سے بھی کم ہوگیا۔اور کھانے کا معیار بھی بلند ہوگیا۔حضرت مسیح موعود کی خواہش کی تکمیل آپ کا تاریخی کارنامہ ہے۔لنگر خانہ کے اجرا میں مکرم ڈاکٹر صلاح الدین صاحب اوران کی ٹیم کو خصوصی خدمت کی توفیق ملی۔

سادگی وانکساری

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔اعلیٰ عہدوں پر فائز رہنے کے باوجود آپ میں تکلف اور دکھاوا نام کی چیز نہ تھی۔گھر میں سادگی جھلکتی نظر آتی۔ ہمیشہ دوسروں کے گھر ملاقات کے لئے خود تشریف لے جاتے اوران کی ہر لحاظ سے دلداری فرماتے۔آپ کی ذات میں وقار اور رعب بھی تھا اور عاجزی بھی تھی۔

محبت وشفقت اور حسن سلوک

غیروں سے بھی محبت وشفقت کا سلوک فرماتے۔جس شخص نے بھی آپ کو امداد کے لئے لکھا آپ نے اس کی مدد فرمائی۔اپنے رفقاء اور کارکنان کے ساتھ بہت حسن سلوک فرماتے تاہم نظام کے تحت اگر کسی سے غلطی سرزد ہوتی تو مناسب رنگ میں اصلاح فرماتے۔خادمان احمدیت اور مربیان سلسلہ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔اگر کسی کی شکایت آپ تک پہنچتی تو اس پر عمل درآمد بڑی حکمت اور عقل وفراست سے کرتے۔آپ کے دور میں متعدد تعلیمی وظائف مقرر تھے۔

مصروفیات اور عمر میں اضافہ کے باوجود کوشش کرکے ہر فنکشن پر جاتے۔جماعت کے ہر شخص کی کوشش ہوتی کہ آپ ان کے فنکشن میں شرکت فرمائیں۔آپ وہاں حتی الامکان پہنچنے کی کوشش کرتے۔ایک مرتبہ کسی نے آپ کو شادی کی دعوت دی۔دعوت نامہ لانے والے نے ساتھ حوالہ دیا کہ جب آپ سرگودھا میں ڈپٹی کمشنر تھے اس وقت ان کے والد نے آپ کو سفر کے لئے گھوڑی بھجوائی

تھی آپ کو ان کے والد کا وہ احسان یاد تھا اس لئے آپ نے شادی میں شرکت کی دعوت قبول فرمالی۔اپنے رفقاء اور خادموں سے آپ کی محبت وشفقت کے بے شمار واقعات ہیں،مکرم ملک مسعود احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعت احمدیہ امریکہ نے بتایا کہ چند سال پہلے ان کے بیٹے کا ولیمہ تھا۔ صحت خراب ہونے کے باوجود آپ نے اس تقریب میں شرکت فرمائی۔آپ کی نشست سٹیج پر موجو دتھی،سٹیج پر چڑھتے وقت آپ کا پاؤں پھسل گیا۔ہمیں اس وقت آپ کی چوٹ کا علم نہ ہوسکا۔بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو بہت چوٹ آئی تھی،گھر پہنچ کر ڈاکٹر کو بلانا پڑا۔جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کوتو زیادہ چوٹ آئی ہے اسی وقت ہی کیوں نہ بتایا تو آپ نے فرمایا میرا دل نہ کیا کہ میں خوشی کے اس موقع پر کوئی پریشانی والی بات کروں۔اس طرح آپ وہاں اپنی تکلیف کو برداشت کر کے تشریف فرما رہے اور کسی سے اظہار نہ کیا۔اپنے ساتھیوں سے یہ آپ کی انوکھی محبت کا انداز ہے۔

پاکستان کے لئے خدمات

پاکستان کے لئے آپ نے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔پاکستان میں رہتے ہوئے اور بیرون پاکستان ان کا دائرہ پھیلا ہوا ہے۔امریکہ میں قائم پاکستان ایمبیسی سے آپ کے بہت اچھے تعلقات تھے اور وہاں کا سفارتی عملہ بھی آپ کی بہت عزت کرتا تھا۔وہ آپ کو اکثر کھانے پر مدعو کرتے۔واپسی پر پاکستانی سفیر آپ کو خود کار تک چھوڑنے آتے اور گاڑی کا دروازہ کھول کر عزت سے بٹھاتے۔پاکستان کے استحکام اور سالمیت کے آپ ہر ممکن امداد فرماتے رہتے تھے۔پریسلر ترمیم کے سلسلے میں بھی آپ نے بہت معاونت فراہم کی۔پاکستان کی بعض سرکردہ اور مقتدر شخصیات دورہ امریکہ کے دوران آپ کے ہاں قیام بھی کیا کرتی تھیں۔آپ ان کی مقدور بھر خدمت اور مہمان نوازی فرمایا کرتے تھے۔

زائن کانفرنس کا انعقاد

آپ کی کوششوں اور خواہش کے مطابق امریکہ کے شہر زائن میں ''زائن کانفرنس'' کا انعقاد

ہوا۔آپ چاہتے تھے کہ زائن سٹی امریکہ میں پہلا احمدی شہر بن جائے۔زائن شہر نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود کی مبشر اولاد کی اولاد اس شہر میں پہنچی اور جماعت کا پرچم بلند کیا۔کسی وقت میں الیگزنڈر ڈوئی کی طرف سے منسوب ہونے والے اس شہر میں خدا کے فضل سے جماعت قائم ہے۔احمدیہ مشن قائم ہے اور یہ شہر خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت اور اعجازی نشانات کا حامل شہر ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمات دینیہ کو قبول فرمائے۔آپ کے فیض کو امریکہ میں جاری رکھے اور جس نہج پر آپ نے جماعت امریکہ کو چلایا یا چلانے کی خواہش تھی جماعت امریکہ ان خطوط پر چل کر دنیا کی صف اوّل کی جماعت بن جائے۔

خلافت کا وفادار اور اتفاق واتحاد کا نقیب

(مکرم شمشاد احمد ناصر صاحب۔امریکہ)

قومی،ملکی اور جماعتی سطح پر خوب جانی پہچانی شخصیت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب جو کہ ایم ایم احمد کے نام سے مشہور تھے 22 جولائی 2002ء کو مولائے حقیقی سے جا ملے۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آپ کافی عرصہ سے بیمار تھے۔بیماریوں میں کمر کی تکلیف اور کمزوری غالب اور نمایاں رہی۔آپ کی بیماری کے دوران مکرمہ صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ،مکرم صاحبزادی امتہ الجمیل بیگم صاحبہ،ظاہر مصطفی صاحب اور آپ کے خادم مکرم محمد صدیق بھٹی صاحب نے جس قدر آپ کی خدمت کی اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے۔آمین۔

امریکی وقت کے مطابق 22 جولائی کو رات ساڑھے گیارہ بجے (پاکستان میں 23 جولائی) ہسپتال میں آپ کی وفات ہوئی۔اسی وقت ظاہر احمد مصطفی صاحب نے خاکسار کو بذریعہ فون اطلا

ع دی۔ اگلے دن آپ کو غسل دیا گیا۔جن دوستوں کو غسل دینے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں مکرم منیر احمد خان صاحب، مکرم سید محمد احمد صاحب ابن مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر مکرم مرزا محمود احمد صاحب ابن مکرم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور خاکسار سید شمشاد احمد ناصر مربی سلسلہ واشنگٹن تھے۔تمام جماعتوں کو اور احباب کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ جمعۃ المبارک مورخہ 26 جولائی بعد نماز مغرب وعشاء آپ کی نماز جنازہ مکرم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب قائمقام امیر جماعت احمدیہ امریکہ نے پڑھائی۔جس میں 2 ہزار سے زائد احباب کو شمولیت کی توفیق ملی۔

نماز جنازہ سے 2 گھنٹے قبل آپ کی میت بیت الرحمان کی بیس منٹ میں آ چکی تھی جہاں احباب نے آپ کا آخری دیدار کیا۔ اس موقعہ پر دوسرے غیر از جماعت اور اعلیٰ شخصیات بھی موجود تھیں۔مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب امیر جماعت احمدیہ کینیڈا قریباً 150 احباب کے ساتھ کینیڈا سے تشریف لائے اور نماز جنازہ میں شامل ہوئے۔ اگلے دن آپ کا جنازہ بذریعہ PIA پاکستان لے جایا گیا اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں آپ کی تدفین ہوئی۔ ؎

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

خاکسار کو یہاں واشنگٹن میں ساڑھے چھ سال سے زائد عرصہ تک محترم صاحبزادہ صاحب کی راہنمائی میں کام کرنے کی توفیق ملی اور اس طرح اس غیر معمولی وجود کو قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس مضمون میں آپ سے متعلق چند یادیں اور یادداشتیں لکھ رہا ہوں۔

آپ سے پہلی ملاقات

10 ستمبر 1987ء کو خاکسار لندن ائر پورٹ پر واشنگٹن آنے کے لئے برٹش ائرویز کے انتظار میں تھا کہ اچانک میری نظر مکرم صاحبزادہ صاحب پر پڑی۔ آپ جلسہ سالانہ UK میں شمولیت کے بعد واپس امریکہ آ رہے تھے۔ خاکسار نے پاس جا کر سلام عرض کیا اور اپنا تعارف

کرایا۔ آپ نے پوچھا کہ پہلی بار واشنگٹن جا رہے ہو۔ عرض کیا جی ہاں اس کے بعد ہم جہاز میں سوار ہو گئے۔ واشنگٹن پہنچنے میں ابھی نصف گھنٹہ باقی تھا کیا محترم میاں صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ کیا مشن میں آپ کی آمد کی اطلاع ہے عرض کی کہ اطلاع ہے۔ فرمانے لگے کہ میں تو جلدی باہر چلا جاؤں گا اور دیکھ لوں گا کہ آیا آپ کو کوئی لینے آیا ہے کہ نہیں؟ تو آپ کو بتا دوں گا۔ چنانچہ آپ کی امیگریشن سے کلیرنس جلدی ہوگئی۔ آپ باہر گئے اور تھوڑی دیر بعد واپس اندر تشریف لے آئے اور مجھے فرمایا کہ آپ کو لینے کے لئے مکرم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں۔ آپ ان کے ساتھ چلے جائیں گے اس لئے میں جاتا ہوں۔ یہ میری حضرت میاں صاحب کے ساتھ پہلی ملاقات تھی لیکن ایسی تھی کہ اس نے ایک حسین یاد تاحیات پیچھے چھوڑی ہے۔

حضور انور سے محبت اور احترام خلافت

آپ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے عمر میں بڑے تھے۔ کزن تھے، بھائی تھے لیکن کبھی بھی رشتہ داری یا بڑا ہونے کی وجہ سے احترام خلافت میں فرق نہ آنے دیتے تھے۔ حضور انور جب بھی امریکہ تشریف لاتے اپنی بیماری و کمزوری صحت کے باوجود سب پروگراموں میں باقاعدہ ساتھ ساتھ شامل رہتے۔ تکلیف یا تھکن کا احساس تک نہ ہونے دیتے۔ حضور انور کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ جس کمرہ میں حضور نے ٹھہرنا ہوتا وہاں پر ٹی وی رکھا ہوتا تو ایک الگ کاغذ پر ٹائپ کروا کر رکھتے کہ TV کس طرح استعمال کرنا ہے۔ MTA یا دوسرے چینلز کس طرح لگانا ہے وغیرہ۔

حضور انور کو خط لکھتے تو یا سیدی کے الفاظ سے۔ پھر کوشش کرتے کہ خط مختصر اور بامعنی ہو۔ بڑے جچے تلے الفاظ استعمال کرتے۔ اگر کبھی کوئی مضمون کسی رسالے یا میگزین میں پڑھا اور آپ نے سمجھا کہ اس میں حضور کی بھی دلچسپی ہوگی تو وہ ضرور حضور کی بھجواتے۔ اسی طرح اخبار میں کوئی مضمون یا خبر۔ یا کوئی کتاب شائع ہوئی اور اس میں احمدیت کا ذکر وغیرہ تو آپ اس کا خود مطالعہ

کرتے اور سارے مضمون کا خلاصہ حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں بھجواتے۔خلاصہ اتنا جامع ہوتا تھا کہ پھر وہ کتاب یا میگزین کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی ہوگی اور اس سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے قیمتی وقت کو بھی بچانا مدنظر ہوتا تھا۔

خدمت دین کا جذبہ اور احباب جماعت سے محبت

بیماری کے ایام میں ہر ملنے والے سے یہی درخواست کرتے کہ میری صحت کے لئے دعا کریں تاکہ میں اچھی طرح خدمت دین کرسکوں۔ 2001ءکوشوریٰ کے موقع پر آخری اجلاس میں آپ نے جماعت کوقربانیوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم ہر قسم کی قربانی کریں اور پھر غلبہ دین حق کی ایک پیشگوئی جو حضرت مسیح موعود نے تذکرۃ الشہادتین میں لکھی ہے پڑھ کر سنائی اور یہ شعر بھی سنایا۔اس دین کی شان وشوکت یارب مجھے دکھادے ساتھ ہی فرمایا کہ جماعت کے لوگوں کو عمدہ نمونہ اختیار کرنا چاہئے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنا چاہئے۔حضرت مسیح موعود نے جو یہ فرمایا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اس میں لفظ رکھوں گا ہے، کروں گانہیں، تاکہ یہ بات مدنظر رہے کہ میں یہ کام مستقل بنیادوں پر کرتا چلا جاؤں گا۔

آپ نے حضرت مسیح موعود کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ کی ساری زندگی کا مطالعہ کریں کہ کس طرح اور کن مشکل حالات میں آپ نے دن رات دین کا کام کیا اور ان حالات میں جب کہ نہ بجلی نہ ائرکنڈیشن، گرمی میں سردی میں کام میں مصروف رہ کر 80 سے زائد کتب بھی لکھیں۔محترم میاں صاحب نے رفقاء حضرت مسیح موعود کی زندگی کے واقعات بھی بیان کئے جو کہ جماعت کیلئے مشعل راہ ہیں۔اسی شوریٰ کے موقع پر آپ نے بچوں کی تربیت کی طرف بھی توجہ دلائی اور فرمایا کہ حضرت مصلح موعود کی نظم ''نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے'' ترجمہ کے ساتھ شائع کی جائے اور خدام الاحمدیہ یہ کام کرے۔ایک موقع پر جماعت کو یہ بھی نصیحت کی کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا اور What I have done today in the

service of (۔) Ahmadiyyat کے سٹکرز بنوا کر گھروں میں لٹکائیں تا کہ یہ نصیحت ہر وقت ہر احمدی کے مدنظر رہے۔

انصاراللہ کا اجتماع تھا۔محترم امیر صاحب بیمار تھے۔صدر صاحب انصاراللہ نے خاکسار کو اختتامی پروگرام میں تقریر کے لئے لکھا۔میں محترم امیر صاحب سے رہنمائی لینے کے لئے ان کے گھر حاضر ہوا۔آپ نے فرمایا کہ ایک تو میری طرف سے سب کو السلام علیکم کہہ دیں اور دوسرے جماعت میں پیار ومحبت (Tolrence) اور خصوصاً ازدواجی تعلقات کو بہتر بنانے کی تلقین کریں نیز فرمایا کہ اگرچہ ہماری جماعت میں خدا کے فضل سے قضائی جھگڑے زیادہ نہیں ہیں لیکن ہمارے لئے تو ایک جھگڑا بھی بہت ہے آپ اپنی تقاریر میں بھی پیار ومحبت اور اتحاد سے رہنے کی تلقین کرتے اور حضرت مسیح موعود کے واقعات وتحریرات جن میں اتحاد کی بات ہوتی پڑھ کر سناتے۔بعض اوقات تو خود سناتے سناتے رقت طاری ہوجاتی اور ساتھ ہی سب سامعین کو بھی رلاتے۔اکثر شوریٰ کے موقع پر آپ کا موضوع پیار ومحبت ہی ہوتا تا کہ دور دراز سے آئے ہوئے نمائندگان جماعتوں میں پیار ومحبت کا پیغام پہنچا دیں۔ 2001ء کے جلسہ سالانہ امریکہ کے موقع پر اپنے صدارتی خطاب میں بھی پیار ومحبت کے ساتھ رہنے کی تلقین فرمائی اور غلبہ احمدیت کی حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں پڑھ کر سنائیں۔آپ کمزور تھے لیکن پیشگوئی کے الفاظ نہایت پرشوکت آواز میں سناتے تھے۔جلسہ کے فوراً بعد غانین احمدی اپنے مخصوص انداز میں صلّ علیٰ نبینا اور درود شریف پڑھنے لگے اور دعا کے بعد لوگ فوراً آپ کی طرف بڑھنے لگے سلام کرنے لگے۔پیار ومحبت کا یہ عجیب منظر تھا۔

آپ کی امارت کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ جماعت کے اندر خدا تعالیٰ کے فضل سے یک جہتی اور اتحاد پیدا ہوا۔یہ آپ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ جماعت کو اتحاد اور پیار ومحبت سے رکھے اور خلافت سے وابستہ رکھے۔آمین۔آپ کو کمر کی تکلیف لمبے عرصہ سے چلی آرہی تھی آپ

کے لئے کھڑے ہونا مشکل ہوتا تھا نماز بھی کرسی پر بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ لیکن جماعت کی تمام میٹنگز میں شمولیت فرماتے۔ بعض اوقات میٹنگ لمبی ہو جاتی لیکن کبھی تکلیف کا اظہار نہ کرتے۔

آخری میٹنگ جس میں آپ نے شرکت کی وہ 16 ستمبر 2001ء کو بیت الرحمن میں تھی۔ 11 ستمبر کا سانحہ اس میٹنگ کا سبب بنا۔ محترم میاں صاحب نے خاکسار سے فرمایا بیت الرحمن میں ایک دعائیہ تقریب کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ جلدی جلدی ایک بڑا بینر مکرم کلیم اللہ خان صاحب سے بنوایا گیا۔ جو بیت الذکر کے باہر لگا دیا کہ 16 ستمبر کو ہم دعائیہ تقریب کر رہے ہیں سب کو شمولیت کی دعوت ہے۔ آپ بیماری کے باوجود بنفس نفیس اس دعائیہ تقریب کے لئے تشریف لائے اور اجلاس کی صدارت کی۔ مختلف مذاہب کے 200 سے زائد لوگ اس میں شامل ہوئے۔ خاکسار باری باری لوگوں کو دعا کے لئے اور اپنے اپنے خیالات کے اظہار کے لئے بلا رہا تھا۔ کسی نے چھوٹی کسی نے لمبی تقریر کی اور اس واقعہ کی مذمت کرتے ہوئے صبر اور استقامت کی تلقین کی۔ تقریباً 20 سے زائد مقررین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سب کی سنی اور احترام انسانیت میں سب کے ساتھ کھڑے ہوئے آخر میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مذہبی رواداری کے تین واقعات سنائے اور دعا پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ ایک دفعہ ایک شادی کے موقعہ پر تشریف لے گئے۔ دولہا اور دیگر شخصیات کے لئے پلیٹ فارم بنایا ہوا تھا۔ آپ اس پر چڑھنے لگے تو پاؤں پھسل گیا اور شدید تکلیف ہوئی لیکن آپ ضبط کر کے پورا وقت بیٹھے رہے اور اس کا احساس تک نہ ہونے دیا تا کہ شادی والوں کو زحمت اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

بیماری کے ایام میں آپ گھر پر بھی صاحب فراش رہے اور متعدد مرتبہ ہسپتال داخل رہے جب بھی خاکسار یا کوئی دوست ملنے گیا۔ آپ نے یہی کہا کہ میری صحت کے لئے دعا کریں تا کہ میں زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کرسکوں۔ بیماری میں ملاقات کے دوران خاص طور پر جماعت کا حال پوچھتے اور غیر مذاہب سے رابطے کے بارے میں پوچھتے تھے۔

کیونکہ سانحہ 11 ستمبر کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی راہنمائی میں مذہبی راہنماؤں سے کافی تعلقات بڑھائے گئے۔

کام کا طریق کار اور احتیاط

مجلس عاملہ یا شوریٰ کی کارروائی کے دوران آپ صدارت کرتے تھے اور لوگ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے کوئی اعتراض اٹھایا ہو تو آپ نے فوری دفاع کرنا شروع کر دیا ہو بلکہ ہر ایک کی بات سن کر نوٹس لکھتے جاتے ہر ایک کی رائے غور سے سنتے۔آخر میں سب باتوں کا نچوڑ اور خلاصہ نکال کر فیصلہ صادر فرماتے۔بعض اوقات جس شعبہ کے بارے میں بات ہو رہی ہوتی اسے فرماتے کہ وضاحت کریں اگر کسی کی طرف سے خط آیا کہ میں نے اپنے سابقہ خط میں آپ کو یہ لکھا تھا تو دفتر کو ہدایت تھی کہ اس کا وہ خط بھی ساتھ لگائے۔بعض معاملات میں تو پوری ایک فائل بن جاتی۔آپ ہر ایک صفحہ کو غور سے پڑھتے اور اصل نتیجہ اخذ کرنے کے بعد متعلقہ شعبہ کو اس کے بارے میں ہدایت کرتے۔کسی کا دعائیہ خط بھی بڑا سنبھال کر رکھنا پڑتا کہ کہیں وہ دوبارہ کسی وقت اس خط کا حوالہ ہی نہ دے۔عام طریق ڈاک دیکھنے کا یہ تھا کہ مکرم ملک سعید صاحب ریٹائرڈ کرنل جو کہ شارٹ ہینڈ بہت مہارت سے جانتے ہیں صبح دس گیارہ بجے ان کے پاس ڈاک لے کر چلے جاتے جو آپ عموماً ڈرائینگ روم میں بیٹھ کر ملاحظہ کرتے۔سب سے پہلے گزشتہ دن کی ڈاک کی جو ڈکٹیشن دی ہوتی وہ دیکھتے۔ایک ایک لفظ پڑھتے اور پھر دستخط کرتے دوران کام خلل اندازی بالکل پسند نہ کرتے تھے۔اگر کسی نے ڈسٹرب کرنے کی کوشش کی تو فوراً سختی سے منع کر دیتے تھے۔

ہمہ وقت میسر تھے

اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتی تنظیمیں یہاں فعال ہیں۔اور اپنے اپنے سالانہ اجتماعات کرتی ہیں۔خدام، انصار اور لجنہ کے صدر صاحبان اپنے اپنے اجتماعوں کے پروگرام منظوری کے لئے

بھجواتے آپ مجھے Mark کرتے کہ دیکھو ٹھیک ہیں، خاکسار اپنا تبصرہ دیتا تو پھر اپنی طرف سے اس تنظیم کے صدر کو خط لکھ دیتے کہ یہ یہ درستگی کر لیں۔کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو بات میں نے لکھی اس کو اسی طرح اگلے شعبہ میں پہنچا دیا ہوتا کہ مربی اور دوسرے افسران کے درمیان کہیں اس سے کشیدگی نہ پیدا ہو جائے۔ اکثر معاملات میں خاکسار کو ساتھ رکھتے اور مشورہ فرماتے۔فون پر بھی مشورہ کر لیتے۔گھر پر فون کرتے تو ہمیشہ یہ ضرور کہتے کہ میں مظفر احمد بول رہا ہوں۔تا کہ اگر کسی اور نے فون اٹھایا ہوتو اسے پتہ چل جائے کہ کس نے فون کیا ہے۔

جماعتی کاموں میں ایک خصوصیت آپ میں یہ دیکھی کہ آپ ہر وقت لوگوں کو میسر تھے۔ جب کوئی چاہتا فون کر لیتا۔ ملنے کے لئے وقت لے کر آ جاتا۔ اپنا قصہ سنا لیتا۔آپ تحمل اور صبر سے سب کی بات سنتے۔سب سے بڑی بات یہ کہ جس سے ناراض ہوتے اس کی شکایت مرکز کو نہ لگاتے تھے۔قضائی معاملات میں بھی کبھی ایسی بات سامنے آ جاتی یا کسی کی شکایت ضرور کرنی ہوتی پھر بھی یہی کوشش کرتے کہ کسی طرح معاملہ حل ہو جائے۔سلجھ جائے اور یہ نوبت ہی نہ آئے کہ شکایت کرنی پڑے۔

ہر کام میں احتیاط

آپ ہر کام میں بہت احتیاط کرتے۔خواہ کسی قسم کا بھی کیوں نہ ہو اپنی بیماری سے متعلق چھوٹی سی بات بھی تحریر میں لا کر اپنے ڈاکٹر کو بتاتے۔ایک دفعہ میاں صاحب کا گلا خراب ہو گیا۔آپ دفتر تشریف لائے اور کسی کو بھیجا کہ شمشاد کو بلا لاؤ۔میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمانے لگے کہ گلا خراب ہے یہ ہومیوپیتھی کی دوائی مجھے بنوا دو۔میں دوائی بنوا کر لے گیا۔آپ نے دوائی دیکھی اور ایک توقف کے بعد کہنے لگے کہ بی بی کو دکھا دو کہ آیا یہی دوائی ہے۔میں دوائی لے کر صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ کے پاس گیا اور پوچھا کہ آیا یہی دوائی ہے۔بی بی نے کہا کہ ہاں۔چنانچہ پھر آپ نے دوائی لی۔احتیاط میں ایک اور نمایاں بات یہ ہے کہ آپ

کسی تحریر کو بغیر پڑھے دستخط نہ کرتے تھے۔مکرم ملک سعید صاحب آپ کے پاس ڈاک لے جاتے اور ڈکٹیشن لیتے اگلے دن وہ تمام خطوط ٹائپ کر کے لے جاتے تا کہ آپ دستخط کر سکیں۔ آپ ہر خط کو پڑھتے، ہر لفظ چیک کرتے، ان کے سپیلنگ چیک کرتے اور تصحیح کرتے۔بعض اوقات تو فرماتے کہ یہ لفظ میں نے نہیں لکھوایا تھا۔اتنی زبردست یادداشت تھی۔ پھر کہیں جا کر دستخط کرتے اور خط روانہ ہوتا تھا۔نکاح کے فارموں پر بھی بڑی احتیاط فرماتے، دستخط اس وقت تک نہ کرتے جب تک میں اسے اچھی طرح چیک نہ کرلوں۔ خاکسار سے اگر کہیں کوتاہی ہو جاتی تو فوراً پکڑ لیتے اور فرماتے کہ یہ معاملہ ابھی واضح نہیں ہے اس کو واضح کرائیں پھر دستخط ہوں گے کئی بار ایسا ہوا کہ شادی کرنے والے کا دوسرا یا تیسرا نکاح ہے۔اس پر تو خوب پکڑ ہوتی فرماتے کہ آیا اس نے لڑکی والوں کو اطلاع دی ہے کہ یہ اس کا دوسرا یا تیسرا نکاح ہے۔ان کو اچھی طرح حالات بتائے ہیں۔بعض اوقات نہیں بلکہ ہمیشہ ایسے معاملات میں مجھ سے متعلقہ فیملی یا وہاں کے امیر صاحب، صدر صاحب کے نام خط لکھوایا کہ لڑکی والوں کو اس بات کی اطلاع کردو کہ وہ پوری طرح چھان بین اور تسلی کرلیں تا کہ کل کو کوئی پیچیدگی کھڑی نہ ہو۔

جماعتی رقوم کے خرچ میں احتیاط

آپ ہر میٹنگ میں اور ہر مجلس میں یہ بات بڑی وضاحت سے فرماتے کہ جماعتی چندہ جات ا کی رقوم امانت ہیں ان کو اپنی ذاتی رقم کی نسبت زیادہ احتیاط سے خرچ کرنا چاہئے اور پھر مثالیں بھی دیتے۔مجلس عاملہ میں نمائندگان کو مشن ہاؤسز اور بیوت الذکر میں پانی، بجلی اور گیس وغیرہ کے خرچ میں بھی کفایت شعاری کی بہت تلقین فرماتے۔آپ جب دفتر تشریف لاتے اور نماز کا وقت ہوجاتا تو وضو کے بعد ہاتھ منہ خشک کرنے کے لئے ٹاول پیپر استعمال کرتے۔بعض اوقات میں بھی ساتھ ہوتا اور 2 ٹاول پیپر آپ کو دیتا جو چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے۔جب کہ عام آدمی تو 4۔3 استعمال کرتا ہے لیکن آپ نے کبھی بھی دو ٹاول پیپر استعمال نہیں کئے صرف ایک سے ہی تھوڑا بہت

خشک کر لیتے اور قمیص کی آستین اتار کر اپنا کوٹ پہن لیتے۔

کارکنان سلسلہ کی عزت وحوصلہ افزائی

آپ جب بھی تقریر کرتے آخر میں کارکنان سلسلہ کے لئے ضرور دعا کی تحریک کرتے آپ کے گھر کوئی کارکن ملنے جاتا تو اس کی عزت وتکریم کے علاوہ تواضع بھی کرتے پاکستان سے آئے ہوئے مجھے ابھی بہت تھوڑا عرصہ ہوا تھا۔ 1988ء کی مجلس شوریٰ نیوجرسی میں ہو رہی تھی۔ اس وقت مکرم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب امیر تھے۔ شام کو پہلے اجلاس میں سب کمیٹیوں کا تقرر ہوا۔ آپ فنانس کمیٹی کے چیئرمین تھے۔ کسی نے میرا نام فنانس سب کمیٹی کے لئے لکھوایا۔ حالانکہ مجھے تو کوئی تجربہ بھی نہ تھا جب فنانس سب کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا تو محترم میاں صاحب صدارت کر رہے تھے اور آپ کے ساتھ سیکرٹری فنانس بیٹھے تھے۔ میں دیگر ممبران کے ساتھ سامنے بیٹھا تھا۔ آپ نے مجھے اسی وقت بلا کر اپنے ساتھ دوسری طرف بٹھا لیا۔ یہ آپ کی عین نوازش اور مہربانی تھی۔

واشنگٹن آنے سے قبل خاکسار ڈیٹن اور ہیوسٹن میں تھا۔ عید کے موقع پر خاکسار آپ کی خدمت میں عید مبارک کا خط لکھتا تو آپ جواب دیتے، نہ صرف یہ کہ اپنے ہاتھ سے خط لکھتے بلکہ اپنے خط میں حوصلہ افزائی بھی کرتے کہ آپ کا کام ٹھیک ہے۔ اور دعا بھی کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ مزید کی توفیق دے۔ آمین۔ نماز جمعہ کے لئے تشریف لاتے تو بڑی خاموشی کے ساتھ آ کر کرسی پر بیٹھ جاتے دوران خطبہ آپ نے کبھی اوپر نگاہ کر کے نہیں دیکھا۔ آپ نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ تم نے یہ کیا خطبہ دیا۔ یا تمہاری انگریزی ٹھیک نہیں تھی۔ یا تم نے آج یہ یہ غلطیاں کی ہیں وغیرہ کبھی بھی آج تک ایک لفظ بھی محترم میاں صاحب نے نہیں کہا اگر کبھی کہا بھی تو صرف یہ کہا آج تمہاری تقریر بہت اچھی تھی یا آج تمہارا خطبہ بہت اچھا تھا۔ تقریر کی پسندیدگی کا اظہار دوستوں کے پاس کرتے۔ الحمدللہ سال 2000ء میں رمضان المبارک کے ابتداء میں نماز عشاء کے وقت خاکسار کا گلا بیٹھ گیا اور آواز نکلنی مشکل ہو گئی اور ہوتے ہوئے آواز بالکل ختم ہو کر رہ گئی اس دن نماز تراویح

بھی نہ پڑھا سکا اور یہ کیفیت 3 ماہ تک جاری رہی۔آپ نے ایک مرتبہ بھی قولاً یا فعلاً یا اشارۃً بھی احساس نہ ہونے دیا بلکہ ہمیشہ یہی فرماتے کہ انشاءاللہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ٹھیک ہوگا علاج جاری رکھیں اور میری خیریت دریافت کرتے رہتے۔

میرے والد صاحب کا بھی آنکھوں کا آپریشن ہوا تو گھر بار بار فون کرتے اور خیریت دریافت کرتے۔ایک دفعہ میری طبیعت خراب تھی۔ میں دفتر نہ گیا۔آپ نے دفتر کسی کام کے لئے فون کیا تو میاں صاحب کو پتہ لگا کہ میری طبیعت خراب ہے۔ اسی وقت گھر فون کیا اور میری خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھے دفتر سے پتہ چلا ہے کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پورا آرام کرو۔طبیعت ٹھیک ہونے پر دفتر جانا۔صرف تمہاری طبیعت پتہ کرنے کے لئے فون کیا ہے۔

شروع شروع کی بات ہے مکرم ظفر احمد صاحب سرور بیت فضل واشنگٹن میں مربی تھے اور آپ کے ساتھ کام کرتے تھے۔انہیں پاکستان چھٹی پر جانا تھا۔محترم امیر صاحب نے ظفر صاحب کی غیر حاضری میں مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے بلالیا۔ان دنوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی صحت بہت اچھی تھی۔ باقاعدگی سے دفتر تشریف لاتے۔ایک دفعہ دفتر آئے کام کیا۔قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد مجھے آواز دی کہ مجھے گھر چھوڑ آؤ۔ میری اس وقت فیملی ساتھ نہ تھی۔ دوپہر کا وقت تھا میں آٹا گوندھ رہا تھا تا کہ کھانا تیار کرسکوں۔ میں نے بتایا کہ کھانا تیار کر رہاں ہوں۔تھوڑی دیر میں چلتے ہیں کہنے لگے کہ ٹھیک ہے۔ابھی 2 منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ پھر آواز دی کہ ابھی چھوڑ آؤ۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔آپ کو گھر لے آیا۔ واپسی کی اجازت چاہی تو فرمانے لگے کہ نہیں اندر آؤ ہمارے آنے سے پہلے کھانا لگ چکا تھا۔ میں نے کھانا کھایا۔آپ نے بھی ساتھ ہی کھانا کھایا دوبارہ واپسی کی اجازت چاہی تو روک لیا۔ اتنے میں بی بی امتہ الجمیل صاحبہ کم وبیش ایک ہفتہ کا کھانا ڈبوں میں بند کر کے لے آئیں اور آپ نے کمال محبت اور شفقت سے فرمایا کہ یہ ساتھ لے

جاؤ۔راستہ میں آپ نے مجھے یہ بالکل نہیں بتایا کہ میں نے گھر کھانے کا انتظام کرا دیا ہے۔

ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقع پر افسر جلسہ سالانہ نے اپنے نائبین کا تقرر کیا۔ایک نائب کے نیچے خاکسار کو بطور ناظم رکھ دیا۔آپ نے فوراً افسر صاحب جلسہ کو توجہ دلائی کہ ان کو تو نائب افسران میں رکھنا چاہئے تھا نہ کہ ان کے ماتحت۔

احباب کی خوشیوں میں شرکت

آپ کی رہائش پوٹامک (Potomac) واشنگٹن کے علاقہ میں تھی۔آپ کے گھر سے بیت الرحمن قریباً 45 منٹ کی Drive پر ہے۔فاصلے بھی بہت زیادہ ہیں۔تاہم دوستوں کی خواہش ہوتی تھی کہ آپ ان کے بچوں کی شادیوں میں شامل ہوں۔ باوجود بیماری کے کوشش کر کے جاتے اور بیگم صاحبہ بھی ساتھ ہوتیں۔تحفہ تحائف بھی دیتے۔ اگر آپ بیماری کی وجہ سے نہ جاسکتے تو پھر مبارک باد کا خط ضرور لکھواتے۔ چند دن ہوئے مجھے ظاہر مصطفی صاحب نے بتایا کہ ہمارے فنانس کے دفتر میں مکرم رشید احمد صابر صاحب کام کرتے ہیں بڑے مخلص کارکن ہیں ان کے بیٹے کی شادی تھی لیکن میاں صاحب بیماری کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے۔لیکن ساتھ ہی بتایا کہ میاں صاحب نے کہا تھا کہ ان کو گھر دعوت پر بلانا ہے کیونکہ میں شادی میں شرکت نہیں کرسکا۔ چنانچہ ان کی دعوت میاں صاحب کی وفات کے بعد برادرم ظاہر احمد صاحب نے کی۔

خاکسار کے بلانے پر بھی کئی مرتبہ مع اہل خانہ دلداری کے لئے تشریف لاتے اور دوستوں کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کرتے۔ایک شادی کا موقع تھا۔میں آپ کے ساتھ بیٹھا تھا۔مجھ سے آپ نے کسی کے بارے میں پوچھا۔ میں نے عرض کی کہ اس بات کا جواب ایک شعر میں دیتا ہوں۔کہنے لگے سنائیں۔میں نے سنایا۔

کچھ ان کو بھی تو پاس ہو ارباب عشق کا یہ کیا کہ ہم ہی آتش غم میں جلا کریں

آپ نے سنا مسکرائے اور بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ بات کی تہہ تک پہنچنے کا خاص ملکہ اللہ

تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہوا تھا۔آپ کی وفات پر چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ کو فون کیا۔ مکرم چوہدری صاحب نے انا للہ کے فوراً بعد کہا کہ آپ کے ساتھ مجھے بھی کام کرنے کا موقع ملا جب حضور ایدہ اللہ نے صد سالہ جوبلی کے لئے کمیٹی بنائی تھی۔آپ اس کے چیئرمین تھے۔آپ بات کی تہہ تک فوراً پہنچ جاتے تھے یہ آپ کا بہت کمال تھا۔

آپ کی وفات پر ہر شخص کو آپ کی تعریف میں رطب اللسان پایا۔آپ کے خادم محمد صدیق جو گھر میں کام کرتے تھے نے آپ کی بہت خدمت کی وہ روتے جاتے اور کہتے جاتے تھے کہ میاں صاحب بہت عظیم شخصیت تھے، بہت صاف دل تھے۔

مکرم نسیم رحمت اللہ صاحب کو ایک بار کسی نے پوچھا کہ آپ اب یہاں واشنگٹن اتنا نہیں آتے۔ جتنا پہلے آتے تھے کہنے لگے کہ اب وہ پیاری ہستی نہیں رہی جو ہم سے پیار کرتی تھی اور ہم سے بے تکلف تھی۔ایک دوست کہنے لگے کہ حضرت میاں صاحب بہت نافع الناس وجود تھے۔ آپ نے لوگوں کو فائدہ ہی پہنچایا ہے تکلیف نہیں پہنچائی۔

ملک مبارک احمد صاحب (فنانس سیکرٹری) نے مجلس عاملہ کی میٹنگ میں فنانس کی رپورٹ پیش کرنے سے قبل کہا کہ میں یہ اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ رپورٹ پیش کرنے سے قبل محترم میاں صاحب کے بارے میں کچھ کہوں۔ مجھے آپ کے ساتھ کام کرنے کا بہت لمبا موقع ملا ہے آپ میں بہت سی صفات وخصوصیات تھیں جن میں سے سرفہرست خلافت کے ساتھ آپ کی محبت اور اطاعت تھی۔ اگر کسی نے خلافت کی اطاعت سیکھنی ہے تو حضرت میاں صاحب سے سیکھے۔ جماعت احمدیہ امریکہ کے کسی معاملہ میں کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے جب تک حضور ایدّہ اللہ سے مشورہ اور اجازت نہ لے لیتے۔مکرم ملک صاحب نے مزید بتایا کہ جماعتی فنڈ خرچ کرنے میں بھی میاں صاحب بہت محتاط تھے آپ ہمیشہ اس بات کی نصیحت کرتے کہ ہمیں جماعت کی رقم اپنی رقم سے بھی زیادہ احتیاط کے ساتھ خرچ کرنی چاہیئے۔لیکن غریب اور نادار لوگوں کی مدد

کرنے کے لئے بھی آپ تیار رہتے تھے۔دو موقعوں پر آپ کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا تھا۔ایک وہ جب سالانہ بجٹ تیار ہوکر آپ کے پاس آتا اور دوسرے جب سال کے اختتام پر بجٹ دیکھتے۔جماعت کی مالی وسعت سے آپ کو ہمیشہ خوشی ہوتی تھی۔

مکرم ملک سعید صاحب جو جماعت میری لینڈ کے سیکرٹری مال ہیں ان کے دو بچوں کی شادی میں محترم میاں صاحب نے شرکت کی جس پر وہ بہت خوش تھے۔شادی کے موقع پر انہوں نے اعلان کیا کہ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارے بچوں کی شادی میں محترم میاں صاحب نے مع بیگم صاحبہ شرکت کی۔ایک دوست مکرم برادر پیر احمد آف میری لینڈ نے محترم امیر صاحب کا ذکر خیر کرتے ہوئے مجھے لکھا کہ محترم امیر صاحب نہایت سادہ اور حلیم شخصیت کے مالک تھے۔جب بھی ان سے بات کرنے کا موقع ملا انہیں جماعتی امور کے بارے میں حیران کن حد تک باخبر پایا۔وہ علم کا ایک سمندر تھے اور اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچانے میں انہیں کمال حاصل تھا۔

ایفروامریکن دوستوں سے پیار اور محبت اور ان کی دلداری اور مالی معاونت میں خاص خیال رکھتے تھے۔آپ ہمیشہ فرماتے کہ ایفروامریکن دوستوں کو جماعتی کاموں میں آگے آنا چاہئے۔ مجلس عاملہ میں بھی ایفروامریکن دوستوں کو خود نامزد کر کے حضور سے ان کی اجازت لیتے تھے تا کہ وہ جماعتی کاموں میں شامل رہ کر تجربہ حاصل کریں۔محبت کے ساتھ عاملہ میں ان کی باتیں اور تجاویز سنتے اور ہر ممکن ان کی حوصلہ افزائی فرماتے برادرم احمد حلیم صاحب جو 30 سال پہلے احمدی ہوئے واشنگٹن میں ہوتے ہیں اور واشنگٹن جماعت کے صدر ہیں نے بتایا کہ محترم امیر صاحب ہمیشہ جماعت کی مالی، روحانی اور خلاقی ترقی کے لئے سوچتے رہتے تھے اور اس کے مطابق پلان بناتے تھے۔آپ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے گھر سے دفتر تشریف لاتے تو کھانا ساتھ لاتے کھانے میں عموماً سینڈوچ ہوتا تھا۔دفتر میں جو بھی ساتھ ہوتا اسے کھانے میں شامل کرتے کیلا بھی پسند تھا وہ بھی کھانے میں ساتھ لے کر آتے۔

میں نے بھی اور بھی کئی دوستوں نے عندالملاقات عرض کی کہ آپ اپنی زندگی کے اہم واقعات تحریر میں لائیں۔ کیونکہ آپ کو قومی، ملکی اور جماعتی سطح پر بہت اہم کام کرنے کے مواقع ملے ہیں۔ بس ہاں کہہ کر چپ ہوجاتے۔ اگر کوئی انٹرویو لینے آ ہی گیا تو اسے کچھ واقعات سنا دیتے تھے۔

ایک دفعہ رمضان المبارک کے آخری دن جب اختتامی دعا ہونی تھی۔ ہم نے پہلے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا درس قرآن لگایا۔ پھر خاکسار نے محترم میاں صاحب سے درخواست کرنی تھی کہ وہ دعا کرادیں۔ خاکسار نے محراب کے پاس کرسی رکھ دی تا کہ آپ اس پر بیٹھ کر دعا کرادیں۔ آپ جس وقت بیت الذکر میں تشریف لائے اس وقت درس قرآن جاری تھا۔ آپ احتراماً نیچے ہی بیٹھ گئے۔ درس کے اختتام پر خاکسار نے عرض کی کہ آگے چلیں اور کرسی پر بیٹھ کر دعا کرادیں کہنے لگے کہ نہیں اور وہیں پیچھے بیٹھے بیٹھے ہی دعا کرادی۔

رمضان المبارک میں یہاں بیت الرحمن میں دوستوں کی تجویز تھی کہ افطاری کا بندوبست ہونا چاہئے۔ مگر نہ مانے۔ آپ کی دلیل یہ تھی کہ رمضان کا مہینہ تو عبادت کا مہینہ ہے۔ اکٹھا کھانا کھانے اور افطاریوں سے سوشل تعلقات کا اندیشہ ہے اور یہ مہینہ سوشل تعلقات کا نہیں بلکہ عبادت کا ہے۔ مجھے بھی معلوم ہوا کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ خاکسار نے عرض کی کہ آپ کی یہ بات درست ہے کہ رمضان سوشل تعلقات کا مہینہ نہیں ہے لیکن دوسری طرف ایک اور بات بھی ہے کہ ہم اگر یہ نہ کریں تو بیت الذکر آباد نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ لوگوں کے گھر اتنی دور ہیں کہ ان کے لئے گھروں میں افطاری کر کے پھر بیت الذکر آنا مشکل ہے۔ درس قرآن کے بعد وہ کیسے گھر چلے جائیں اور پھر واپس آکر نماز مغرب وعشاء اور تراویح میں شامل ہوں۔ چنانچہ محترم امیر صاحب مان گئے اور اس طرح آپ نے بیت الذکر کی آبادی کے لئے یہ تجویز مان لی بیت الذکر آباد ہونے پر بہت خوش ہوتے تھے۔ اظہار بھی کرتے تھے اور پوچھتے بھی تھے کہ کتنے نمازی بیت الذکر میں نماز پڑھنے آجاتے ہیں اور کیا کیا کوشش ہو رہی ہے۔

بیت الرحمن میں اعتکاف

بیت الرحمن خدا تعالیٰ کے فضل سے اللہ کی عظیم الشان نعمتوں میں سے ایک ہے رمضان المبارک میں جہاں افطاری کا ذکر کر چکا ہوں وہاں اعتکاف کے بارے میں بھی بتا تا چلوں۔ خاکسار کوخیال آیا کہ بیت الذکر میں اعتکاف بھی ہونا چاہیئے۔غالباً 1997ء کا سال تھا۔میں نے محترم میاں صاحب سے اعتکاف کی اجازت چاہی۔آپ نے ازارہ شفقت اجازت دے دی۔ اس سال میں نے اکیلے ہی اعتکاف کیا۔اگلے سال میں نے جماعت کے چندلوگوں کوانفرادی طور پرتحریک کی۔ 4 / 5 دوست اعتکاف کے لئے تیار ہو گئے۔ بہت خوش ہوئے۔اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر سال 18 / 20 کے درمیان مردوخواتین بیت الرحمن میں اعتکاف کرتے ہیں۔الحمد للہ۔ بلکہ نوجوان، بچے اور بچیاں بھی جن کوسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے کے لئے جانا ہوتا ہے وہ بھی شوق کے ساتھ اعتکاف کرتے ہیں۔اس طرح نئی نسل کے اندر مذہب سے دلچسپی کا دیکھ کر آپ کو بہت خوشی ہوتی۔نئی نسل کی بات ہوئی ہےتو آپ ہمیشہ مجھے بلا کرنصیحت کرتے کہ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا خاص خیال ہونا چاہیئے۔

میں ہیوسٹن (Houston) میں تھا۔خدام واطفال کواجتماع کے لئے ساتھ لے کر آیا۔میاں صاحب بیماری کی وجہ سے شامل نہ ہوسکے۔میں نے بذریعہ فون اجازت چاہی کہ ہم 1500 میل دور سے آئے ہیں۔خدام واطفال ساتھ ہیں۔ان کی خواہش ہے کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ گھر آجائیں۔ میں سب کو لے کر آپ کے گھر چلا گیا قریباً ہم 15 لوگ تھے۔سب کے لئے مہمان نوازی کی ہوئی تھی۔ڈائننگ ٹیبل پر ہم سب کو بٹھالیا۔بڑے بے تکلف ماحول میں باتیں کیں۔ ہر ایک کا حال پوچھا۔خاندانی تعارف پوچھا اور پھر اجازت لے کر ہم واپس آئے۔سب بچے خوش تھے کہ ہمیں میاں صاحب سے ملاقات کا موقع ملا۔

جو دوست آپ کوفون کرتے کہ ہم نے ملنا ہے۔آپ انہیں وقت دیتے اور گھر بلا لیتے۔ پھر

وقت سے پہلے تیار ہو کر بیٹھ جاتے اور انتظار کرتے۔اگر کبھی اپنی بیماری کی وجہ سے پروگرام کینسل کرنا پڑتا تو وقت سے بہت پہلے دفتر فون کر کے کہتے کہ مجھے فلاں نے ملنے آنا تھا۔میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے معذرت کر دیں اور پھر دوبارہ آ جائیں اور پھر دوبارہ فون کر کے پوچھتے کہ ان صاحب کو اطلاع کر دی گئی تھی یا نہیں۔جلسے اور اجتماعات وغیرہ وقت پر شروع کراتے لیکن اگر کسی نے کوئی جائز بات بتا دی جس کی وجہ سے لوگ وقت پر نہیں پہنچ پا رہے تو فرماتے کہ چلو 10 / 15 منٹ اور انتظار کر لیں۔عیدین کے موقع پر اکثر ایسا کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے۔آپ کے فیض کو جاری رکھے اور ان کی تمناؤں اور امریکہ کے بارہ میں خواہشات کو پورا کرنے کی توفیق دے۔آمین

عہد ساز اور خدمات سے معمور شخصیت

(پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب)

راجہ نصر اللہ خان صاحب

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل واحسان سے حضرت صاحبزادہ صاحب کو دین و دنیا کی نعمتوں، رفعتوں اور برکتوں سے نوازا تھا۔

آپ کی خاندانی سعادت اور خوش قسمتی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ آپ حضرت مسیح موعود کے خوش بخت پوتے اور حضرت مصلح موعود کے سعادتمند داماد اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے لائق فرزند ارجمند تھے۔آپ کی شادی حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی نواسی اور حضرت مصلح موعود کی صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ سے ہوئی۔اس طرح بفضل اللہ تعالیٰ حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے بھی آپ کا جسمانی رشتہ قائم ہو گیا۔

سلامتی وظفر کی علامت

آپ کی سعادت وسرفرازی کا ایک پرکیف پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ

اللہ تعالیٰ نے کئی کشوف ورویا میں آپ کا وجود دیکھا اور حضور نے آپ کے نام کے عمدہ معنوں (کامیاب وکامران) کی وجہ سے جماعت کو ظفر ونصر اور سلامتی وترقی کی الٰہی نوید سنائی۔ایک موقع پر حضور نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 6نومبر 1984ء میں فرمایا:

''جن دنوں پاکستان کے حالات کی وجہ سے بعض راتیں شدید کرب میں گزریں تو صبح کے وقت اللہ تعالیٰ نے بڑی شوکت کے ساتھ الہاماً فرمایا ''السلام علیکم'' اور یہ آواز بڑی پیاری، روشن اور کھلی آواز تھی جو مرزا مظفر صاحب کی معلوم ہو رہی تھی یعنی یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے میرے کمرے کی طرف آتے ہوئے باہر سے ہی السلام علیکم کہنا شروع کر دیا ہے اور داخل ہونے سے پہلے ہی السلام علیکم کہتے ہوئے کمرے میں آ رہے ہیں'' اس رویا کی تعبیر کے بارہ میں حضور نے فرمایا: ''اور مجھے پتہ چلا کہ یہ تو خدا تعالیٰ نے بشارت دی ہے اور اس میں نہ صرف یہ کہ السلام علیکم کا وعدہ دیا گیا ہے بلکہ ظفر کا وعدہ بھی ساتھ عطا فرما دیا ہے کیونکہ مظفر کی آواز میں السلام علیکم پہنچانا یہ ایک بہت بڑی اور دوہری خوشخبری ہے'' (روزنامہ الفضل 26 جولائی 2002ء)

قابل رشک ترقیات

خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے آپ دنیاوی لحاظ سے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد آپ نے برطانیہ کی شہرہ آفاق یونیورسٹی (Oxford) آکسفورڈ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔وہیں آپ نے آئی،سی،ایس (انڈین سول سروس) کا امتحان بھی پاس کرلیا اور اس طرح ملازمت کا آغاز قابل رشک اور قابل فخر منصب سے کیا۔پاکستان کے سیکرٹری خزانہ اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری بن گئے ملک امیر محمد خان، جناب ایم ایم احمد کو اس وقت سے جانتے تھے جب پاکستان کے شروع کے سالوں میں آپ میانوالی کے ڈپٹی کمشنر تھے۔وہ اس زمانہ سے آپ کی شخصیت اور اصول پرستی سے بہت متاثر تھے۔پھر وہ آپ کی صلاحیتوں اور پروقار وبا اصول شخصیت کے اور بھی مداح اور قدردان ہو گئے۔

صدر ایوب خان کی قدر دانی

صدر ایوب خان باصلاحیت، قابل اور اپنے میدان میں ماہر لوگوں کی قدر دانی کرتے تھے۔ اسی لئے 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بلا امتیاز عقیدہ فوجی افسران کو ان کی دلیری اور کارکردگی کی مناسبت سے تمغے اور نشان عطا کئے گئے۔ اسی طرح ایوب خان نے پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام اور جناب ایم ایم احمد کی بھی خوب قدر دانی کی اور ان حضرات نے بھی پاکستان کی عظیم اور بے مثال خدمات انجام دینے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ 60ء کی دھائی کے ابتدائی سالوں میں صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو صوبائی سطح سے ترقی دے کر مرکزی سیکرٹری تجارت اور پھر سیکرٹری وزارت خزانہ مقرر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ اپنے فرائض منصبی میں اس قدر کامیاب اور مثالی شخصیت ثابت ہوئے کہ صدر ایوب خان جو خود منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین تھے، انہوں نے صاحبزادہ صاحب کو ڈپٹی چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن بنا دیا۔ اس طرح آپ نے ساٹھ کے عشرے میں پاکستان کو تجارتی اور معاشی میدان اور پنج سالہ منصوبوں کے لحاظ سے ترقی کی ایسی شاندار اور مستحکم راہوں پر گامزن کر دیا کہ اگر وہ اقدامات اور رفتار ان کے 1972ء میں ورلڈ بینک سے منسلک ہو جانے کے بعد بھی قائم رکھی جاتی تو یقینا آج پاکستان ترقی کی دوڑ میں تیسری دنیا کے عظیم ترین ممالک میں شمار ہوتا۔

معاشی ترقی کا دور

ساٹھ کی دہائی میں جب جناب ایم ایم احمد صاحب ترقی کی مختلف منازل میں صدر ایوب خان کے دور حکومت میں وطن عزیز کی معاشی و تجارتی ترقی اور منصوبہ بندی کے پروگرام سے متعلق مرکزی کلیدی اور وقیع منصب پر فائز تھے ان دنوں پاکستان کس مقام پر سرفراز و سربلند تھا اس بارے میں سرتاج عزیز سابق وزیر خزانہ اپنے انٹرویو مطبوعہ نوائے وقت سنڈے میگزین'' مورخہ 2 جون 2002ء میں اظہار کرتے ہیں۔ سرتاج عزیز صاحب ساٹھ کی دہائی کے تقریباً آخر سے

لے کر 1971ء تک جناب ایم ایم احمد صاحب کے ماتحت کام کرتے رہے ہیں۔اسی طرح سابق وزیر خزانہ محبوب الحق مرحوم بھی اس زمانہ میں ایم ایم احمد صاحب کے ماتحت منصوبہ بندی کمیشن میں چیف اکانومسٹ کے عہدے پر فائز تھے۔''سرکاری عہدے پر میرا سب سے زیادہ وقت یعنی 1961ء تا 1971ء تک پلاننگ کمیشن میں گزرا۔ایوب خان چیئرمین تھے۔''1960ء کا عشرہ ہماری قومی پیداوار کے اعتبار سے بہترین وقت ہے جب سالانہ پیداوار میں ساڑھے چھ سے سات فیصد تک اضافہ ہوتا تھا۔اس وقت پاکستان کی صنعتی پیداواری ترقی بلندترین سطح پر تھی یعنی 12 فیصد، ہماری سرمایہ کاری میں 14 فیصد کا اضافہ ہوا اور افراط زر کی صرف دو فیصد کی شرح تھی۔ 1965ء کی جنگ کے باوجود ہماری کارکردگی قابل تحسین تھی''۔(نوائے وقت سنڈے میگزین مورخہ 2 جون 2002ء)(ب) پاکستان کے ایک اور ماہر معاشیات جناب ایم آفتاب جو''معیشی افق'' کے زیرعنوان ماضی قریب تک 'نوائے وقت' میں باقاعدگی سے ٹھوس معاشی مضامین لکھتے رہے ہیں اپنے مضمون مطبوعہ 'نوائے وقت' 10/اگست 1997ء میں تحریر کرتے ہیں:

''1960ء کے عشرے میں جنوبی کوریا کے افسران اور قومی منصوبہ بندی کے کام سے منسلک افراد پاکستان کے منصوبہ بندی کمیشن اور دیگر اداروں میں تربیت حاصل کرنے آتے تھے، میں جب کوریا گیا اور کئی حکومتی اور صنعتی ادارے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ اتنے اچھے کاموں، پیداوار اور پیداواریت کی ابتداء انہوں نے کیسے کی۔جواب تھا''ہم نے پاکستان میں یہ کام سیکھا'' کیا ملائشیا اور کوریا کی ان دو مثالوں سے آپ کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ہم ترقی معکوس کر رہے ہیں، زمانہ اور خود ہمارے سابقہ شاگرد آگے بڑھ رہے ہیں اور ہم پیچھے کی طرف جا کر روبہ زوال ہیں۔یہ بہت عبرت کا مقام ہے''۔(روزنامہ 'نوائے وقت' مورخہ 10/اگست 97ء)

بطور اقتصادی مشیر گرانقدر خدمات

اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو ترقی پہ ترقی عطا فرمائی۔صدر یحییٰ خان کے زمانہ

میں آپ صدر کے اقتصادی مشیر مقرر ہوئے۔آپ کا منصب وفاقی وزیر کے برابر تھا۔اس حیثیت میں آپ کوملکی مفادات میں کئی اہم فیصلے اور اقدامات کرنے کا موقع ملا۔ بدقسمتی سے پاکستان کا وہ دور مشرقی پاکستان کے حوالے سے سیاسی، معاشی اور داخلی وخارجی دباؤ کے لحاظ سے ایک پرآشوب دور بن گیا۔ملک میں بغاوت اور خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوگئی تھی۔مشرقی پاکستان میں لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت کا بازار گرم تھا۔وہاں بینکوں سے ساٹھ کروڑ سے زائد کی رقوم لوٹ لی گئی تھیں۔ایسے حالات میں زائد فوج کی تعیناتی اوران کے اخراجات کا الگ بوجھ تھا۔ان دگرگوں حالات میں جناب ایم ایم احمد نے دوز بردست کام انجام دیئے۔

بڑے کرنسی نوٹوں کی منسوخی

جب مشرقی پاکستان کے بینکوں سے فسادیوں اورملک دشمن عناصر نے کروڑوں روپے لوٹ لئے تو صدر کے اقتصادی مشیر جناب ایم ایم احمد نے مالیات کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے دوسرے زعماء کے ساتھ مل کر ایسی منصوبہ بندی کی کہ دشمنان وطن کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس بارے میں روزنامہ ’’پاکستان ٹائمز‘‘ انگریزی نے اپنی 9 جون 1971ء کی اشاعت میں کرنسی کی تنسیخ کے زیرعنوان اداریے میں لکھا: ’’گزشتہ ماہ صدر مملکت کے اس انکشاف کے بعد کہ تقریباً ساٹھ کروڑ روپے یا اس سے بھی زائد مشرقی پاکستان کے بینکوں سے لوٹ لئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ بڑے کرنسی نوٹوں کو منسوخ کر دیا جائے چنانچہ اس بات کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام معیشت کی خاطر لازم تھا‘‘۔

☆ روزنامہ ’’نوائے وقت‘‘ نے ایک اداریہ بعنوان ’’منسوخ نوٹ اور کالا روپیہ‘‘ تحریر کیا ’’پانچ سو اور ایک سو روپے کی مالیت کے نوٹوں کی تنسیخ کا بنیادی مقصد ملک وقوم کو مشرقی پاکستان کے بینکوں سے لوٹی ہوئی اس کرنسی کے منفی اثرات سے محفوظ کرنا تھا جو نام نہاد بنگلہ دیش کے پجاریوں نے مغربی بنگال پہنچادی تھی۔اور جو مغربی پاکستان سمگل ہونے لگی تھی۔ یہ مقصد کرنسی

نوٹوں کی تنسیخ کے اعلان کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا تھا۔ اس اقدام کا ملکی معیشت پر بھی خوشگوار اثر پڑا......اس اقدام سے افراط زر کو روکنے میں مدد ملی ہے اور ہم ایک بار پھر کرنسی کی قیمت کم کرنے کے جاں گسل مرحلہ سے بچ گئے ہیں''۔(''نوائے وقت'' مورخہ 18 جون 1971ء)

1971۔72ء کا شاندار بجٹ

متذکرہ بالا دگرگوں حالات کے دوران سال 1971۔72ء کے بجٹ کا مرحلہ بھی درپیش تھا۔ عوام وخواص ان تمام حالات سے باخبر، نئے بجٹ میں متوقع نئے ٹیکسوں کے بوجھ کے خوف سے دوچار تھے لیکن جناب ایم ایم احمد ان نامساعد اور کٹھن ترین حالات کے باوجود اپنی خداداد صلاحیتوں اور دن رات کی محنت ولگن سے ایک ایسا مثالی بجٹ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جسے بجا طور پر تاریخ پاکستان کا شاہکار بجٹ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس دور کے سب اخبارات اور اہم شخصیات نے عوام کو ٹیکسوں سے چھوٹ حاصل ہونے کی وجہ سے اس بجٹ کو بے حد سراہا اور اہم شخصیات نے جناب ایم ایم احمد کی محنت، مہارت اور خدمت کی بے حد تعریف کی۔ اس بارے میں چند حوالے پیش ہیں: ☆''پاکستان ٹائمز'' (لاہور) مورخہ 27 جون 1971ء کی شہ سرخی تھی ''خوداعتمادی اور کفایت شعاری کا بجٹ'' 'پاکستان ٹائمز' کی اسی اشاعت کی دوسری خبر کی سرخی تھی ''بجٹ تجاویز کے حقیقت پسندانہ ہونے کا خیر مقدم کیا گیا''۔ تفصیل میں درج تھا:

''ہفتے کے روز جو بجٹ پیش کیا گیا اس کا لاہور شہر میں بڑے اطمینان کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔ کیونکہ نئے ٹیکسوں کے متعلق جو تجاویز رکھی گئی ہیں ان کا عام آدمی پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا''۔ ☆روزنامہ ''مشرق'' 28 جون 1971ء کا اداریہ زیر عنوان ''حقیقت پسندانہ بجٹ'': ''صدر کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد کے مرکزی بجٹ کو مجموعی طور پر متوازن، حقیقت پسندانہ اور ایک خود دار قوم کے شایان شان قرار دیا جا سکتا ہے''۔ آگے چل کر لکھا ہے: ''عام آدمی پر ٹیکسوں کا بار بہت کم ڈالا گیا ہے اور ترقیاتی حکمت عملی میں مختلف علاقوں کے عوام کی خواہشات کا سنجیدگی سے جائزہ

لیا گیا ہے تا کہ معاشرتی انصاف کے پروگرام کا آغاز ہو سکے'' ☆ روزنامہ ''نوائے وقت'' نے اپنی 27 جون 1971ء کی اشاعت میں ''حقیقت پسندانہ بجٹ'' کے عنوان سے اداریے میں لکھا:

''اس سال مشرق پاکستان میں بغاوت وشورش کے باعث ملک وملت جس اقتصادی زبوں حالی سے دوچار ہو گئے تھے اس کے پیش نظر نئے ٹیکسوں کا نفاذ یا مروجہ ٹیکسوں میں اضافہ کا امکان کچھ ناگزیر سا نظر آنے لگا تھا اور کم وبیش ہر شعبہ زندگی کے لوگ اپنے ذہنوں کو ممکنہ ٹیکسوں کا مزید بوجھ قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن یہ بڑے اطمینان کی بات ہے کہ نیا بجٹ تیار کرنے والوں نے خاص حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے اور صرف ایسے لوگوں پر ٹیکس عائد کئے ہیں جو واقعی ٹیکس ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ نئے میزانیہ کا یہ پہلو بھی بڑا خوشگوار ہے کہ اس میں ہوشربا گرانی کی چکی میں پسنے والے عوام کو کچھ سہولتیں دینے کی غرض سے اقدامات کئے گئے ہیں''۔☆ ''نوائے وقت'' مورخہ 29 جون 1971ء میں شائع ہونے والی اپنی ڈائری میں ملک کے کہنہ مشق صحافی جناب م،ش لکھتے ہیں: ''صدر کے اقتصادی مشیر جناب ایم ایم احمد نے راولپنڈی میں اپنی بجٹ تقریر کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کیا لیکن پاکستان کے اخبارات اس کا ذکر گول کر گئے۔ نیز بی بی سی نے جناب ایم ایم احمد کی تقریر کے صرف اس حصے کو نشر کیا جس میں پاکستان کی مالی مشکلات اور سیاسی پیچیدگیوں کا ذکر تھا لیکن یہ بتانے کی زحمت گوارا نہ کی کہ ان مالی مشکلات کے باوجود بجٹ میں عوام کی ضروریات زندگی پر مزید ٹیکسوں کا بار نہیں ڈالا گیا او رمشروط غیر ملکی امداد پر غور کرنے سے صاف انکار کر دیا گیا'' آگے چل کر م ش لکھتے ہیں: ''میرے خیال میں جناب ایم ایم احمد پہلے فنانشل ایکسپرٹ ہیں جنہوں نے اپنی بجٹ تقریر میں پاکستان کے ایک نظریاتی مملکت ہونے کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ پاکستان کے قیام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کو دخل حاصل تھا۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے ساتھ اس جذبہ کو از سرنو فروغ دیں جو قیام پاکستان کا باعث ہوا تھا''

’’جناب ایم ایم احمد نے ایک غیرت مند محب الوطن پاکستانی کی حیثیت سے اس چیلنج کو بھی قبول کرنے کے عزم کا اظہار کیا ہے جو بیرونی ملکوں کی طرف سے مشروط مالی امداد کی شکل میں پاکستان کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے............ایم ایم احمد کا یہ اعلان پاکستان کے دشمنوں کے ناپاک منصوبوں پر بم بن کر گرے گا‘‘ ☆29 جون 1971ء کے ’نوائے وقت‘ کے آخری صفحہ پر حکیم محمد سعید (چیئر مین ہمدرد فاؤنڈیشن) کا ایک بیان شائع ہوا جس کا عنوان تھا’’نیا بجٹ فی الواقعہ حقیقت پسندانہ ہے‘‘۔☆’’نوائے وقت‘‘ مورخہ 30 جون 1971ء کے پہلے صفحہ پر زیر عنوان’’حکومت کے فیصلوں کا خیر مقدم‘‘ درج ہے۔’’صاحبزادہ فیض الحسن صدر جمعیت علماء پاکستان نے نئے بجٹ کا پر جوش خیر مقدم کیا اور کہا کہ حکومت نے مشروط سیاسی امداد مسترد کر کے ایک خوددار اور غیرت مند قوم کی ترجمانی کی ہے۔اب قوم پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ کفایت اور بچت کی مہم چلا کر خود کفیل ہونے کی کوشش کرے‘‘۔☆’’ڈان‘‘(مورخہ 28 جون 1971ء) میں بجٹ کے متعلق مختلف شخصیات کا اظہار خیال اسلام آباد یونیورسٹی کے شعبہ اقتصادیات کے سینئر ریسرچ فیلو ڈاکٹر ایس، اے، ونیس نے کہا ہے کہ:’’بجٹ کا اعلان ہو جانے کے بعد ماضی کے برعکس عام استعمال کی قیمتوں میں بڑھوتری کا کوئی خدشہ نہیں‘‘۔

راولپنڈی کے ایوان صنعت وتجارت کے صدر شیخ خورشید احمد نے کہا ہے:’’یہ ایک حقیقت پسندانہ بجٹ ہے۔جس کا مطمح نظر ایک عادلانہ سوسائٹی ہے۔اس کا مجموعی طور پر یہ اثر نکلے گا کہ قیمتوں میں اضافہ نہیں ہوگا۔جیسا کہ ڈر تھا سوائے چند ایک اشیاء کے جیسا کہ تمباکو اور سوتی مصنوعات‘‘۔لاہور میں گورنمنٹ پاکستان کے سابق اقتصادی مشیر ڈاکٹر انور اقبال قریشی نے کہا: یہ بجٹ زبردست تعمیری غور وفکر کا نتیجہ ہے۔ یہ رسمی قسم کا بجٹ نہیں............انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ سب حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو مسٹر ایم ایم احمد نے عمدہ کام کیا ہے۔ بجٹ کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ مختلف پالیسیوں کو صحیح طور پر بروئے کار لایا جائے‘‘

(ترجمہ ''ڈان'' (انگریزی) مورخہ 28 جون 1971ء)

ورلڈ بینک سے وابستگی

1972ء میں حضرت صاحبزادہ صاحب بھٹو دور میں ورلڈ بینک کے ساتھ بحیثیت ایگزیکٹو ڈائریکٹر وابستہ ہوکر امریکہ چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ IMF انٹرنیشنل مالیاتی فنڈ سے منسلک ہو گئے اور 1984ء میں ریٹائر ہوکر امریکہ میں ہی رہائش پذیر ہو گئے۔ 1989ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جماعت احمدیہ امریکہ کا امیر مقرر فرمایا۔ آپ تادم آخر اس منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

عظیم لوگوں کے عظیم دل

انگریزی زبان میں ایک خوبصورت محاورہ ہے Handsome is that Handsome Does. یعنی درحقیقت عظیم اور حسین تو وہ شخص ہے جس کے کام عظیم اور حسین ہوتے ہیں۔ خاکسار کو محترم میاں صاحب سے ملاقات کرنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ فقط راولپنڈی کی بیت النور میں ایک عرصہ تک جمعہ کے روز ان کی ایک جھلک نظر آجاتی تھی۔ اور ستمبر 1999ء کا ایک دن میرے لئے اس وقت دلی خوشی اور حیرت لے کر آیا جب مجھے ڈاک سے محترم میاں صاحب کا انگریزی میں ٹائپ شدہ گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے لکھا:

''میں یہ خط رونامہ ''الفضل'' ربوہ اور 'ہفت روزہ لاہور' میں بڑی تعداد میں شائع ہونے والے آپ کے مضامین کی قدر دانی کے اظہار کے طور پر تحریر کر رہا ہوں۔ اس سلسلہ میں مجھے الفضل کی 12 مئی 1999ء کی اشاعت میں آپ کا حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کے متعلق مضمون یاد آ رہا ہے۔ یہ بھی میرے علم میں ہے کہ ان کے متعلق آپ کا ایک اور مضمون الفضل کی ایک حالیہ اشاعت مورخہ 13/اگست 1999ء میں شامل ہے۔

یہ جماعت کی بہت بڑی خدمت ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ مضمون نگاری کی اس صلاحیت

کو جماعت کی خدمت میں لگائے رکھیں گے۔ آپ کا مخلص ایم ایم احمد“

ان کی طرف سے پذیرائی اور حوصلہ افزائی کا جہاں عجب لطف محسوس ہوتا ہے وہاں اس بات پر خوشگوار حیرت بھی ہوئی کہ حضرت میاں صاحب کس توجہ اور شوق سے روزنامہ ”الفضل“ اور ”لاہور“ وغیرہ کا مطالعہ فرماتے تھے نیز یہ کہ مجھ جیسا عاجز شخص بھی جب جماعت کی کوئی حقیر سی خدمت انجام دیتا ہے تو آپ کی جانب سے کس قدر وسعت قلب سے اس کے لئے پذیرائی اور پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔خاکسار نے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں اپنی کتاب ”تعمیر وترقی پاکستان اور جماعت احمدیہ“ بطور تحفہ پیش کی اور بارہ عدد کا پیاں روانہ کیں اس تحفہ کے جواب میں حضرت میاں صاحب نے جو گرامی نامہ تحریر فرمایا اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:”میں یہ مکتوب اس خط کے شکریے میں لکھ رہا ہوں جس کے ساتھ آپ نے مجھے اپنی کتاب (تعمیر وترقی پاکستان اور جماعت احمدیہ) کی بارہ عدد کا پیاں بھجوائی ہیں۔میرے نزدیک یہ کتاب بہت مفید ہے۔خاص طور پر غیر از جماعت لوگوں اور ہماری جماعت کے معترضین کے لئے! میں لازماً اس کتاب کو لوگوں میں مفت تقسیم کرنے کے کام لاؤں گا۔ہمیں مفت تقسیم کرنے نیز فروخت کرنے کی غرض سے اس کتاب کی سو کاپیوں کا آرڈر دینا ہے۔مہربانی کر کے اس کی لاگت اور امریکہ تک ترسیل کے اخراجات کے بارہ میں مطلع کریں۔دعاؤں میں یادرکھیں۔آپ کا مخلص۔ایم۔ایم۔احمد“

تاریخی انٹرویو اور جذبہ حب الوطنی

کہنہ مشق صحافی و ادیب زاہد ملک صاحب نے 1996ء کے قریباً آخر میں جناب ایم ایم احمد سے ایک تفصیلی انٹرویو لیا جسے انہوں نے ہفت روزہ ”حرمت“ کی اشاعت برائے 27 دسمبر 1996 تا 2 جنوری 1997ء میں شائع کیا۔اس میں محترم میاں صاحب نے زاہد ملک کے مختلف النوع سوالوں کے بڑے موثر اور سیر حاصل جوابات بیان فرمائے حب الوطنی کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں:”جہاں تک ہماری جماعت کا تعلق ہے یہ اپنی خوشی سے باہر نہیں

آئی۔اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ہمیں جب بھی کوئی موقع ملتا ہے ہم پاکستان کے لئے ضرور کام کرتے ہیں اور جو کچھ ممکن ہوتا ہے وہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں .... ہماری تعلیم ہماری رگوں میں اور ہمارے خون میں سرایت کر چکی ہے وہ یہ کہ ملک کے ساتھ ہر صورت میں وفاداری کو نبھانا ہے''

آگے چل کر فرماتے ہیں: ''پریسلر ترمیم کے خلاف جو براؤن ترمیم کے لئے کوشش ہوئی تھی تو اس وقت مجھے بھی ایمبیسی نے کہا کہ میں بھی اس سلسلے میں کوشش کروں۔تو میں نے اس وقت بڑی بھرپور کوشش کی تھی یہاں تک کہ پاکستانی کمیونٹی اور تمام متعلقہ حلقوں میں خاصی دھاک بیٹھی اور حیرت سے لوگوں نے کہا ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ ملک کے خلاف ہیں لیکن انہوں نے تو ملک کے لئے بڑا کام کیا ہے اور جان کی بازی لگا کے جدوجہد کی ہے''

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''مجھے یاد ہے ایک دفعہ فیلڈ مارشل ایوب خان مجھے کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص چیخ چیخ کر سو دفعہ کہے کہ یہ جو احمدی ہیں یہ ملک کے خلاف ہیں تو میں اس پر ایک سیکنڈ کے لئے بھی یقین نہ کروں گا۔ کہنے لگے کہ 1965ء کی جنگ کے دوران میں نے ایک بہت ہی خطرناک مشن پر بھیجنے کے لئے دس آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ جس مشن پر آپ کو بھیجا جا رہا ہے وہ اتنا خطرناک ہے کہ اس میں زندہ بچ کر واپس آنے کا امکان صرف دس فیصد ہے جب کہ 90 فیصد امکان یہی ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے تو پہلا آدمی جس نے اثبات میں فوراً ہاتھ اٹھایا وہ احمدی تھا۔سوال: کون صاحب تھے وہ؟ جواب: منیب نام تھا اس شخص کا۔وہ پائلٹ تھا۔تو کہنے لگے کہ ایسی صورت حال میں، میں کیسے یقین کرلوں کہ احمدی ملک کے دشمن ہیں''۔

آپ نے حب الوطنی کے جذبہ پر انٹرویو کے دوران فرمایا:

''ہماری مخالفت گورنمنٹ کی پالیسی سے ہے لیکن ہماری مخالفت کا کوئی بھی اور ذرا سا بھی حصہ پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔ہم ملک کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنا کسی بھی محب وطن کو ہونا

چاہئے۔ہم ملک کے مفاد کے لئے ہمیشہ سے کام کرتے آئے ہیں اور جہاں بھی ضرورت پڑے گی ہم کام کریں گے‘‘۔(ہفت روزہ ’حرمت‘ 27دسمبر 1996ء)

حضرت صاحبزادہ صاحب مظفر و منصور زندگی گزار کر 89 برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو گئے۔ احمدیت کے ایک اور منفرد بطل جلیل حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان اور حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں ساتھ ساتھ آسودہ خواب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں عالی نصب بزرگوں کے درجات ہر آن بلند فرماتا رہے۔

جناب ثاقب صاحب نے کیا خوب کہا ہے:

نشیب پر نہیں اپنی بلندیوں کی اساس۔۔۔ازل کے دن ہی سے گردوں وقار ہیں ہم لوگ

(الفضل 9اکتوبر 2002ء)

علم و عمل کے بلند مینار

علم و فضل کا کوئی تعین نہ کوئی حد

بونوں کے درمیان وہ مرد دراز قد

(مکرم عبدالسمیع نون صاحب)

ہر تخلیق کا انجام فنا ہے۔ اس لئے کسی فرد کے اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو جانے کا آخری سفر کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ بلکہ ایک قدرتی عمل ہے جو اسی طرح ازل سے جاری ہوا۔ اور ابدالآباد تک چلتا رہے گا۔ لیکن ہر فرد اپنے حسن اخلاق ملکی اور ملی اور دینی خدمات کی وجہ سے زندہ رہتا ہے اور اسے ہی بقائے دوام کہتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ دور اخلاقی لحاظ سے بانجھ پن کا دور ہے اور ہمارا معاشرہ اخلاقی لحاظ سے قحط الرجال کا شکار ہے۔ ایسے میں اگر کوئی شخص اپنے حسن عمل کے اور اعلیٰ اخلاق کے جاوداں نقوش چھوڑ جاتا ہے تو اسے ابدی حیات حاصل ہو جاتی ہے میر آج کا

ممدوح۔صاحبزادہ حضرت مرزا مظفر احمد بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو دنیا چھوڑ جانے کے بعد بھی زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔کتنی حق بات آپ کے تایا حضور نے کہی تھی کہ ۔

تو چاہے تو وہی غیر فانی بن جائے وہ زندگی جسے سب حباب کہتے ہیں

فروری 1913ء میں آپ کی پیدائش ہوئی۔حضرت مسیح موعود کے بیٹوں کے تینوں بڑے صاحبزادگان کی اعلیٰ دینی ماحول میں تربیت ہوئی اور ان نوخیز پودوں نے خوش نما پھول کھلائے کہ ایک دنیا کو اپنی خوشبوؤں سے معطر کر دیا۔یہ تینوں بھائی اکٹھے پلے اور جوان ہوئے اور ان میں یکرنگی اور وحدت واخوت کے ایسے گہرے تعلقات خود ہم نے دیکھے۔کہ گویا ایک مقدس مثلث کے تین زاویے تھے۔تعلیم وتربیت پانے کے بعد ہر ایک نے اپنے اپنے رنگ میں خدمت دین اور ملکی وملی خدمات کے وہ جاوداں نقوش آہنی حیات مستعار کے دوران ثبت کئے اور نور اور روشنی کے ایسے ایسے مینار تعمیر کئے۔جو رہتی دنیا تک راہ نمائی اور دستگیری کا کام دیتے رہیں گے قوس قزح اپنے خوش نما رنگوں کی آمیزش کی وجہ سے خوبصورت اور معصوم مشہور ہے۔اور دلوں کو بہت بھاتی ہے۔اسی طرح چاندنی کی ٹھنڈک اور شبنم کی پاکیزگی ملائمت اور خنکی بھی بہت دلپذیر مشہور ہے۔مگر ان تینوں بھائیوں کے اخلاق اور ان کی دلنوازیوں اور دلربائیوں کے ساتھ ان قدرتی مناظر کا بھی کوئی مقابلہ نہیں۔جو کیفیت اور معنویت اور رنگ ونور ان بھائیوں نے اپنی اپنی زندگیوں میں پیدا کیا اس کا جواب نہیں۔آج جس بھائی کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔یہ نامور سکالر، انتھک کارکن، دیانت وامانت کے درخشاں مینار ملک وملت کی بے انتہا اور بے لوث خدمت کرنے والے دین حق کی خدمت کے لئے ہر آن کمر بستہ ایک وفا شعار اور پختہ دوست تھے غرض قلم میں طاقت نہیں جو اس کے اوصاف گنوا سکے۔نام نامی تھا۔حضرت مرزا مظفر احمد صاحب (ایم ایم احمد صاحب) یہ مخفف نام ایم ایم احمد بھی خوب مشہور ہوا۔اور اسی نام کے ساتھ بھی ایک تقدس ایسا اتصال پکڑ گیا کہ کسی اور کو اس میں شریک ہونے کی آج تک توفیق نہیں ملی۔ہمارے میاں صاحب آج اس دنیا

میں نہیں ہیں۔ مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ ان کا وجود میرے قریب آ کر سرگوشی کر رہا ہے۔ اس لہجے میں جس لہجے میں از راہ کرم و دل نوازی 29 جولائی 2001ء کی شام کو اپنے مکان پر ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب مختلف موضوعات پر باتیں کیں۔ تعلق بنانا اور نبھانا تو اس خانوادے کی خاندانی خوبصورت روایات میں شامل ہے۔ میں پہلے کسی مضمون میں بیان کر چکا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1952ء کی شام رتن باغ میں جب حضور ابھی پرنسپل کالج کے تھے۔ بعد نماز مغرب میرا ہاتھ حضرت میاں صاحب کو جو پکڑا یا۔ اور اتنا کہا کہ سرگودھا کے اپنے گاؤں میں یہ واپس نہ جائے۔ اگلی صبح میں حضرت میاں صاحب کے دفتر جو مال روڈ پر واقع تھا گیا۔ تو مجھے انسپکٹر بحالیات شاہ عالمی دروازے کا حکمنامہ تھما دیا گیا۔ اور یہیں سے میرے لاء گریجوایٹ بننے کی بنیاد پڑی۔ اس تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تعلق روز اول کی طرح پر کیف اور پر تپاک رہا۔ یہ تعلق اگرچہ ایک نیاز مند اور مخدوم ایک ذرہ ناچیز اور خاندانی عز و وقار کے بلند و بالا مینار کے علاوہ دنیا کے بہت بڑے افسر اور بیکس اور بے نوا کے درمیان تھا۔ ادھر ایک بالکل بیکس اور بے ہنر مبتدی اور ادھر ایک منتہی ہر دو میں کسی قسم کا اشتراک منصب یا ہمسری کی نسبت تلاش کرنے کار بیکار ہی ہے۔ لیکن یہ فخر میرا سرمایہ ہے کہ تعلقات میں جتنی بہتری ہوسکتی تھی۔ اور جتنی بے تکلفی ممکن تھی آپ ہی کی طرف سے ہوتی تھی۔ سرگودھا میں میں نے وکالت شروع کی ہوئی تھی کہ کالج کے کسی فنکشن میں حضرت میاں ایم ایم احمد صاحب بھی لاہور سے آئے ہوئے تھے۔ میں پہلے آپ کو لاہور ملا تھا اور راولپنڈی کا ایک کام کہا ہوا تھا۔ آپ نے پنڈی جانے پر وہ کام کرنے کا وعدہ فرمایا ہوا تھا۔ دونوں بھائی آمنے سامنے تھے۔ جناب پرنسپل (بعدہ میرے سید و مرشد) اور حضرت مرزا مظفر احمد صاحب پوچھا کہ مظفر آپ نے پنڈی کب جانا ہے۔ میں ابھی آپ سے ملا ہوا نہیں تھا۔ مگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا ہوا تھا۔ کہ پچھلی طرف کھڑا ہوا ہے۔ فرمایا سمیع نون کے کام جانا ہے۔ اور مڑ کر میری طرف نگاہ کی۔ جب کہے گا چلا جاؤں گا۔ میں نے کہا۔ میاں صاحب میرا کام تو گویا ہو گیا۔ جو اتنا

آپ نے میرا خیال رکھا ہوا ہے۔

29 جولائی 2001ء کو میں واشنگٹن گیا تو مجھے گزشتہ 60 / 70 سال کے عرصہ کے سفر حیات میں بہت سے مسافر ملے۔ جنہیں میں نے الوداع کہا اپنے بھی اور غیر بھی عالم اور متقی اور راہنما اور رہبر بھی۔ مگر یہ شخص وفا اور راستی کا مجسم تھا اپنے مرشد سے تقویٰ کی ساری تفاصیل کے ساتھ اس نے اپنے آپ کو رنگ لیا ہوا تھا۔ سب سے منفرد صاحب دل ستھری زندگی اور صاف ستھرا سفر۔ میں تو بیمار پڑا تھا۔ اور دل کے بائی پاس کے لئے جانے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ کہ ایک دن برادرم قریشی محمودالحسن صاحب کو فون کیا آگے سے انہوں نے بتلایا کہ نا معلوم میاں صاحب کا جنازہ کب آتا ہے۔ اس پر مجھے پتہ چلا کہ آپ فوت ہو چکے ہیں۔ آنسو ایسے بہنے لگے۔ جیسے کسی نے صراحیاں انڈیل دی ہوں آنکھوں کے سامنے ان کے الطاف کریمانہ ان کے مقدس باپ دادا کے واقعات واحسانات اور ایک ایسی فلم چلی کہ میں بہت دیر تک اکیلا اپنے کمرے میں بیٹھا آنسو بہا تا رہا۔

حضرت صاحبزادہ صاحب کی طرف سے محبتوں اور شفقتوں کا ایسا پر کیف ریلا آیا جس سے میری محرومیوں اور بے بسی کے پر پوری طرح بھیگ گئے۔ اور اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اور میری اندرونی دیوار کوریت کی دیوار کی صورت مسمار کر دیا۔ ان کی محبت کے مسلسل بڑھتے ہوئے گراف نے مجھے پریشان کر دیا اور میری ساری پژمردگیوں اور پریشان حالی پر ان کی الفتوں کی چھاجوں اوس پڑ چکی تھی اور میں سوچتا تھا کہ یہ قرون اولی کے دور کا شخص کس زمانے میں آ گیا ہے۔ 30 سال قبل جب قاتلانہ حملے میں آپ کو حی وقیوم نے نئی زندگی عطا فرمائی تھی ہم کوتاہ فکر کیا اندازے لگا سکتے ہیں۔ مگر آسمانی آقا کی دادودہش کا بھی کچھ ٹھکانہ نہیں کیا عجب آپ کا نام جانی قربانی دینے والوں میں شامل ہو چکا ہو۔

1978ء میں پہلی بار امریکہ گیا۔ میرا قیام محترم ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کے گھر تھا۔ جب میاں صاحب کو پتہ چلا تو ایک صبح نو بجے کے قریب میرے کمرے میں تشریف لائے اٹھ کر تعظیم بجالایا۔

اور حضرت باجی کی خیریت دریافت کی۔ فرمایا وہ ساتھ آئی ہوئی ہیں۔ اور تمہیں سلام کہتی ہیں اور ساتھ ہی حکم سنایا کہ آج رات تم ہمارے ہاں کھانا کھاؤ گے میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بھی آپ کا ہی گھر ہے۔ مگر فرمایا نہیں یہ سب لوگ ادھر ہی آ جائیں گے۔ چنانچہ ہم وہاں گئے۔ تو لندن میں پاکستان کا سفیر بھی آیا ہوا تھا۔ اور بھی کئی آدمی تھے۔ کھانے سے پہلے نماز مغرب وعشاء کا وقت ہوا۔ تو نماز پڑھنے کے لئے ایک مخصوص کمرے میں گئے میں نے بہت اصرار کیا کہ جناب آج صاحب خانہ امامت کروائیں گے۔ مگر اس کے جواب میں دلفریب مسکراہٹ اور کہ میاں احمد (میاں عبدالرحیم احمد صاحب) نماز پڑھائیں گے۔ اور اس کے بعد کھانا شروع ہوا سفیر صاحب سے تعارف کروایا بہت باتیں ہوتی رہیں۔ مگر میاں صاحب کا ایک دستور تھا کہ ہمیشہ سنجیدہ اور بامقصد بات کرتے تھے۔ 1978ء میں ہی جنرل یحییٰ خان صاحب فالج سے بیمار ہو کر امریکہ گئے۔ اور واشنگٹن حضرت میاں صاحب کے گھر ہی سیدھے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کا بیٹا اور بیوی بھی تھی۔ وہ تو مسلسل میاں صاحب کی کوٹھی پر ہی رہے اور جنرل صاحب کو حضرت میاں صاحب نے ہسپتال میں داخل کرادیا۔ مغربی ممالک کے طریق کے برعکس میاں صاحب کے پاس پاکستانی ڈرائیور پاکستانی باورچی اور خادم ہوتے تھے۔ وہاں شوفر والی کار تو ایک ایسی عیاشی ہے جو بڑے لارڈز ہی افورڈ کر سکتے ہیں۔ مگر میاں صاحب کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ وہ لوگ دو ماہ میاں صاحب کے گھر رہے۔ جس وقت واپس آئے تو صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ بھی ائیر پورٹ پر سابق صدر کی بیگم کو الوداع کہنے گئیں۔ بوقت الوداع بیگم صدر یحییٰ خان صاحب نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ یا اللہ مظفر کافر ہے۔ تو ساری دنیا کو اس جیسا کافر بنا دے ہمارے ساتھ میاں صاحب کو اب کوئی غرض نہیں ہو سکتی۔ مگر جس وفا شعاری اور بلند اخلاقی کے تحت انہوں نے ہماری ہر طرح کی خبر گیری کی ہے۔ دنیا کے پردے پر کوئی ایسا انسان نہیں جو اتنی خدمت کر سکے۔ وہ رو رہی تھی۔ بے حد ممنونیت کا اظہار ان سب نے اس روز کیا۔ میں جب سال 2001ء میں حضرت

میاں صاحب کے گھر گیا۔تو اس روز بھی سابق صدر کا فوٹو آپ کے کمرے میں پڑا تھا۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ یحییٰ خان صاحب ہمارے گھر تھے۔تو ان کی خواہش پر فوٹو لئے پھر انہی کے کہنے پر میں نے وہ فوٹو انہیں پاکستان بھیج دیئے۔ایک فوٹو ایسا تھا کہ دیوار کے پیچھے حضرت مسیح موعود کا بڑا فوٹو تھا۔تو وہ میں نے نہ بھیجا کہ یحییٰ خان صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میں انہیں خاموشی سے دعوۃ الی اللہ کر رہا ہوں۔مگر یحییٰ خان تاڑ گئے۔اور انہوں نے اصرار سے کہا کہ جناب وہ فوٹو بھی بھیجیں جس کے عقب میں بڑا فوٹو بڑے مرزا صاحب کا ہے۔چنانچہ پھر میں نے انہیں وہ بھی بھجوادیا۔

زندگی میں بڑے بڑے افسران سے واسطہ پڑا ہے۔ایک بات جو انوکھی میاں صاحب میں میں نے دیکھی۔اس کے وجوہ تلاش کرنا مشکل نہیں ہیں۔حضرت میاں صاحب کا خاندانی وقار اور وجاہت ہی ایسی تھی۔اور پھر اخلاق ایسے بلند اور کریمانہ کہ آپ کے ماتحت تو آپ کے مداح تھے ہی آپ کے افسران بالا بھی آپ کی خواہشات سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ ابتدائی سالوں 52-1951ء کی بات ہے۔کہ آپ ایڈیشنل کمشنر بحالیات تھے۔اور کمشنر بحالیات فدا حسین صاحب تھے۔مگر سید فدا حسین صاحب کا سارا انحصار حضرت میاں صاحب کے فیصلہ جات پر تھا۔ممدوٹ وزارت میں آپ سیالکوٹ میں ڈپٹی کمشنر تھے کہ تین ایم پی اے وزیر اعلیٰ کو ملنے آئے انہوں نے اندر سے کہہ بھیجا کہ اگر میاں مظفر احمد صاحب کے خلاف کوئی بات ہے۔تو میں آپ کو ملنے کو تیار نہیں ہوں۔ایسے تین ڈی سی اگر پنجاب کو مل جائیں۔تو سب معاملات طے ہو جائیں گے۔ یہ بڑی بے غیرتی ہے۔کہ ایسا صاف ستھرا افسر آپ کو پسند نہیں۔آپ ڈی سی سیالکوٹ تھے۔ جب لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے سیالکوٹ حکم بھیجا کہ وہاں جو قیمتی سامان پڑا تھا۔ معذوروں کے لئے وہ ریل گاڑی میں لوڈ کرا کر ہندوستان بھیجا جائے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ماؤنٹ بیٹن ابھی اس لالچ میں تھا کہ اسے دونوں ممالک گورنر جنرل مقرر کر لیں۔ جب حضرت میاں صاحب کو اس سازش کا علم ہوا۔تو فوراً ریلوے حکام کو حکم بھیجا کہ یہ گاڑی جو تم بھیج رہے ہو روک لو،

انہوں نے عذر کیا کہ جناب لیڈی ماؤنٹ بیٹن کا یہ حکم ہے۔میاں صاحب نے فرمایا خواہ کسی کا ہو۔ تم میرے حکم کے پابند ہو۔ ہرگز گاڑی یہاں سے نہ چلے۔اور پھر سارا سامان اتار لیا گیا۔اور اس طرح پاکستان بڑے نقصان سے محفوظ رہا۔مجھے ایک واقعہ آپ نے سنایا کہ نواب امیر محمد خان کالاباغ نے کہا کہ میاں صاحب آپ کل سے چیف سیکرٹری پنجاب کا عہدہ سنبھال لیں میں نے صدر ایوب خان صاحب سے بات کر لی ہے۔میاں صاحب نے کہا کہ میں چارج نہیں لوں گا۔ایک وجہ تو یہ ہے کہ سابقہ چیف سیکرٹری نے میرا نام ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے لئے تجویز کیا تھا۔اس لئے یہ محسن کشی ہے کہ اسے ہٹا کر چارج خود سنبھال لوں۔ دوسرے میں جونیئر ہوں۔ میرا حق بھی نہیں بنتا۔نواب صاحب نے بااصرار کہا۔مگر انہوں نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔نواب کالاباغ نے حیرت سے کہا کہ عجیب آدمی ہے۔ چیف سیکرٹری پنجاب کے عہدے پر لات مار رہا ہے۔ اصول پسندی اور ایسی بلند اخلاقی کی توقع آپ جیسے باکردار انسان سے ہی کی جاسکتی تھی۔ پھر جب آپ مرکز میں گئے تو پہلے فنانس سیکرٹری اور پھر ڈپٹی چیف پلاننگ کمیشن اور پھر مشیر صدر جو عہدہ کے لحاظ سے وفاقی وزیر کے برابر تھا۔

آپ مرکز میں تھے صدر پاکستان محمد ایوب خان صاحب تھے۔تو انہوں نے صدر صاحب کو کہا کہ نواب کالاباغ کے بیٹے مظفر خان کو وزیر لے لیں۔ وہ تو انکار کر نہیں سکتا تھا۔ جب اس بات کی خبر گورنر صاحب کو ہوئی۔تو انہوں نے میاں صاحب کو کھانے پر مدعو کیا اور پوچھا کہ ایسی کون سی تجویز آپ نے دی ہے۔آپ نے فرمایا تجویز منوالی ہے۔گورنر نے کہا کہ میاں صاحب لوگ کہیں گے خود گورنر بنا اور بیٹے کو وزیر بنوالیا ہے۔میاں صاحب نے کہا کیبنٹ میں آپ کی مخالفت ہوتی ہے۔ جو کوئی بھی رنگ لاسکتی ہے۔آپ کا بیٹا وہاں بیٹھا ہوگا تو آپ کے مخالف لابی ختم ہو جائے گی اس پر گورنر بہت ممنون ہوا۔مگر کچھ دن سوچنے کے لئے مہلت مانگی۔

غرض ایسا باوقار عزت وعظمت والا یہ انسان تھا کہ جہاں رہا قطع نظر اس کے کہ اس کا عہدہ کیا

ہے منصب کیا ہے۔ وہ نمبر ایک ہی رہا مگر دنیا جانتی تھی کہ اس کی اپنی ذاتی غرض کوئی نہیں ہوتی تھی۔ ہر ایک کا بھلا سوچنا اور بھلا کرنا اس کی فطرت کا حصہ بن چکا تھا۔ ان کی شخصیت علم و عمل کا دلآویز اور حسین مرقع تھی اقتصادیات ان کی ہاتھوں کی چھڑی تھی اور رموز حکومت گویا ان کی جیب میں تھے۔ آدمی پڑھا لکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہو۔ اور ہر مشکل مرحلے میں اللہ سے راہنمائی بھی چاہے۔ تو اس کے لئے کیا مشکل رہ جاتی ہے۔ ''ایم ایم احمد کے انکشافات'' ایک صحافی نے آپ کا نہایت تفصیلی انٹرویو لیا تھا۔ جو کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اور جس کی ایک کاپی مجھے عنایت کی گئی تھی۔ نہایت مفید اور دلچسپ معلومات کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اپنی اونچی ملازمت کے دوران نیکوں سے بھی واسطہ پڑا۔ اور دوسرے لوگوں سے بھی۔ گویا جفت خوش حالاں و بدحالاں شدم۔ ان پر پوری طرح صادق آتا ہے جو اچھے لوگ نہیں تھے۔ ان کی برائیوں سے نفور رہے۔ مگر ان کے ساتھ تعلقات کو نباہا کیونکہ دین حق بدی سے نفرت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ مگر بد کی دعا اور موعظمہ حسنہ کے ذریعے اصلاح کی کوشش کرنے پر زور دیتا ہے۔

سیدنا حضرت مصلح موعود کے زمانے میں بعض مخرجین کے رابطوں کی کنہ معلوم کرنے کیلئے ایک کمیشن حضور کے حکم سے بٹھایا گیا تھا۔ جس کے ممبران حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر اور حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور خاکسار راقم الحروف تھے۔ اسی دوران خاندان اقدس کے بعض افراد سے بھی بعض معلومات حاصل کرنا تھیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مجھے راہنمائی کی ضرورت پڑی۔ تو میں صاحبزادی امتہ الرشید بیگم صاحبہ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ میری گفتگو میں میری کوئی بات انہیں پسند آئی۔ یوں میں نے مودب رہنا ہی تھا۔ کہ سیدنا حضرت مصلح موعود کی صاحبزادی اور سیدنا حضرت خلیفہ اول کی نواسی ہیں۔ انہوں نے مجھے بھائی بنالیا۔ جس پر مجھے آج تک بجا طور پر فخر ہے۔ حضرت میاں صاحب پاکستان آئے تو انہوں نے موصوفہ سے کہا کہ امتہ الرشید تم نے عقل کی بات کی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ نون کو تم نے اپنا بھائی بنالیا ہے۔ باجی نے یہ واقعہ

مجھے سنایا تو میرے لئے مسرت اور مزید اعزاز کا موجب بنا۔

چہرہ انسان کے اندرونے کا انڈکس ہوتا ہے۔ایک لطیف واقع سناتا ہوں۔بہت پرانی بات ہے۔حضرت میاں صاحب ولایت سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تھے۔مجھے محترم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ سیشن جج مرحوم نے سنایا کہ میں لاہور G.P.O کے پاس فٹ پاتھ پر چل رہا تھا کہ اچانک حضرت میاں صاحب کسی کام سے وہاں آئے۔کار میں تھے کار سے اتر کر ڈاکخانہ میں گئے۔تو میں نے انہیں غور سے دیکھا۔میں نے جوانی میں ہی داڑھی رکھی ہوئی تھی۔نماز اور تہجد کا التزام بھی کرتا تھا۔میاں صاحب کے چہرے پر نظر پڑی تو میں نے اپنے آپ کو مخاطب ہو کر کہا عزیز احمد! تو سو کوشش کرے اس نوجوان کے چہرے پر جو نور ہے۔اسے تو ساری عمر نہیں پہنچ سکتا۔

عشق الٰہی وسے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی

کچھ عرصہ ہوا۔روزنامہ جنگ کے میگزین میں حضرت میاں صاحب کے بارہ میں ایک مضمون چھپا اس میں مضمون نگار نے آپ کی تصویر بھی ساتھ شائع کر دی۔میں کافی دیر اسے دیکھتا رہا۔پھر اخبار سے تصویر پھاڑ کر ڈائری میں رکھ لی۔میاں صاحب سے خط و کتابت اکثر رہتی تھی۔اس کے بعد جو خط لکھا تو تصویر والا واقعہ بھی لکھ ڈالا۔آپ نے ایک بڑے لفافہ میں اپنی ایک بہت بڑی خوبصورت تصویر بھیج دی۔کہ اخباری تصویر کو چھوڑ دو۔اتنا شوق ہے تو یہ رکھ لو۔چنانچہ بھی وہ میرے کمرے کی زینت ہے۔اب جو میں نے خط لکھا تو اس میں لکھا کہ میاں صاحب تصویروں سے کام نہیں بنتا آپ سے ملاقات ہو۔باتیں ہوں،بہت سال ہوئے آپ آئے ہی نہیں غالباً 1991ء میں آخری بار آئے تھے۔اسلام آباد سے 1991ء کا لکھا ہوا ایک خط میرے پاس پڑا ہے۔تصویر کے بارہ میں لکھا کہ بہت شکریہ مل گئی ہے۔مگر یہ باتیں نہیں کرتی۔

آپ نے تصویر بھیجی ہم نے دیکھی غور سے۔۔۔ ہر ادا اچھی خموشی کی ادا اچھی نہیں

مگر لکھا کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ کام آتی ہے۔ہم نے کمرے میں رکھی ہوئی ہے۔

میرا ذہن یادوں کا بسیرا بن گیا ہے۔ یہ یادیں بھی کچھ عجیب چیز ہیں کچھ ایسی ہیں کہ ان سے دامن چھڑانا ناممکن۔ کچھ ہزار کوشش کے باوجود گرفت میں نہیں آتیں۔ آپ سے آخری ملاقات میری لینڈ امریکہ میں گزشتہ برس ہوئی۔ میں نے محسوس کیا کہ قویٰ مضمحل ہو چکے تھے۔ عناصر میں اعتدال نہیں رہا تھا۔ مگر وہی دلیری۔ دل نوازی اور خاندانی نور اور جاہ وحشم۔ اس کی یاد چاہتا ہوں کسی طرح بھول جائے مگر اتنے پیارے شخص کی اتنی پیاری یاد کیونکر مجھے چھوڑے۔

23 جولائی کو آپ نے دنیا چھوڑی۔ پھر 30 جولائی کو ربوہ کی بھری محفل سے جب وہ جو خوش لباس۔ خوش گفتار اٹھ گیا۔ دلی دکھ ہوا کہ میں ان کے آخری سفر میں شامل نہ ہو سکا۔ کیونکہ عین 30 جولائی کو اس وقت جب ادھر آپ کی سواری آخرت کے لئے تیار ہو رہی تھی لاہور کے ایک ہسپتال میں ڈاکٹر اپنے اپنے فن کا مظاہرہ اور سرجن اپنے ہنر کا کمال میرے ناتواں سینے کو مشق ستم بنا کر کر رہے تھے۔ دربار خلافت کے انمول رتن، اے وہ کہ جسے شاہانہ چہرہ عطا ہوا تھا۔ تیری آنکھ سے ہمیشہ نور اور محبت کی پھوار برستی تھی۔ اے وہ جس کی کشادہ پیشانی، وسیع قلب ونظر کی علامت تھی۔

اے نبیرۂ مسیح پاک تو اپنے ''چاند'' باپ کی طرح غم زدہ دل کو بھانپ کر۔ اس کے سارے ہم وغم اپنے سینے میں سمو لینے کی خواہش رکھتا تھا۔ جا اپنی ساری خدمات قوم وملت اور خدمات دین متین کا صلہ اپنے رب کریم سے وصول کر۔ تیرے بزرگ باپ اور مقدس دادا تجھے خوش آمدید کہیں۔ اپنی سرکاری ملازمت کے دوران اعلیٰ معیار دیانت اور راست روی کا اجر تجھے تیرا خالق ومالک عطا کرے۔ جس کی رضا ہر لمحہ تیرے پیش نظر رہی۔

تم روٹھ گئے دل بیٹھ گیا اب دل کی حقیقت کیا کہئے

(الفضل 3 اکتوبر 2002ء)

خلافت احمدیہ کے فدائی اور محب وطن

مکرم مولانا محمد صدیق صاحب گورداسپوری

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مرحوم ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کو حضرت مسیح موعود کا پوتا ہونے کا شرف حاصل تھا پھر آپ نے ایک لمبا عرصہ تک بطور امیر جماعت ہائے احمدیہ امریکہ گرانقدر خدمات سلسلہ سرانجام دینے کی توفیق پائی۔آپ کے دور امارت میں جماعت ہائے احمدیہ امریکہ نہ صرف انتظامی لحاظ سے مضبوط ہوئی بلکہ تعلیم و تربیت اور مالی قربانی کے لحاظ سے بھی جماعت نے ایک اعلیٰ مقام حاصل کرلیا۔اللہ تعالیٰ جماعت امریکہ کو نہ صرف یہ معیار قائم رکھنے کی توفیق دے بلکہ مزید ترقیات حاصل کرنے کی استطاعت بخشے۔

خاکسار نے جب جولائی 1974ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد پر امریکہ مشن کا چارج لیا تو مجھے حضرت صاحبزادہ صاحب کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔آپ کو میں نے ایک تقویٰ شعار منکسر المزاج، نظام جماعت کا کامل فرمانبردار اور صاحب فراست وجود پایا۔

آپ اس وقت ورلڈ بنک میں ڈائریکٹر اور آئی ایم ایف کے سٹاف میں ایگزیکٹو سیکرٹری کے منصب پر فائز تھے۔آپ ہر جمعہ کو باقاعدہ نماز کی ادائیگی کے لئے بیت الذکر واشنگٹن میں تشریف لاتے اور نماز کی ادائیگی کے بعد حال احوال دریافت فرماتے جماعتی میٹنگز میں جب بھی آپ کو بلایا جاتا آپ بخوشی تشریف لاتے اور نہایت مفید مشوروں سے نوازتے آپ مشن اور جماعتی کاموں کی سرانجام دہی میں ہمیشہ خاکسار کی راہنمائی اور تعاون فرماتے۔

ایک روز فرمانے لگے مجھے علم ہے کہ اس مشن میں ابھی تک باقاعدہ ریکارڈ کا کوئی سسٹم نہیں نہ ہی فائیلنگ کا انتظام ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مشن کے کاموں پر آپ کی کیسی گہری نظر تھی فرمایا

آپ ایک سیکرٹری یا ٹائپسٹ رکھ لیں اور اس سے مشن کا ریکارڈ وغیرہ درست کروالیں۔ میں نے کہا میاں صاحب مشن کی اس وقت مالی پوزیشن اتنی کمزور ہے کہ مشکل سے مربیان کے الاؤنس اور دیگر اخراجات چلتے ہیں ایک ٹائپسٹ کی تنخواہ جو کم از کم پانچ صد ڈالر ماہوار ہوگی (اس وقت مربی کو صرف ایک سو ڈالر ماہوار الاؤنس ملتا تھا) وہ کہاں سے ادا کروں گا فرمانے لگے اس کی آپ فکر نہ کریں میں واشنگٹن جماعت کی طرف سے اس کا انتظام کر دوں گا۔لہٰذا میں نے ایک لوکل احمدی ایک خاتون سسٹر فاطمہ سے بات کی وہ رضامند ہوگئیں اور انہوں نے پانچ صد ڈالر ماہوار پر مشن میں کام شروع کر دیا اور نہایت اخلاص اور محنت سے اس ذمہ داری کو سرانجام دیا مشن کا سارا ریکارڈ درست کیا فائیلنگ سسٹم جاری کیا۔ٹیلیفون ڈائریکٹری جماعتوں کی تیار کی۔ لائبریری کی کتب کی لسٹ تیار کی ان کو ترتیب دیا چھ ماہ تک انہوں نے یہ کام کیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب اس کا الاؤنس ادا فرماتے رہے، مشن پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ اس سے مشن کے کام میں خاکسار کے لئے بہت ہی آسانی پیدا ہوگئی۔

وہ وقت ایسا تھا کہ پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف ہنگامے ہو رہے تھے، احمدیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے جا رہے تھے جائیدادیں تباہ کی جا رہی تھیں لوٹی جا رہی تھیں بعض احمدیوں کو راہ مولیٰ میں قربان بھی کیا گیا ایسے حالات میں جماعت امریکہ کی طرف سے یو این او کے ہیومن رائٹس کمیشن (Human Rights Commission) کو میمورنڈم بھجوانا تھا۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور ہائی کمشنر پاکستان سے رابطہ پیدا کر کے حالات کی وضاحت کرنی تھی پریس کانفرنس کے ذریعہ احتجاج کرنا تھا اور دیگر ذرائع کو بھی اس سلسلہ میں استعمال میں لانا تھا لہٰذا حضرت صاحبزادہ صاحب نے ان حالات میں ہر قدم پر ہماری راہنمائی فرمائی اور اپنے فہم وفراست سے کام لیتے ہوئے مفید اور دوررس نتائج کے حامل مشوروں سے نوازتے رہے۔

پاکستان میں 1974ء میں جماعت کے خلاف چلنے والی تحریک اور جماعت کو نقصان

پہنچانے کے زمانے میں آپ کی سیرت کا ایک پہلو نمایاں طور پر یہ سامنے آیا کہ آپ پاکستان سے محبت اور عقیدت رکھتے تھے اس وجہ سے آپ نے آخر وقت تک اپنی پاکستانی قومیت ختم نہیں کی تھی لہٰذا آپ احتجاجی خطوط یا میمورنڈم میں کوئی ایسا فقرہ برداشت نہ کرتے جس سے پاکستان کے وقار یا ساکھ پر کوئی زد پڑتی ہو اور پاکستان کے خلاف کوئی بات لکھنے سے روک دیتے انہیں دنوں میں نے جب لندن فون کر کے حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جن کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے بیرونی ممالک میں اپنا نمائندہ مقرر فرمایا تھا ان سے ہدایات لیں تو آپ نے بھی فرمایا کہ دیکھیں احتجاج ضرور کریں لیکن پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی پاکستان سے کیسی عقیدت اور محبت تھی ان بزرگوں کو۔

اس وقت یو این او میں انڈیا کے نمائندہ ڈاکٹر سید برکات احمد تھے انہوں نے ایک میمورنڈم میں پاکستان کے بارہ میں کچھ سخت الفاظ استعمال کئے۔ جب یہ میمورنڈم حضرت میاں صاحب کی خدمت میں مشورہ کے لئے پیش کیا گیا تو آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور کہا کہ اس میں سے ایسے الفاظ نکال دیئے جائیں جن سے کسی رنگ میں بھی پاکستان کی عزت اور وقار پر زد پڑتی ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اسی طرح جب فروری 1976ء میں وزیر اعظم بھٹو صاحب امریکہ گئے اور واشنگٹن میں انہوں نے امریکن کانگرس کے ممبران سے خطاب کرنا تھا تو خاتون مسٹر نسیمہ جو جرنلسٹ تھیں انہوں نے ایک خط تیار کیا جو کانگرس کے ممبران کو دینا چاہتی تھیں اس میں انہوں نے پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے اور بھٹو حکومت کے زیر اثر احمدیوں پر جو مظالم ڈھائے جارہے تھے اور جو انسانیت سوز سلوک ان سے پاکستان میں ہو رہا تھا اس کے خلاف احتجاج تھا۔ یہ خط وہ میرے پاس لائیں میں نے بھی اسے پسند نہ کیا اور مزید مشورہ کے لئے فوری طور پر حضرت مرزا مظفر احمد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا آپ نے خط پڑھ کر فرمایا کہ ایسا خط ہرگز ممبران کانگرس کو نہیں جانا چاہئے۔ چنانچہ وہ خط روک لیا گیا۔ جس پر مسٹر نسیمہ سخت ناراض ہوئیں۔ اور کہا کہ

جب ہم کچھ کرتے ہیں تو آپ لوگ روک دیتے ہیں۔ بہر حال حضرت میاں صاحب کے مشورہ کی بنا پر وہ خط ممبران کانگرس کو دینا مناسب نہ سمجھا گیا۔

خلافت سے محبت اور فدائیت

جولائی 1976ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے امریکہ اور کینیڈا کا دورہ فرمایا جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کے لئے یہ ایک تاریخی موقع تھا کہ خلیفہ وقت نے پہلی مرتبہ سرزمین امریکہ پر مبارک قدم رکھنے تھے اور اہل امریکہ کی دیرینہ دلی خواہش پوری ہونی تھی جس پر ہر احمدی فرط مسرت سے شاد ہو رہا تھا حضور کے شایان شان استقبال اور دورہ کے دیگر پروگرام مرتب کرنے کے لئے جماعتی میٹنگز ہو رہی تھیں جن میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھی شریک ہوتے اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے اس وقت آپ کی ہر بات اور قول سے مترشح ہو رہا تھا کہ آپ کو مقام خلافت کی اہمیت اور اس کے احترام کا کتنا خیال تھا اور خلافت سے آپ کی وابستگی اور خلیفہ وقت سے عقیدت اور محبت کس قدر آپ کے دل میں موجود تھی۔

چنانچہ حضور کے استقبال اور دورہ کے پروگرام کو مرتب کرنے میں آپ کی موجودگی ہمارے لئے بہت ہی ممد و معاون ثابت ہوئی اور سارے کام بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام پائے۔ 25 جولائی 1976ء کو جب حضور واشنگٹن ڈی سی کے ڈیلس ایر پورٹ پر اترے تو جماعت کے دیگر احباب کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب نے بھی نہایت ہی عقیدت مندانہ جذبات کے ساتھ اپنے پیارے امام کو اھلاً و سھلاً و مرحبا عرض کرنے کی سعادت حاصل کی۔

حضور کے قیام و طعام کا انتظام چونکہ حضرت صاحبزادہ صاحب کی رہائش گاہ پر ہی تھا لہٰذا ایر پورٹ سے حضور مع اپنے قافلہ کے سیدھے آپ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ امراء جماعت ہائے احمدیہ کی میٹنگز حضور کے ساتھ آپ کے مکان پر منعقد ہوتیں جن میں آپ بھی شریک ہوتے اور حضور کی قیادت میں امریکہ مشن کے استحکام، ترقی اور مشنوں اور بیوت الذکر کے قیام اور دعوت

الی اللہ کے لئے بہت ہی مفید اور دوررس نتائج کی حامل تجاویز پاس کی گئیں اور خدا تعالیٰ کے فضل سے حضور کا یہ دورہ بہت ہی کامیاب رہا۔ جس میں حضرت میاں صاحب کے مشوروں اور تعاون کا بہت دخل تھا۔

جماعتی عہدے داروں کا احترام

جماعت کے ادنیٰ خادم کی عزت واحترام کا بھی آپ کو بہت خیال تھا ایک دفعہ ایک اہم امر کے بارہ میں آپ سے فوری مشورہ کرنا تھا لہٰذا میں سیدھا ورلڈ بنک گیا اور آپ کی سیکرٹری سے اپنا تعارف کراتے ہوئے حضرت میاں صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اس نے کہا کہ مسٹر احمد نے مجھے ہدایت دے رکھی ہے کہ جب بھی آپ انہیں ملنے آئیں تو آپ کو روکا نہ جائے بلکہ فوری طور پر اندر بھیج دیں۔ لہٰذا آپ اندر تشریف لے جائیں چنانچہ میں اندر گیا آپ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے اور آنے کی وجہ دریافت کی میں نے معاملہ پیش کیا۔ تو آپ نے نہایت ہی فہم وفراست پر مشتمل مشورہ دیا جس پر عمل کر کے بہت فائدہ ہوا۔

جب کبھی کوئی جماعتی اجلاس ہوتا یا جلسہ اور اجتماع ہوتا تو میں آپ کے مقام اور منصب کے لحاظ سے آپ سے صدارت کے لئے درخواست کرتا بعض دفعہ تو آپ رضامند ہو جاتے لیکن بعض دفعہ فرماتے مجھ سے تقریر بے شک کروالیا کریں لیکن صدارت کے لئے نہ کہا کریں۔ کیا عظمت تھی آپ کے کردار میں کیا بلند تھے آپ کے اخلاق، کیا تواضع اور انکسار تھا آپ کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ و بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

(الفضل 7 ستمبر 2002ء)

ایک عالی دماغ تھا نہ رہا

پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی

پاکستان کی تاریخ میں جن گنے چنے نامور اشخاص نے اپنے اپنے میدان میں نیک نامی اور قومی غیرت اور بے لوث خدمات کا ورثہ پیچھے چھوڑا ان میں سے تین کا تعلق جماعت احمدیہ سے تھا۔ تینوں اپنے اپنے میدان کے مرد تھے، سیاست اور تدبر میں سر ظفر اللہ خاں، سائنس میں ڈاکٹر عبدالسلام اور اقتصادیات میں ایم ایم احمد۔ پہلے دو، پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے کل ایم ایم احمد کی سناؤنی بھی آ گئی **كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام!**

ایم ایم احمد کا پورا نام مرزا مظفر احمد ہے۔ آپ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے پوتے تھے۔ تقسیم ہند سے قبل آئی سی ایس میں شامل ہوئے تقسیم ملک کے وقت سیالکوٹ کے ضلع کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے مرکزی حکومت میں سکرٹری فنانس، پھر ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن، پھر چیئرمین پلاننگ کمیشن پھر مشیر خزانہ اور پھر وزیر خزانہ کے مؤقر عہدوں پر فائز رہے اور ہر رنگ میں قومی خدمات سرانجام دیں۔ استاذی المحترم کنور ادریس نے اپنے کالم میں لکھا ہے کہ ایم ایم احمد اقتصادیات کے آدمی نہیں تھے مگر ان کے تجربہ نے انہیں اس میدان میں وہ کمال عطا کر دیا تھا کہ اقتصادیات کے معاملہ میں ان کی رائے پتھر کی لکیر سمجھی جاتی تھی۔'' سرکاری ملازمت سے بڑے وقار سے سبک دوش ہوئے تو عالمی بنک میں اونچے عہدے پر سرفراز کئے گئے۔ امریکہ کی جماعت احمدیہ کی امارت کے فرائض ساتھ ساتھ انجام دیتے رہے۔ شہرت اور نام و نمود کی خواہش کبھی نہ کی۔ نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا! ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا۔ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کسی رو رعایت کے روادار نہ تھے اس لئے

بعض حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے بھی دیکھے گئے مگر سب لوگ، کیا ان کے ماتحت کیا ان کے افسران کی محنت، ان کی لگن، بردباری اور اصول پرستی کے معترف رہے۔ یہی اوصاف ہماری نوکر شاہی میں مفقود ہیں اور ایم ایم احمد انہی اوصاف سے متصف تھے۔ قدرت اللہ شہاب جیسے متعصب سرکاری افسر نے اعتراف کیا ہے کہ جہاں کوئی ڈکٹیٹروں کے سامنے کھڑا ہو کر ایک لفظ نہیں کرسکتا تھا وہاں یہ کھڑے ہو سکتے تھے اور اپنے دل کی بات کہہ سکتے تھے اور اپنے دل کی بات وہی صاف طور سے کہہ سکتا ہے جس کا ضمیر صاف اور مطمئن ہو۔ ایم ایم احمد قلب مطمئنہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ نام ونمود سے دور بھاگنے کی ایک مثال تو ہم نے خود دیکھی۔ پنجاب کے ایک آئی جی پولیس ہمارے اچھی جان پہچان کے تھے۔ جب عزیزی صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی کو پنجاب پولیس نے گرفتار کیا تو ہم نے سویڈن سے ان آئی جی پولیس کو فیکس دیا کہ ''میاں شاباش جو کام ضیاء الحق نہ کر سکا تمہاری پولیس نے کر دکھایا۔'' ان کا معذرت خواہانہ فیکس آیا اس میں لکھا تھا کہ ان کی گرفتاری میں پولیس کا کوئی قصور نہیں کوئی اور عوامل تھے جن کی وجہ سے ایسا ہوا۔ پنجاب پولیس کی مستعدی تو دیکھو کہ ایم ایم احمد ''مرحوم'' کے بھتیجا کو اغوا کرنے والوں کو اس نے کس طرح جہنم واصل کیا تھا۔ میں نے آئی جی پولیس کو پھر فیکس دی کہ آپ نے ایم ایم احمد کو مرحوم لکھ دیا حالانکہ وہ اللہ کے فضل سے زندہ موجود ہیں اور امریکہ کی جماعت احمدیہ کے امیر ہیں اس لئے ایم ایم احمد کے باب میں آپ کی پولیس ''رپورٹ'' غلط ہے۔ آئی جی صاحب کا انتہائی ندامت کا خط آیا کہ مدتوں سے انہوں نے ایم ایم احمد کا نام ہی خبروں میں نہیں سنا تھا اس لئے غلطی ہوگئی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایم ایم احمد اتنی خاموشی سے کام کرتے تھے کہ بڑے بڑے لوگوں کو ان کے بارہ میں معلوم نہیں ہو پاتا تھا۔ یہ خاموشی ان کے ساتھ خاص تھی ورنہ ہماری نوکر شاہی کا طرہ یہ تھا کہ کام کم کرتے تھے اپنی پبلیسٹی زیادہ کرتے تھے۔

سرکاری افسروں والی اکڑفوں بھی ان میں نہیں تھی کہ ایک کمرہ سے دوسرے کمرہ تک بھی

جائیں تو اردلی میں بھاگتا ہوا اور آگے آگے ہٹو بچو کرتا ہوا چلے۔ سیدھے سبھاؤ اپنی حفاظت کے رکھ رکھاؤ سے بے نیاز رہتے تھے اسی لئے تو اس بدبخت اسلم قریشی کو ان پر قاتلانہ حملہ کا موقع مل گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ لفٹ میں اکیلے تھے وہ انہیں اکیلا دیکھ کر ان کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو گیا۔ کوئی اور سرکاری افسر ہوتا تو جھڑک کر اسے لفٹ سے اتار دیتا کہ ''یہ لفٹ سرکاری افسروں کے لئے مختص ہے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' مگر ایم ایم احمد کی دینی تربیت آگے آ گئی کہ سب انسان برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں۔ اس لئے انہوں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ لفٹ میں اس بدبخت نے عقب سے ان پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کیا۔ اس مرد مومن کے حواس قائم رہے حملہ آور کا ہاتھ یوں پکڑا کہ اسے دوسرا وار کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ لفٹ نیچے پہنچی تو خون میں لت پت تھے مگر ہوش وحواس بجا تھے حملہ آور کو دوسروں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا اور اس طرح اس بد بخت کا وار مہلک ثابت نہ ہوا گُردہ بہت بری طرح مجروح ہو گیا تھا مگر اللہ نے فضل کیا آپ صحت مند ہو کر پھر اپنے فرائف منصبی میں مشغول ہو گئے۔ جسے اللہ رکھے اور کون چکھے!

ہم نے پہلی بار ایم ایم احمد کو جانا تو اس وقت وہ پنجاب کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری تھے۔ ہم ان کے والد گرامی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے ساتھ خدمت کر رہے تھے۔ ایم ایم احمد کو لاہور سے اپنے ابا سے دفتر میں ملاقات کے لئے آنا تھا۔ ہمیں ارشاد تھا کہ مظفر آئیں تو انہیں انتظار نہ کروایا جائے اور فوراً اندر بھیج دیا جائے کیونکہ ان کا وقت بہت قیمتی ہے۔ میاں مظفر احمد اتفاق سے ایک آدھ منٹ دیر سے پہنچے۔ ہم پہلے ہی ان کے منتظر تھے پوچھنے لگے ابا کو انتظار تو نہیں کھینچنا پڑا ناراض تو نہیں؟ ہم نے جواب دیا ناراض تو نہیں بیقرار ضرور ہیں۔ ایم ایم احمد نے ہماری اس زبان درازی پر ہمیں غور سے دیکھا۔ ہم نے فوراً انہیں اندر دفتر میں پہنچا دیا۔ اسلام علیکم کی آواز گونجی، ہم دروازہ بند کر کے باہر گئے۔ غالباً دفتر میں ایم ایم احمد کی اپنے ابا سے پہلی ملاقات تھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد ہمیں یاد نہیں کہ وہ دفتر میں آ کر ملے ہوں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب

کی یہ بیقراری سب کے لئے تھی۔ کسی کو ربوہ کے باہر سے آنا ہوتا تو بے چین رہتے جب تک آنے والا پہنچ نہ جاتا، کسی کل چین نہ پڑتا۔ ربوہ والوں میں سے کسی کا انتظار ہوتا تو کان دروازہ پر لگے رہتے تھے۔

اپنے والدگرامی کے نام دعا کی درخواست کے خط ان کی طرف سے باقاعدگی سے آتے تھے اور جواب بھی باقاعدگی سے جاتا تھا۔ خط کے القاب بھی سیدھے سادے ہوتے تھے ''عزیزم مکرم مرزا مظفر احمد سلمہ'' اور کبھی کبھی ان کی بیگم صاحبہ کے نام بھی ساتھ ہی میں لکھا جاتا۔ ''عزیز مکرمہ صاحبزادی امۃ القیوم سلمھا''، ہمیں عجیب لگتا تھا کہ بیٹے کے ساتھ صاحبزادہ نہیں لکھتے تھے۔ زبان و بیان کی یہ باریکی ہمیں انہیں نے بتائی کہ اپنی اولاد کے لئے خود ''صاحبزادہ'' کا لاحقہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ ایم ایم احمد کی تربیت جس ماحول میں ہوئی تھی اس کا اثر تھا کہ انہیں دعا پر پورا یقین تھا۔ اس وجہ سے ان کے ہاں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہی بہت تھا۔ ہمارے ہاں کے افسروں کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ اپنے کئے پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا پر کچھ نہیں چھوڑتے اس طرح اپنی انانیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ایک سینئر سی ایس پی دوست نے نواب کالاباغ کی جو مغربی پاکستان کے گورنر اور طبعاً بہت جابر حاکم تھے، یہ بات ہمیں سنائی۔ نواب صاحب نے کمشنروں کی کانفرنس میں ان سے نے کہا صاجزادہ مظفر احمد ہمارے ڈپٹی کمشنر رہے ہیں۔ ہم نے انسانی استطاعت کے مطابق تدبیر کر دینے کے بعد نتیجہ خدا پر چھوڑنا ان سے سیکھا ہے۔ نواب کالاباغ ہمیشہ انہیں صاحبزادہ مظفر احمد کہا کرتے تھے۔

ایم ایم احمد ایسے وقت میں پاکستان کے اقتصادی لحاظ سے اہم عہدوں پر فائز رہے جب مشرقی پاکستان والے مغربی پاکستان والوں کو اور حکومت کو اپنی اقتصادی بدحالی کا ذمہ دار قرار دیتے تھے۔ ادھر پلاننگ کمیشن ایم ایم احمد کے دائرہ کار میں شامل تھا اس لئے کیا کیا باتیں نہ بنی کہ مشرقی پاکستان کے استحصال، کی ساری ذمہ داری ایم ایم احمد کی ہے۔ سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد

بھی ایم ایم احمد تنقید کا ہدف بنتے رہے مگر حقیقت بہر حال حقیقت ہے۔اعداد وشمار نے ہمیشہ ایم ایم احمد کی صفائی میں گواہی دی۔تنقید کرنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ایم ایم احمد سے بھی کئی لوگوں نے اس قسم کے سوال کئے مگر آپ نے بڑے وقار سے اپنی صفائی پیش کی کسی دوسرے پر الزام نہیں لگایا۔حالانکہ ہمارے لوگوں کا وطیرہ یہ ہے اپنے کئے کی ذمہ داری بھی دوسروں پر ڈال کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔اب تو حمودالرحمٰن کمیشن کی رپورٹ الم نشرح ہوگئی ہے۔اقتصادی استحصال کی ساری باتیں ہوائی باتیں تھیں اور سیاسی لیڈر سیاسی اشکلہ کے طور پر کہتے تھے۔

جب ایم ایم احمد محکمہ کہ خزانہ کے سکریٹری تھے تو ایک روپیہ کا نوٹ ان کے دستخطوں سے جاری ہوا۔ہم ان کے دادا کے رفیق ایک بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں آبدیدہ پایا۔ پوچھا "خیر باشد؟ فرمانے لگے بات معمولی لگتی ہے مگر مجھے غیر معمولی لگتی ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے سے یہ دیکھ لیا ہے کہ میرے مرشد کے پوتے کے نام کا سکہ چل رہا ہے۔ یہ کہہ کر پھر ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے یہ محبت کے آنسو تھے۔ہم نے ایم ایم احمد کو ایک خط لکھا کہ آج ہم نے آپ کے دادا کے ایک ساتھی کی یہ بات آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی ہے۔ بات ذوقی سی ہے مگر ہمیں یہ بات یاد ہے اور یاد رہے گی۔اسی طرح مدتوں بعد ایک بزرگ کے پاس ایک پھٹا پرانا نوٹ دیکھا جو انہوں نے بہت سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ پوچھا کیا ہے؟ کہنے لگے دیکھتے نہیں اس پر کس کے پوتے کے دستخط ہیں؟ یہ کہہ کر ان کی آواز بھرا گئی۔ پاکستان کے کئی نوٹوں پر دستخط کرنے والے تو بے شمار تھے اور ہوں گے مگر یہ عزت کس کو ملے گی؟ کون ان کے دستخطوں سے جاری ہونے والے نوٹ کو سینے سے لگا کر رکھے گا۔ پیسہ تو ہاتھ کی میل ہوتا ہے مگر ایم ایم احمد کا جاری کردہ ہاتھ کا میل بھی محبت کرنے والوں کی آنکھ کا سرمہ بن گیا۔ایں سعادت بزور بازو نیست۔ یہ سارا شرف اس خاندان کا ہے جس کی ایک شاخ کے وہ وجود تھے۔

ہمیں ذاتی طور پر صرف دو ایک بار ان سے ملاقات کا شرف ملا۔ایک بار تو لاہور میں جب یہ

ایڈیشنل چیف سیکرٹری تھے۔ان کے والد گرامی کا بھیجا ہوا ایک بند لفافہ تھا۔جو ہمیں ان کی خدمت میں پہنچانا تھا۔ہم دفتر میں پہنچے، پی اے کو اپنے نام کی چیٹ دی۔اس نے ہمیں ایک طرف بٹھا دیا کہ صاحب مصروف ہیں۔ہم نے کہا بھی کہ ضروری خط ہے اور ہمیں واپس جانے کی بھی جلدی ہے مگر صاحب وہ ایڈیشنل چیف سیکرٹری کا پی اے تھا اس پر ہماری بات خاک اثر کرتی۔ بیٹھے انتظار کھینچتے رہے۔اتنے میں ایم ایم احمد اپنے کسی ملاقاتی کو رخصت کرنے دروازہ تک آئے تو ان کی نظر ہم پر پڑی۔جانتے تھے کہ ہم ان کے ابا کے خادم ہیں۔باہر چلے آئے پوچھا آپ کب آئے اور کیا کام ہے؟ ہم نے وہ خط ان کے حوالہ کیا اور جواب کا مطالبہ کیا۔ہمیں اپنے ساتھ اندر لے گئے۔ چائے پانی کا پوچھا۔اپنے والد گرامی کا خط پڑھا جواب لکھا بند کیا، ہمارے حوالے کیا اور دروازہ تک ہمیں چھوڑنے آئے۔پی اے حق حیرانی سے ہمیں دیکھتا رہا کہ کون شخص ہے اور اس کا اتنے بڑے سرکاری افسر سے کیا تعلق ہے؟

دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب ان کے والد ماجد کا انتقال ہوا۔لوگ تعزیت کے لئے حاضر تھے مصافہ ہو رہا تھا۔ہماری باری آئی تو ایم ایم احمد نے گیلی آنکھوں سے ہمیں دیکھا اور لپک کر گلے لگالیا۔کوئی بات ہم نے کی نہ آپ نے کیا۔ایک ملاقات یہاں امریکہ کی بیت الرحمن میں ہوئی۔نماز کے لئے ہم مسجد میں داخل ہوئے تو ساتھ ہی امیر صاحب بھی داخل ہوئے۔آپ نے ہمیں دیکھا، نظریں ملیں، مصافہ کیا لب ہلے، شاید سلام کیا تھا مگر ہم نے الفاظ نہیں سنے۔ایسی غیر ملفوظ محبتیں ہم نے ان کے سوا دوسروں میں نہیں دیکھیں۔آنکھوں کی ملائمت سب کچھ کہے دیتی تھی۔اگلے روز ان کی بھانجی نے بتایا کل گھر میں آپ کے ربوہ والے مضمون کا ذکر کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے میں نے اس مضمون والے کو بیت االرحمٰن میں دیکھا ہے۔مضمون برسوں پہلے رسالہ خالد میں پھر الفضل میں دوبارہ چھپا تھا۔لاہور میں ’’ہماری بستی کے پچاس سال‘‘ والا مضمون بھی ان کی نظر سے گزرا تو تحسین کے الفاظ کہے۔ایم ایم احمد کو بھی اس بستی سے وہی لگاؤ تھا جو ہم سب کو

ہے۔ ان کا وقت موعود امریکہ میں آ گیا۔ بڑی دیر سے علیل تھے علاج معالج کی بھلا ان کے لئے کیا کمی تھی؟ مگر جان تو جان آفریں کے سپرد کرنی ہے کردی اور اب ان کی مٹی اسی زمین کو واپس بھیجی جا رہی ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔ اپنے وطن کی مٹی کو اوڑھ کر سو جائیں گے۔

سو جائیں گے اک روز زمیں اوڑھ کے ہم بھی
تمہاری نیکیاں زندہ تمہاری خوبیاں باقی !!

(بحوالہ النور جولائی۔ اگست 2022ء صفحہ 19 تا 21)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کے محاسن کا تذکرہ

(سید ساجد احمد صاحب امریکہ)

بڑے لوگوں کے بارے میں پڑھنے، سننے اور دور سے دیکھنے سے ان کے بہت سے کارناموں اور اوصاف سے آگاہی تو ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کی شخصیت کا وہ ادراک نہیں ہوتا جو ان کے ساتھ واسطہ پڑنے سے ہوتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بھی ایک ویسی ہی شخصیت تھے۔ گو وہ دنیاوی لحاظ سے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ اور دینی لحاظ سے بھی ان کا مذہبی دنیا کے ایک مقتدر خاندان سے تعلق تھا۔ باوجود ان سب فضیلتوں کے وہ ہر کس و ناکس سے ہمدردی اور پیار سے ملتے اور پوری توجہ سے بات سنتے گویا کہ اس وقت اس گفتگو سے زیادہ اہم کوئی اور معاملہ ہی نہ ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے امریکی دوروں کے دوران دارالحکومت میں انہی کی

رہائش گاہ پر فروکش ہوتے رہے۔انہیں ملنے کے لئے کیا امیر کیا غریب، کیا ادنیٰ کیا اعلیٰ، ایک جم غفیر جمع ہو جاتا۔لیکن ان کے گھر کے دروازے کشادہ رہتے اور ہر کسی کی آؤ بھگت اور خوش آمدید ہوتی۔اس لحاظ سے ان کا نمونہ دنیا کے دوسرے بڑے لوگوں سے مختلف تھا۔جن کے گھروں میں بڑوں کے تو بہت چکر لگتے ہیں۔مگر ان کے دروازے بس بڑوں کے لئے کھلتے ہیں۔میرا صاحبزادہ ایم ایم احمد صاحب سے غائبانہ تعارف اسی وقت سے ہو گیا تھا جب میں نے بچپن میں اخبار پڑھنا شروع کیا تھا۔صاحبزادہ مرحوم پاکستان کی انتظامیہ میں بڑے بڑے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ اور اپنے کام کو ایسی ذمہ داری اور عمدگی سے ادا کیا کہ باوجود مخالفین کی مسلسل کوششوں کے نہ صرف وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے بلکہ بدلتی ہوئی حکومتوں اور ایک دوسرے کے شدید معاند حکمرانوں کے باجود ان کی حیثیت کا نہ بدلنا ان کی ملک کے لئے ضرورت اور ان کی خداداد قابلیت کی بڑی واضح دلیل ہے۔

پاکستان میں ایک دفعہ جب انہوں نے پانچ سالہ اقتصادی منصوبہ ریڈیو پر سارے ملک کے سامنے پیش کیا تو میں نے بھی چھوٹی عمر کے باوجود اپنے والد کے ہمراہ بڑے شوق سے سنا۔ان کی آواز میں ان کے والد محترم کی آواز کا رعب جلال اور دبدبہ تھا۔اور وہی کھنک تھی جو اس آواز کے پیچھے پوشیدہ عزم اور اعتماد کی لہر سامعین کے دلوں پر ثبت کر دیتی تھی۔ان کی ریڈیو پر ان تقریروں سے ان کے والد مکرم کی مرکزی سالانہ جلسوں پر پُر شکوہ تقریروں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ان کی زبان اور آواز کا یہ طرز ان کی زندگی کے آخری دنوں تک قائم رہا۔اور ان کے سلسلہ احمدیہ کی حقیقت پر یقین اور ایمان کا آئینہ رہا۔

ابھی مجھے امریکہ نقل مکانی کئے چند مہینے بھی نہیں گذرے تھے کہ فروری 1978ء میں مَیں نے ایک خواب میں دیکھا کہ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد مرحوم نے مجھے ایک خوبصورت اور قیمتی قلم عطا فرمایا ہے۔اس وقت ان کی عمر 65 تھی اور نہ ہی میرا ان سے کوئی رابطہ تھا۔میں فزکس پڑھا ہوا تھا

اور وہ اقتصادیات اور انتظامیہ کے ماہر تھے۔ میں نوجوان تھا وہ بڑی عمر کے تھے۔ نہ ہی میرے پاس کوئی ایسی دینی یا دنیوی ذمہ داری تھی جس کا ان سے کچھ تعلق ہوتا۔ کوئی ایسی صورت سامنے نہ تھی جو اس خواب کے پورا ہونے کا سبب بن سکتی۔ میں نے اس خواب کو اپنی ڈائری میں لکھا اور تھوڑے عرصہ بعد یہ خواب گو ڈائری میں محفوظ ہو گیا لیکن میرے ذہن سے محو ہو گیا۔

ان کی وفات سے کچھ عرصہ ہی پہلے میں نے اپنی پرانی ڈائریاں جمع کیں تو ان کے اوراق پر اتفاقاً نظر ڈالتے ہوئے یہ خواب نظر پڑا تو شیشۂ دل خداوند باری کی حمد وثنا سے لبریز ہو گیا ان کے لئے دل سے بہت دعائیں نکلیں اور شکر الٰہی کے طور پر اس ضمن میں ان کی خدمت میں بھی ایک عریضہ خواب کے ساتھ دعا کے لئے ارسال کیا یہ خواب بفضل خدا ان کی زندگی میں ہی کئی رنگ میں کئی بار پوری ہوئی فالحمدللہ۔ ان سے میرا پہلا رابطہ اس وقت ہوا جب مجھے واشنگٹن میں بطور نیشنل قائد خدام مجلس عاملہ کا اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ان کے منہ بولے بیٹے مکرم ظاہر مصطفی قائد تھے۔ انہوں نے اپنے گھر اجلاس کا انتظام کیا۔ اجلاس بخوبی منعقد ہوا۔

پھر آپ جماعتہائے احمدیہ امریکہ کے امیر مقرر ہوئے اور مجھے 1989ء تک ان کے ساتھ بطور صدر خدام الاحمدیہ امریکہ خدمتِ دین کا موقع میسر آیا۔ صاحبزادہ مرحوم کی امارت کے دور میں جماعت احمدیہ امریکہ نے اموال میں جو برکت دیکھی اس میں بفضل خدا مجلس خدام الاحمدیہ نے بھی حصہ پایا اور خدام امریکہ کا بجٹ بھی خاص برکتیں دیکھنے لگا۔ خدام الاحمدیہ کے کاموں میں مجھے ان کی پوری مدد اور ہمدردی حاصل رہی۔

صاحبزادہ مرحوم کے دور امارت میں ہی مجھے کئی سال تک امریکی انصار کے رسالے النحل کی ادارت میں تعاون کرنے کی ذمہ داری ملی۔ یہ رسالہ بفضل خدا قارئین میں خوب مقبول ہوا۔ انہی کے دور امارت میں مجھے مجلس انصار اللہ امریکہ کے شعبۂ اشاعت کا قلمدان بھی دیا گیا۔ انہی کے ارشاد اور رہنمائی کے مطابق امریکہ میں مجلس انصار اللہ کی کارکردگی کی رپورٹیں قلم بند کرنے کا بھی

موقع مجھے بفضل خدا میسر آیا۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ امریکہ کی ذیلی تنظیموں کے کام کی بیرون ممالک اشاعت ہو بلکہ امریکی تنظیموں کا دوسرے ممالک کی تنظیموں سے تعاون اور دوستی کا رابطہ قائم ہو۔

1998ء میں انہوں نے کمال مہربانی سے رسالہ ''مسلم سن رائز'' کی ادارت کا اعزاز مجھے عطا کیا۔ جسے 1921ء میں امریکہ میں سب سے پہلے مربی حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اعلائے کلمہ حق کے لئے شائع کرنا شروع کیا تھا۔ مجھے انہوں نے اس بات کی ہدایت دی کہ اس میں سلسلہ عالیہ پر اعتراضات کے جوابات باقاعدگی سے شائع ہوں۔ انہیں اس امر کا پوری طرح احساس تھا کہ آج کے بچوں نے کل قومی خدمت کا بوجھ اٹھانا ہے اور اس ذمہ داری کے ادا کرنے کو تیار کرنے کے لئے ان کی مناسب تعلیم و تربیت ضروری ہے۔ چنانچہ وہ اکثر اپنی تقریروں میں اس بات کا ذکر فرماتے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کی ضرورت و اہمیت اپنے دل نشیں انداز میں سمجھاتے۔ اسی لئے جب میں نے ان کی خدمت میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک رسالے کے جاری کرنے کی تجویز پیش کی تو انہوں نے نہ صرف میری تجویز سے پورا اتفاق کیا بلکہ اس کی افادیت اور مقبولیت بڑھانے کے لئے کئی قابل عمل اور مفید مشورے دیئے۔ اور خدام اور لجنہ کے صدروں کو مشورہ میں شامل کرنے کا ارشاد فرمایا۔ تاکہ اس مجلّے کو ان دونوں تنظیموں کی پوری اعانت اور سرپرستی حاصل ہو جن کے ذمہ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اہم کام ہے۔ لجنہ اور خدام کے صدروں کی صوابدید کے بعد آپ نے رسالہ کے بارے میں پیش کی گئی تجاویز کا جائزہ لیا اور اس رسالے کی سرپرستی اور عمدہ انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر فرمائی جس میں دو مربیان کے ساتھ ساتھ خدام اور لجنہ کے صدروں کے علاوہ دونوں تنظیموں میں سے ایک ایک قابل رکن مقرر فرمائے اور مجھے اس کمیٹی کے سیکرٹری کی ذمہ داری عطا فرمائی۔

جب اس رسالے کا نام رکھنے کا معاملہ زیر بحث آیا تو بہت سارے نام پیش ہو گئے۔ یہ سب

نام آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ اوراس رسالے کوآپ کا چنا ہوا نام ''الہلال'' دیا گیا۔ اور اسی نام سے یہ رسالہ آپ کی زندگی میں ہی شائع ہونا شروع ہو گیا۔ الحمد للہ۔

صاحبزادہ ایم ایم احمد مرحوم امریکہ میں پہلے امیر تھے جو مربی نہ تھے۔ میں نے جب بھی کوئی معاملہ ان کے سامنے پیش کیا وہ ہمیشہ پہلے اس کے بارے میں دفتری رپورٹ منگواتے اور سب حقائق کو سامنے رکھ کے فیصلہ کرتے اور جماعت کی فلاح و بہبود اوراس کے مستقبل میں کامیابی کو مطمح نظر بناتے ہوئے فیصلہ فرماتے۔

میں جب بھی ان سے ملتا وہ پوری توجہ سے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھاتے۔ پوچھنے کے لئے سوال ان کے پاس پہلے سے ہی تیار ہوتے اور جو مشورے اور ہدایات انہوں نے مجھے دینا ہوتیں وہ بھی مستحضر ہوتیں۔ اور مجھے ایسا احساس ہوتا کہ گویا وہ عرصے سے مجھے ملنے کا انتظار کر رہے تھے۔ بطور امیر جتنے لوگوں سے ان کی ملاقات تھی اور جتنے مسائل اور کام اس سلسلے میں ان کے سامنے تھے۔ ان کی روشنی میں ایک فرد کے دل میں اس کی طرف اپنی توجہ کا یہ احساس پیدا کر دینا بہت اعلیٰ اخلاق اور خداداد قابلیت کا آئینہ دار ہے۔

آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی بہبودی اور ترقی کی ہر تجویز کو پوری غور وفکر سے جانچتے چاہے وہ تجویز کسی کی طرف سے کیوں نہ ہو۔ آپ کی عمر 76 سال تھی جب آپ کو جماعت احمدیہ امریکہ کی امارت کی بھاری ذمہ داری سپرد کی گئی۔ جسے آپ نے تقریباً 12 سال تک بہت خوش اسلوبی اور بہت سے کامیابیوں کے ساتھ نبھایا۔ انہوں نے جماعت کے نظام کو مضبوط کیا اوران کے عہد میں جماعت اوراس کی ذیلی تنظیموں نے کئی ریکارڈ قائم کئے۔ اتنی بڑی عمر میں خدمت کا ایسا شاندار موقع ملنا جہاں خداوند کریم کی رحمت و فضل کا ایک زندہ نشان ہے وہاں وہ ہماری جماعت کے عمر رسیدہ اور ریٹائرڈ دوستوں کے لئے ایک نمونہ بھی ہے کہ اگر وہ کمر ہمت کس لیں بفضل خدا بڑے بڑے کارنامے اپنے مقام اور مرتبے کے مطابق سر انجام دے سکتے ہیں۔ گو ان سے میرے

تعلقات ایک لمبے عرصے پر حاوی نہ تھے لیکن میں یہ لکھنے سے رہ نہیں سکتا کہ میں نے انہیں ہمیشہ غیر جانب دار اور بے نفس پایا اور اپنے دل میں ہمیشہ ان لوگوں کے لئے حیرت کے جذبات پائے جنہوں نے ان کے احمدی ہونے کی وجہ سے ان پر ناحق الزامات لگانے کی جرأت کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جیسے اس جہان میں صاحبزادہ مرحوم نے اپنے دل، ذہن اور کردار کو ہر کدورت سے پاک رکھا، خداوند کریم ایسے ہی انہیں اگلے جگ میں بھی حوض کوثر کے پاک وصاف چشمے کے جام پلائے گا۔(بحوالہ الفضل ربوہ 24 جولائی 2003ء صفحہ 5)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

غیر معمولی انتظامی صلاحیت کی حامل شخصیت

(امتیاز احمد راجیکی صاحب)

برسوں پہلے کی بات ہے۔ میں نے فون کیا: ''حضرت میاں صاحب، میں امتیاز راجیکی فلاڈلفیا سے عرض کر رہا ہوں۔ ایک ذاتی مشورے اور دعا کے لئے حاضر ہونا چاہتا ہوں''۔ ''ضرور، جب چاہیں تشریف لے آئیں''۔ ایک متانت اور شفقت سے بھرپور نحیف سی آواز کانوں میں گونجی۔ میں اس اچانک مراد برآنے پر متعجب ہو مجھے امید نہ تھی کہ دنیا کی ایک عظیم شخصیت، جو دینی و دنیاوی ہر دو لحاظ سے ایک منفرد مقام اور مرتبے کی حامل ہو اور جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی امارت کے کٹھن منصب کی بجا آوری میں ہمہ تن مصروف ہو، مجھ جیسے عاجز اور بے بضاعت شخص کو اتنی آسانی سے شرف باریابی عطا کرنے پر راضی ہو جائے گی۔ میں نے دوبارہ کچھ شرمندہ سا ہو کر معذرت خواہانہ انداز میں عرض کیا'' ''میرا مطلب ہے، آپ کی بے حد قیمتی مصروفیات میں سے کسی وقت چند منٹ لے سکتا ہوں''۔ ''ہاں ہاں، کیوں نہیں، آپ دور سے آ رہے ہیں۔ جس وقت آپ کو سہولت ہو، آ جائیں۔ میں ہر وقت

حاضر ہوں''۔ پھر وہی شفیق آواز میرا حوصلہ بڑھانے لگی۔ چنانچہ اپنے سفر کا اندازہ کر کے میں نے ملاقات کا ایک وقت طے کر لیا اور اسی روز امریکہ کے دارالحکومت واشنگٹن کے نواح میں پوٹا مک (میری لینڈ) میں واقع آپ کی کوٹھی پر حاضر ہو گیا۔ ضروری مشورے اور درخواست دعا سے فارغ ہو کر واپس لوٹا تو دل عجیب تشکر اور طمانیت کے جذبات سے لبریز تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں حسن واحسان والی کیسی شفیق ہستی کے زیر سایہ رکھا ہوا ہے اور نظام جماعت کے ذریعے ہمیں گویا ایک ہی وجود بنا دیا ہے جس کا ہر دکھ سکھ سانجھا ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات نہ تھی۔ اس سے پہلے اور بعد میں بھی کئی بار آپ سے شرف مصافحہ نصیب ہوا اور آپ کی قربت کی سعادتیں لوٹیں۔ اگر چہ براہ راست آپ کی ماتحتی میں کسی خدمت کا اعزاز حاصل نہ ہوا۔ مگر پچھلے دس بارہ سالوں میں جب بھی موقع ملا۔ آپ کے فیض صحبت کے کچھ نہ کچھ موتی چننے کا فخر ضرور حاصل ہوتا رہا۔

حضرت میاں صاحب مرحوم کی شخصیت ایک ہمہ جہت، ہمہ رنگ، ہمہ ذوق شخصیت تھی۔ اس کے کسی بھی پہلو پر اظہار خیال کرنا بلا مبالغہ سورج کو چراغ دکھانے والی بات ہے۔ ایک ایسی شخصیت جو کبھی ایک عظیم مدبر، مفکر، محقق، مقرر، معلم اور منتظم کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ کبھی ایک مشیر، سفیر، وزیر اور امیر کا روپ دھار لیتی ہے۔ کبھی ریاضی کی گتھیاں سلجھا رہی ہے۔ کبھی اقتصادیات کے سبق سکھا رہی ہے۔ کبھی سیاست کے میدان کارزار میں معرکہ زن ہے تو کبھی انتظامیہ کی استاد و رہنما بنی ہوئی ہے۔ کبھی پورے کے پورے ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہے تو کبھی امام وقت کے ادنیٰ چاکر کی حیثیت سے خدمت دین میں ہمہ وقت مصروف ہے۔ غرض آپ ایک ایسی تہہ در تہہ شخصیت تھے جس کی ہر تہہ الٹنے پر ایک نیا جہاں دکھائی دیتا ہے ایک ایسی ہمہ گیر کتاب حیات تھے جس کا ہر ورق پلٹنے پر نیا باب نمودار ہو جاتا ہے۔ ایک ایسی انجمن جس کی ہر محفل باذوق، ایک ایسا پھول جس کی ہر خوشبو لازوال اور ایک ایسا رنگ جس کا ہر پہلو خوشنما۔ اس انجمن

کے تذکروں، اس رنگ و بو کی رعنائیوں، اس حسن و احسان کی لذتوں میں لوگ مدتوں ڈوبے رہیں گے۔ لکھنے والے اپنی خیال آرائیوں کے دامن بڑھاتے چلے جائیں گے اور پڑھنے سننے والے اپنے آتش شوق کو بھڑکاتے چلے جائیں گے۔ مگر انجام محفل اس حسرت کے سوا کچھ نہ ملے گا کہ 'حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا'

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس عاجز کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ پچھلے دس بارہ سالوں میں امریکہ میں منعقد ہونے والی تقریباً ہر مجلس شوریٰ میں شرکت کی توفیق پائی۔ چند ایک بار رکن شوریٰ کی حیثیت سے مگر زیادہ تر ایک زائر اور ادنیٰ خادم کے طور پر۔ اس دوران میں خصوصیت سے مجھے حضرت صاحبزادہ صاحب کی شخصیت، آپ کے حسن کردار، نظم و ضبط، آپ کے تحمل، بردباری، معاملہ فہمی، دور اندیشی، فہم و بصیرت، علم و حکمت، خلافت احمدیہ اور نظام جماعت کے احکامات وارشادات کو حقیقی گہرائی سے سمجھ کر پورے تدبر اور بصیرت کے ساتھ ان کی ترویج و تدوین اور ان پر عمل درآمد کے بندوبست کو دیکھنے کا موقع ملا۔ میں سمجھتا ہوں۔ حضرت میاں مظفر احمد صاحب کا صرف یہی کارنامہ آپ کو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ سنہری حروف سے محفوظ کرنے کیلئے کافی ہے کہ کس طرح آپ نے امریکہ جیسے ملک میں خلافت کے بعد سب سے اہم ادارے یعنی ''شوریٰ'' کو استحکام بخشا۔ اور اپنی اولوالعزم فراست اور تدبر سے اسے ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ مستقبل کے مورخین ہی نہیں، اگر حال کے ناقدین اور علم کے متلاشی حضرات بھی نظام شوریٰ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہیں تو میں سمجھتا ہوں۔ حضرت میاں صاحب کی زیر صدارت امریکہ میں منعقد ہونے والی شوریٰ کی کارروائیوں کے ٹیپس ایک انمول خزانہ ہیں۔ امریکہ کو خدا تعالیٰ نے کئی لحاظ سے اولیت اور فضیلت عطا فرمائی ہے۔ جس طرح دنیاوی معاملات میں اس کی تحریکات کے دوررس نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح جماعتی لحاظ سے بھی یہاں کی تحریکات اور قربانیوں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ان تمام کارروائیوں کو یکجہتی اور مرکزیت کے تحت باریک بینی اور حسن

انتظام کے ساتھ مستقل نبیادوں پر استوار کر دینا ایک کٹھن اور دشوار گزار کام ہے۔ حضرت میاں صاحب نے امریکہ میں جہاں نظام جماعت کے دوسرے شعبوں کو ایک فعال، مثبت اور منضبط طریق پر مستحکم کیا، وہاں خصوصیت سے شوریٰ کے نظام کو اپنی حقیقی دینی روح اور جماعتی منشاء کے مطابق ڈھال دیا۔ امریکہ کی اس کامیابی میں حضور انور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خصوصی توجہ اور راہنمائی میں حضرت میاں صاحب مرحوم کی ذاتی شخصیت نے غیر معمولی کردار ادا کیا۔ آپ کے مزاج اور منتظمانہ تربیت کے خاص رنگ اور آپ کے لئے احباب جماعت کے دلوں میں خصوصی احترام، محبت اور وفا کے جذبے نے اس ''جوئے شیر'' کو آسان بنا دیا۔

مجلس شوریٰ کے اجلاسوں کے دوران میں جب میں میاں صاحب محترم کو دیکھتا تو عقل دنگ رہ جاتی کہ اسی سال سے تجاوز کئے ہوئے، نحیف ونزار وجود اپنے جھکے ہوئے کندھوں اور خمیدہ کمر پر کس قدر کوہ گراں اٹھائے ہوئے ہے۔ آپ تینوں دن تمام اجلاسوں میں اول سے آخر تک شامل رہتے اور وقفوں کے دوران میں بھی پل بھر کے لئے آرام نہ لے پاتے۔ مسلسل صدران اور نمائندگان سے انفرادی ملاقاتوں میں انہیں ضروری ہدایات سے نوازتے رہتے۔ یہ تو صرف تین دن کی کارروائیاں تھیں جن کا ہم کبھی کبھار ملنے والے مشاہدہ کر پاتے۔ مگر اس کے پس منظر میں ان اجلاسوں کی تیاری اور بعد ازاں ان کی رپورٹنگ اور ان پر عملدرآمد کا مستقل جائزہ لینے میں اس پیر مغاں کی کتنی بے قرار راتیں اور دن صرف ہوتے، یہ سوچ سوچ کر میرا ذہن کھولنے لگ جاتا۔ ان سارے امور کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فی الحقیقت شوریٰ کے اجلاسوں کو کنڈکٹ کرنا غیر معمولی عرق ریزی اور محنت کا کام ہے۔ اس میں ہمہ نوع افراد شامل ہوتے ہیں۔ مختلف رنگ ونسل، عمر و مزاج اور تعلیم و تربیت کے حامل افراد۔ مگر ان میں ایک چیز بہر حال مشترک ہوتی ہے اور وہ ہے خلوص نیت، نظام جماعت سے وفا اور اطاعت اور ایک صاحب بصیرت امیر،

اپنے تدبر اور معاملہ فہمی کی بنا پر ان کی انہیں خوبیوں کے پیش نظر ان مختلف الخیال آراء سے بہترین رنگ میں فائدہ اٹھاتا ہے۔حضرت امیر صاحب مرحوم میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی۔آپ میں حد درجہ تحمل، بردباری اور نظم وضبط تھا، بڑی خوش خلقی اور دلجمعی سے مقررین کی آراء سنتے۔ایک لحاظ سے انہیں کھل کر اظہار خیال کا موقع دیتے اور مناسب مقام پر حدود وقواعد کا پابند بھی فرما دیتے۔غیر ضروری مباحث پر فوراً کنٹرول کرتے تاکہ وقت کا ضیاع نہ ہو بلکہ اس کا بہترین مصرف ہو۔اور انفرادی طور پر اس رنگ میں اصلاح فرماتے کہ کسی کی دلشکنی بھی نہ ہو۔وضاحت طلب امور پر دوران تقریر ہی مقرر سے سوال بھی فرماتے اور متعلقہ سیکرٹریان کو ریمارکس پیش کرنے کے لئے بلا لیتے۔ایک موقع پر مجھے بھی اس کا ملا جلا تلخ وشیریں تجربہ ہوا۔میں نے ایک تجویز مختلف رنگ میں پیش کی۔آپ نے متعلقہ سیکرٹری صاحب سے رپورٹ طلب فرمائی اور میرے نکتہ نظر کی تفصیل کے لئے استفسار شروع کردیا۔میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔کیونکہ میرے پاس صرف ایک آئیڈیا تھا، اس کی تفصیلات نہیں تھیں۔عام طور پر آپ کی مقرر کردہ سب کمیٹیوں کی رپورٹس اور تجویزات بڑی مدلل،موزوں اور حسب ضرورت حال ہوتیں اور انہیں قبول کرلیا جاتا۔ تاہم اجلاس عام میں جب انہیں پیش کیا جاتا اور نمائندگان کی رائے لی جاتی تو عندالضرورت ان تجاویز میں مناسب ترمیم وتبدل بھی فرماتے؟ بلکہ ایک بار آپ نے ایک سب کمیٹی کی تجاویز کو کلیۃً رد فرمادیا کہ جس مقصد کے تحت ایجنڈے میں سفارشات رکھی گئی تھیں،اس کی طرف کماحقہ توجہ نہیں دی گئی۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس کے بغیر بھی اگر کوئی تجویز سامنے آتی تو آپ اس کا فوری نوٹس لیتے اور مناسب کارروائی کرتے۔ایک دفعہ میں نے شوریٰ کے اختتام کے بعد ایک امر پر تحریری اظہار خیال کیا۔آپ نے بڑی شفقت سے اس کا جائزہ لیا اور اپنے ہاتھ سے ایک مختصر نوٹ لکھ کر رائج طریق کی وضاحت فرمائی۔

2001ء میں آپ نے آخری بار مجلس شوریٰ میں شرکت فرمائی۔ بے حد کمزوری اور ضعف کے باوجود پوری چابکدستی اور بیدار مغزی سے تمام دنوں کی مکمل کارروائیوں میں حصہ لیا مگر جسمانی طور پر آپ بہت نحیف ہو چکے تھے اور زیادہ اٹھک بیٹھک اور چلنے پھرنے میں دشواری محسوس کرتے تھے۔ اس سال، امیر اور مجلس عاملہ کے انتخابات بھی تھے۔ آپ کا ہمیشہ سے یہ طریق رہا کہ دوران الیکشن آپ کرسی صدارت سے اتر آتے اور نیچے آ کر عام ممبران کے ساتھ بیٹھتے، مگر اس دفعہ پہلی بار آپ نے معذرت فرمائی اور بڑی عالی ظرفی سے اجلاس کے سامنے اپنی ناگزیر مجبوری کا اظہار کیا۔ یہ آپ کی بہت کریمانہ محبت اور عظمت کردار کی عجیب عاجزانہ شان تھی کہ نہایت عالی مرتبت ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج، غریب پرور اور شفیق ہستی تھے۔ اسی منکسر المزاجی اور عاجزی کے تحت بہت سال پہلے آپ نے ایک تجویز رکھی اور پھر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے اس کی اجازت طلب فرمائی کہ جماعت ہائے احمدیہ امریکہ بھی مالی قربانی میں آگے بڑھے اور کسی ایک چندے میں باقی دنیا کی جماعتوں سے سبقت لے جائے۔ اس مقصد کے تحت آپ نے ''وقف جدید'' کو چنا اور اس کے لئے بڑے منظم طریق پر کوششیں شروع کر دیں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی ان عاجزانہ کوششوں کو اس طرح نوازا کہ امریکہ نہ صرف ''وقف جدید'' کے چندے میں باقی دنیا پر سبقت لے گیا بلکہ چند سالوں کے اندر اندر مجموعی مالی قربانی میں بہت آگے بڑھ گیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو آپ کی نصائح سے پر تقاریر کا ایک طویل سلسلہ ہے جو آپ نے جلسہ سالانہ، اجتماعات اور شوریٰ کے اجلاسوں سے فرمایا۔ اس میں خصوصیت سے سیرت وحیات طیبہ حضرت اقدس مسیح موعود کے موضوع پر آپ کے بلند پایہ خطابات ایک عجیب شان کے حامل ہیں۔ ان میں اتنا جذب، چاشنی اور گہرائی پائی جاتی ہے، جو بہت کم مقررین کو حاصل ہے۔ آپ بہت دھیما، الفاظ کے اتار چڑھاؤ اور آواز کے زیر و بم سے مبرا بظاہر بے حد سادہ انداز اختیار کرتے، مگر درحقیقت اپنے اثر اور دیرپا نقش میں وہ روح کی

گہرائیوں میں اتر جانے والا انداز ہوتا آپ عام طور پر لکھی ہوئی تقریر کرتے جس کا ایک ایک لفظ گویا نگینوں کی طرح پرویا ہوتا۔ ایسے محسوس ہوتا کہ اس میں کسی شے کا اضافہ کیا جا سکتا ہے نہ کوئی موتی اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ میں نے بڑے بڑے پراثر شعلہ بیان مقرروں کو سنا ہے جو یقیناً محفل میں سماں باندھ دیتے ہیں۔ مگر حضرت میاں صاحب جیسی دلکشی اور دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی باتیں بہت کم سنی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا یہ آپ کے خالص، سچے اور بے لوث دل کی باتیں تھیں، جو براہ راست سننے والے کے دل میں اترتی جاتیں۔ اس کی کوئی تشریح کوئی توضیح، کوئی تصریح ممکن نہیں۔ اسے فصاحت و بلاغت کے کسی معیار پر پرکھا نہیں جا سکتا بلکہ حقیقتاً وہ خود ہی ایک معیار تھا، اپنی سچائی کا، اپنے سچے عاشقانہ جذبوں کا۔ آپ اپنے خطابات کے آخر میں بہت خوبصورت نصائح کرتے اور دعاؤں کی تلقین فرماتے جو سننے والوں کے رگ و پے میں نئی امنگوں، نئے ولولوں کا باعث بنتیں۔ ایک عزم نو کو جنم دیتیں اور اتنی خوبصورتی اور مضبوطی سے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتیں کہ بے ساختہ کوئی آنکھ بھیگے بغیر نہ رہ پاتی۔

آج بھیگی ہوئی آنکھوں نے اپنے محبوب امیر کو فردوس بریں کے سفر پر روانہ کر دیا۔ آپ کی ان حسین یادوں اور قیمتی ورثے کو سینوں سے لگائے ہوئے۔ جو اس نابغہ روزگار وجود نے قادیان کے روحانی ماحول میں پرورش پا کر اس حسن تربیت کے ثمر کو ہم تک پہنچایا۔ عمر بھر ہمارے ہر دکھ سکھ کو اپنے فیض رحمت سے سیراب کیا اور جماعت کو ایک ایسی لڑی میں پرو دیا جس کا ہر موتی ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو صیقل ہوتا جاتا ہے۔ اپنے حسن اور چمک دمک میں نکھرتا جاتا ہے۔ یہ حسن، یہ چمک، یہ نکھار یقیناً عرش معلیٰ پر آپ کے درجات کی بلندی اور تابانی کا باعث بنے گا اور اس محسن اور مظفر و منصور وجود کے لئے آغوش رحمت باری کو وا کرنے کا سبب ہوگا۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

ایک خادم کی خوبصورت یادیں

(مکرم محمد صدیق بھٹی صاحب۔امریکہ)

مجھے ساڑھے پانچ سال سے کچھ زیادہ عرصہ حضرت میاں صاحب کے پاس ڈیوٹی کرنے کا موقعہ ملا۔میں نے حضرت میاں صاحب کو بہت ہی پیارا روحانی باپ سمجھ کر ڈیوٹی کی۔میں پہلی دفعہ 6 مئی 1994ء کو حضرت میاں صاحب کے پاس ڈیوٹی کرنے پہنچا اس وقت ان کی آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا اور وہ دفتر والے کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو گئے اور پھر جماعتی کاموں میں دن رات مشغول ہو گئے کیونکہ اسی سال حضرت صاحب نے بھی دورہ پر آنا تھا۔تقریباً ہر روز میٹنگ کبھی گھر میں کبھی بیت الذکر میں ہوتی۔خدا کے فضل سے مکمل صحت یاب بھی ہو گئے لیکن عمر کے لحاظ سے اور ورزش وغیرہ بالکل نہ ہونے کی وجہ سے کمزور تھے بلکہ کمزوری نے اپنی جگہ اس وقت سے ہی بنالی تھی۔

حضرت میاں صاحب کا دسترخوان ماشاءاللہ بہت بڑا تھا ہر وقت کوئی نہ کوئی مہمان موجود ہوتا مقامی خاندان کے علاوہ جماعتی اور دوسرے دوست بھی اکثر آتے رہتے۔اور میاں صاحب مہمانوں کے آنے پر خوش ہوتے طبیعت بہت ہی نفیس تھی ہر روز صبح اٹھ کر تیار ہوتے اپنے ہی کمرے میں چھوٹا سا دفتر بنایا ہوا تھا اور کام شروع کر دیتے یہ بات آج سے ڈیڑھ سال پہلے کی لکھ رہا ہوں۔پاکستان سے بھی ان کے پرانے دوستوں میں سے اگر کوئی امریکہ آتا تو حضرت میاں صاحب سے ضرور ملنے آتا میاں صاحب بھی بہت خوش ہوتے اور مہمان دوست تو اور بھی خوش ہوتے۔

اسی طرح انٹرویو کرنے کے لئے بھی دو تین دفعہ لوگ آئے۔حضرت میاں صاحب ان سے خندہ پیشانی سے ملتے اور ان کی مہمان نوازی کرتے۔حضرت میاں صاحب کی ایک عادت بہت

خوب تھی خود بہت کم بولتے تھے اور دوسروں کی بہت سنتے تھے یہاں امریکہ میں بھی بہت دوست تھے جناب معین قریشی صاحب جناب اعظم زئی صاحب اور جناب ڈاکٹر حیدر صاحب۔ ان سے بہت پیار تھا۔ ہر ہفتے رات کو انہیں کھانے پر بلاتے بلکہ اگر وہ نہ آتے تو فون کر کے بلاتے ڈاکٹر صاحب بھی حضرت میاں صاحب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے خاندان والوں سے بھی بہت پیار تھا اکثر کسی نہ کسی کی دعوت کرتے رہتے کوئی پاکستان سے خاندان کا فرد آ جاتا تو ضرور کھانے پر بلاتے۔ میں حضرت میاں صاحب کی زیادہ خدمت تو نہ کر سکا لیکن اس کے باوجود حضرت میاں صاحب نے ایک سال کے دوران مجھے بڑی دعائیں دیں صدیق میں تمہارا بڑا مشکور ہوں۔ صدیق خدا تمہیں ہرا رکھے وغیرہ۔ حضرت بڑی بی بی صاحبہ صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ جن کا میں ذکر نہ کروں تو زیادتی ہوگی حضرت بڑی بی بی صاحبہ نے جو خدمت کی ہے ایسی خدمت فی زمانہ کوئی خاتون نہیں کر سکتی بہت صابر اور بہت حوصلے والی خاتون ہیں مولا کریم انہیں صحت والی لمبی عمر دے۔

مکرم ظاہر احمد صاحب عرف بتو نے بھی کمال کی خدمت کی ہے۔ ایسی خدمت کی کہ نہ دن دیکھا نہ رات اور پھر لمبی بیماری سے تو اکثر لوگ تھک جاتے ہیں پر ظاہر احمد صاحب نے حق خدمت ادا کر دیا۔ ہسپتال کے ننگے فرش پر لیٹے رہنا۔ گھر میں بھی کوشش کرتا رہا کہ حضرت میاں صاحب تھوڑی بہت ورزش کریں دراصل میاں صاحب کے جسم کے پٹھے لمبا عرصہ لیٹ لیٹ کر مضمحل ہو چکے تھے اب ورزش کرنے کی ہمت نہ تھی بتو صاحب کہتے وعدہ کریں کہ صبح ورزش کریں گے۔ حضرت میاں صاحب کہتے بتو تم میرے پیارے ہو میں وعدہ کرتا ہوں میں ورزش کروں گا پر ابھی نہیں میں پاس کھڑا ہوتا جب یہ الفاظ میں سنتا تو میرا دل کرتا میں پیارے میاں صاحب سے لپٹ جاؤں لیکن احترام ضروری تھا آخر میں میں دعا کرتا ہوں کہ مولا کریم حضرت پیارے میاں صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین

میرے محترم پیارے حضرت میاں مظفر احمد صاحب

محمد صدیق بھٹی

مکرم محمد صدیق صاحب بھٹی کو قریباً ساڑھے چھ سال تک حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (امیر جماعت احمدیہ امریکہ) کے ذاتی گھریلو خادم کی حیثیت سے آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ انہوں نے اپنے سادہ الفاظ میں حضرت میاں صاحب مرحوم کے محاسن کا ذکر کیا ہے جن سے آپ کی خلافت سے محبت، جذبۂ خدمت دین، خادموں سے شفقت اور دلداری وغیرہ کا خصوصیت سے نمایاں کیا ہے۔ حضرت میاں صاحب کے درجات کی بلندی کیلئے دعا کی تحریک کے ساتھ یہ مضمون ہدیہ قارئین ہے۔ (مدیر)

میری مجبوری یہ ہے کہ میں ان پڑھ آدمی ہوں۔ صرف تھوڑا بہت لکھنا آتا ہے۔ میرے لفظوں میں غلطیاں ہونگی، میرے مضمون کا تسلسل درست نہیں۔ میں نے چونکہ حضرت میاں صاحب کے ساتھ ساڑھے چھ سال ڈیوٹی کی ہے کچھ لکھ رہا ہوں وہ میرے جذبات ہیں اور سب کچھ سچ ہے۔ گزارش ہے کہ میرا مضمون جیسا بھی ہے چھپوا دیا جائے۔ جزاک اللہ۔

6 مئی 1994ء کو عید والے دن شام تقریباً چار پانچ بجے کے درمیان میں امریکہ پہنچا۔ حضرت میاں صاحب کی آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا اور اس وقت حضرت میاں صاحب نیچے دفتر میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ گھر پہنچتے ہی پہلے حضرت میاں صاحب کے کمرہ میں سلام کیا۔ کہنے لگے تم آ گئے۔ جی میاں صاحب، کمزور بہت تھے اور درد بھی شاید ہو رہا تھا۔ مزید اور کوئی بات نہ ہوئی۔ پاکستان بیت الفضل (اسلام آباد) میں حضرت میاں صاحب نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ میری سیلکشن جناب میاں ظاہر احمد صاحب عرف بتو صاحب نے کر کے حضرت میاں صاحب کی اجازت لی تھی۔ حضرت میاں صاحب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہے تھے۔ اسی سال 1994ء کے جلسہ سالانہ پر

پیارے حضور نے بھی امریکہ آنا تھا۔ حضرت میاں صاحب باوجود کمزوری اور درد کے ہمت اور حوصلے کے عزم لئے جوانوں کی طرح کام شروع کر دیا۔ گھر بھی میٹنگ ہوتیں اور مسجد میں بھی۔ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ حضرت میاں صاحب بیمار ہیں۔ اتنے کمزور ہونے کے باوجود خدا نے ان کا حوصلہ پیارے حضور کی آمد کی خوشی میں اتنا بڑھا دیا تھا۔ جتنے دن پیارے حضور نے قیام کیا حضرت میاں صاحب ایک محاذ پر لڑنے والے جرنیل کی طرح چاق و چوبند رہے۔ جلسہ سے واپس آتے، تھوڑا آرام کرتے، میں تھوڑا دباتا اور پھر اگلے پروگرام کے لئے تیار ہو جاتے۔ حضرت میاں صاحب 1994ء کے جلسہ کے بعد دن بدن صحت مند ہوتے گئے اور ساتھ ساتھ وزن بھی بڑھتا گیا۔ خدا کے فضل و کرم سے بہت اچھی صحت ہوگئی۔ خاندان کے احباب و خواتین آتے، خوب گپ شپ ہوتی۔ حضرت میاں صاحب بہت بڑے مہمان نواز تھے۔ خاندان کے احباب و خواتین جب آتے جو کچھ گھر میں موجود ہوتا پیش کرتے۔ میٹھی چیزیں منگواتے کہ فلاں آئس کریم لانا، فلاں یوگٹ لانا، گھر فلاں چیز میٹھی بنواتے اور مہمانوں کو پیش کرتے۔ پاکستان سے اکثر حضرت میاں صاحب کے پرانے دوست آتے اور آ کر فون کرتے۔ میاں صاحب میں فلاں بول رہا ہوں۔ آپ سے ملنے کی درخواست ہے۔ کہتے اچھا ٹھیک ہے رات کھانے پر آ جائیں۔ اپنے دوستوں سے مل کر بہت خوش ہوتے۔ کافی کافی دیر دوستوں میں بیٹھ کر گپ شپ ہوتی۔ میں دوستوں کا نام اس وجہ سے نہیں لکھ رہا کہ کچھ مجبوریاں ہیں لیکن یہ ضرور لکھوں گا کہ جب دو دوست ملتے تو یوں لگتا دوست نہیں دو بھائی صدیوں بعد مل رہے ہیں۔ یہ کیفیت ہوتی۔ دو تین دفعہ انٹرویو لینے کے لئے بھی لوگ آئے۔ ایسے موقعوں پر میرا بھی واسطہ زیادہ رہتا۔ باتیں کرتے ہوئے میں حضرت میاں صاحب کے چہرے کی طرف دیکھتا۔ میں اپنے آپ کو قابو نہیں کر سکتا یہ الفاظ لکھتے میرا صبر ٹوٹ جاتا ہے کہ کس جلال سے میاں صاحب مخاطب کو جواب دیتے۔ سچائی، یقین، ایمان، ان کا تکیہ تھا۔ ایک چیز جو کہ میں نے خاص طور پر نوٹ کی وہ ہر آدمی کو اپنے جیسا ہی سچا ایماندار سمجھتے

تھے حالانکہ اکثر لوگ ان سے صاف اور سیدھی بات نہیں کہتے تھے۔ بہر حال میں پہلی دفعہ اڑھائی سال کے قریب امریکہ میں رہا۔ میرا دل کوئی خاص نہ لگا اور میں اکتوبر 1997ء کو دوبارہ امریکہ آیا۔ حضرت میاں صاحب دیکھنے میں بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وزن بھی ماشاء اللہ بڑھا ہوا تھا۔ لیکن چلنا پھرنا تو کب سے نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے کمزوری پہلے سے زیادہ تھی یعنی میری مراد چلنے پھرنے سے لگتا تھا ٹانگوں سے محسوس ہوتا تھا۔

1998ء میں پھر پیارے حضور امریکہ کے جلسہ سالانہ پر آئے۔ حضرت میاں صاحب پھر جواں ہمت اور عظیم حوصلے سے دن رات کاموں میں مشغول رہے۔ لیکن اس دفعہ تھکاوٹ ضرور محسوس کرتے تھے۔ اظہار کبھی نہیں کیا لیکن جب جلسہ سے واپس آتے تو مجھے دبانے کیلئے کہتے تو ان کے کراہنے سے اور ہائے اماں جی کہنے سے پتہ لگتا کہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ میں دبانے کے بعد سر کو مساج کرتا اور کہتے تمہیں اچھی مساج کرنا آتی ہے۔ ایک دو لوگوں سے کہا کہ یہ مساج اچھی کرتا ہے۔ اس تعریف سے مجھے خوشی ہوتی تھی۔ چلنے پھرنے اور کوئی ورزش نہ کرنے کی وجہ سے انہیں بستر سے بہت لگاؤ ہو گیا۔ لمبا عرصہ بستر پر رہے۔ جسمانی مسل، باڈی مسل سب جواب دے گئے۔ اب کوشش کے باوجود بھی چلنے پھرنے میں دشواری تھی۔ حضرت میاں صاحب اور حضرت چوہدری ناصر احمد سیال صاحب آج سے آٹھ نو ماہ پہلے ایک ہی ہسپتال میں داخل ہوئے۔ ایک ہی فلور پر بالکل قریب قریب۔ ایک خواہش کا ذکر بھی کرتا چلوں۔ یہاں پھر میرا صبر لبریز ہوتا جا رہا ہے جو جو سین میں نے دیکھے وہ کبھی نہ بھولوں گا۔ میاں ناصر صاحب کی خواہش کہ میں بھائی یعنی حضرت میاں صاحب کو دیکھوں بھی اور سلام بھی عرض کروں۔ خدا کی شان کہ حضرت میاں صاحب کے ایکسرے وغیرہ تھے وہ کروا کر واپس آ رہے تھے اور چوہدری ناصر سیال صاحب کے بھی کوئی ٹیسٹ تھے وہ کروانے جا رہے تھے۔ راستے میں دونوں ایک ہی جگہ سے اپنے بیڈ پر لیٹے ہوئے گزرے۔ سلام دعا ایک دوسرے سے لیٹے لیٹے

کیا۔ اوراس طرح چوہدری ناصر سیال صاحب کی خواہش خدا نے پوری کر دی۔ چوہدری ناصر سیال احمد صاحب بھی بڑے پیارے شخص تھے۔ میں انہیں بھی تا حیات یاد رکھوں گا۔ وہ اسی ہسپتال میں اسی دوران وفات پاگئے۔ مولا کریم انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔حضرت میاں صاحب پھر اس کے بعد نہ سنبھلے۔ دن بدن ان کے پٹھے کمزور ہوتے گئے۔ اس دوران مجھے اور بھی زیادہ ڈیوٹی کرنے کا موقع ملا۔خدمت کا لفظ، خدمت وہ ہوتی ہے جو بےلوث بلا معاوضہ کی جاتی ہے۔میرے تو چھ بچے ہیں میں ان کو پالنے کیلئے معاوضہ لے کر ڈیوٹی کرتا تھا۔لیکن حضرت میاں صاحب میرے روحانی باپ تھے۔ میں ان کی عزت اپنے بڑوں سے زیادہ کرتا تھا۔ مجھ سے اکثر غلطیاں ہوتیں اور اکثر جھاڑ بھی دیتے۔تھوڑی دیر بعد پیار بھی کرتے۔ ایک دفعہ مجھے اچھی خاصی جھاڑ کر شام کو ان کے ایک بہت ہی اچھے دوست نے کھانے پر آنا تھا۔ ان کا نام ڈاکٹر حیدر ہے۔ وہ میاں صاحب کے بہت اچھے دوستوں میں سے ایک ہیں۔ کھانا آدھا کھایا تو ڈاکٹر صاحب کے سامنے میرا دل رکھا اور کہا کہ صدیق کھانا بہت اچھا ہے۔خدمت کے متعلق اگر ایک ہستی کا میں ذکر نہ کروں تو گنہگار رہوں گا۔ وہ ہیں محترمہ بی بی امتہ القیوم صاحبہ۔جس طرح کی خدمت محترمہ بی بی صاحبہ نے کی ہے ایسی خدمت فی زمانہ نہ کوئی خاتون کرسکتی ہیں نہ کریں گی۔ دن ہو یا رات حضرت میاں صاحب کے ساتھ سائے کی طرح رہی ہیں۔ اپنی صحت ٹھیک نہ ہونے کے باوجود لمبا عرصہ ہسپتالوں میں دن رات بیٹھ کر گزارتیں۔ کوئی عام جوان آدمی یا خاتون کے بس کی بات نہیں جو بی بی صاحبہ نے کی۔ خدمت کے سلسلہ میں اگر میں ظاہر احمد صاحب عرف بتّو صاحب کا ذکر نہ کروں تو پھر میں اپنا حق ادا نہیں کر پاتا۔لوگ کچھ کہیں، دنیا کچھ سمجھے میرا حق ہے کہ سچ کو سچ لکھوں۔ جو خدمت ظاہر احمد صاحب عرف بتو صاحب نے دونوں بزرگوں کی کی ہے اور پھر امریکہ جیسے ملکوں میں نوجوان آدمی ساری ساری رات اور سارا سارا دن ہسپتالوں کے ننگے فرشوں پر سونا، ہسپتالوں سے لانا،

لے جانا، گھر میں دن رات کھڑے فی زمانہ امریکہ جیسے ملکوں میں کوئی نہیں کرتا۔ امریکہ میں ایسے نوجوانوں کی کوئی دنیا نہیں ہوتی۔ ہر کوئی اپنی مستی میں ہوتا ہے۔ بہرحال ظاہر احمد صاحب عرف بتّو نے تن من دھن کی بازی لگا کر خدمت کی ہے۔ مولا کریم سے میری دعا ہے کہ اللہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی راہوں پر گامزن کرے۔ حضرت میاں صاحب کو اللہ میاں نے بتا دیا تھا کہ میں اللہ میاں کے پاس جانے والا ہوں۔ وفات کے بعد بلکہ دفنانے کے بعد واپس آ کر بتّو میاں نے ان کا جماعت والا بیگ کھولا جسے وہ صرف اور صرف جماعت کے کاغذوں سے بھرا رکھتے تھے لیکن اس وقت صرف میاں صاحب نے اس کے اندر اپنی وصیت کی فائل مکمل کر کے رکھی ہوئی تھی اور باقی سارے جماعتی کاغذات نکال کر کہیں اور رکھ دئے تھے اور بیگ ایسی جگہ رکھا کہ ہر وقت اس پر نظر رہے۔ مولا کریم میرے پیارے میاں صاحب کو وہاں بھی سکھ اور آرام کے سامان مہیا کرے۔ آمین (الفضل انٹرنیشنل (٦) ١١/اکتوبر ٢٠٠٢ء)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

دلنواز شخصیت
(سید سعید الحسن صاحب)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اپنے نام کی طرح زندگی کے ہر میدان میں مظفر و منصور رہے ملکی سطح ہو یا بین الاقوامی دنیاوی ہو یا دینی، ہر میدان میں عزت و توقیر اور سربلندی و کامیابی ان کے حصہ میں آئی۔

محترم عبدالسمیع نون صاحب کا مضمون آپ کی سیرت کے متعلق پڑھ رہا تھا اور بلا شبہ اس عظیم شخصیت کی زندگی کا ایک پوشیدہ باب نمایاں ہو رہا تھا۔ وگرنہ تو صرف آپ اس حوالے سے پہچانے جاتے تھے کہ بہت بڑے اقتصادی ماہر ہیں عالمی بینک کی وجہ سے شہرت ہے۔ دنیا میں

عزت وتوقیر کے حوالے سے دیکھے جاتے تھے۔لیکن یہ مضمون پڑھ کر یوں لگا کہ آپ تو محبت کا ناپید سمندر تھے۔

خاکسار کی زندگی میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی زندگی کا ایک اور انداز بھی سامنے آیا اور یہ آپ کی سیرت پر روشنی ڈالتا ہے۔جب خاکسار علی پور مظفر گڑھ میں متعین تھا اس وقت جتوئی کی جماعت میں گیا تو وہاں ایک غیر از جماعت معزز زمیندار قاضی محمد اقبال صاحب نے بتایا کہ ان کا جماعت سے پرانا تعارف ہے وہ یوں کہ طویل عرصہ پہلے کی بات ہے کہ اپنی زمینوں کے بعض معاملات کے لئے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنا تھا اور ان سے ملے بغیر مسائل حل نہیں ہو سکتے تھے میں بڑا پریشان تھا ان سے ملاقات کس طرح ہو۔میرے احمدی دوست حاجی محمد موسیٰ خان صاحب آف جتوئی نے کہا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں کیونکہ ڈپٹی کمشنر صاحب ہماری جماعت کے خلیفہ کے خاندان کے ہیں۔ان کے پاس چلتے ہیں۔خیر ہم دونوں ملتان گئے ڈپٹی کمشنر صاحب سے ملنے کے لئے ملاقاتیوں کی ایک لمبی قطار تھی اور تمام لوگ معزز اور بڑی بڑی ہستیوں والے معلوم ہوتے تھے اور ہم جتوئی جیسی دور افتادہ جگہ سے آ رہے تھے اور کسی قسم کی واقفیت بھی نہیں تھی حاجی محمد موسیٰ خان صاحب نے ایک چٹ لکھی جس پر لکھا کہ ہم جتوئی سے آئے ہیں اور ایک ضروری کام سے ملنا ہے۔ مہربانی فرما کر وقت دیں۔آخر پر لکھا حاجی محمد موسیٰ خان احمدی۔اور یہ چٹ چپڑاسی کو دے دی۔ تھوڑی دیر بعد ملازم نے آکر کہا کہ آپ دوسری طرف والے دروازے کی طرف آئیں اس نے دروازہ کھولا اور اندر بلایا۔اندر ایک نوجوان نے میز سیدھی کی سلام دعا کے بعد بٹھایا ناشتے کا پوچھا پھر اندر جا کر خود ہی چائے اور خورونوش کا سامان لے آیا جب چائے سے فارغ ہوئے تو حاجی صاحب جو خود بھی حضرت صاحبزادہ صاحب سے ناواقف تھے پوچھا کہ ڈپٹی کمشنر صاحب کہاں ہیں ہم نے ان سے ملنا ہے۔وہ نوجوان تھوڑا سا مسکرائے اور کہا کہ ڈپٹی کمشنر تو میں ہی ہوں آپ نے پتہ نہیں کس ڈپٹی کمشنر سے ملنا ہے۔یہ بات سننا تھی کہ حاجی صاحب آبدیدہ ہو گئے اور مجھ پر

بھی بہت اثر ہوا کہ یہ کس شان کا افسر ہے کہ جس کے ایک اشارے پر پتہ نہیں کیا کچھ ہوسکتا ہے لیکن سادگی کی اور عاجزی کی انتہا ہے۔

یہ واقعہ قاضی اقبال صاحب نے سنایا اور پھر کہا مربی صاحب میری واقفیت تو احمدیت سے ایسی ہے۔ایسی اعلیٰ شخصیات صرف احمدیت میں ہی ہوسکتی ہیں پھر بڑی محبت سے پوچھا کہ اب میاں صاحب کہاں ہوتے ہیں۔میں نے بتایا کہ اب وہ امریکہ میں ہیں اور وہاں کی جماعت کے امیر ہیں بڑے خوش ہوئے اور کہا اگر کبھی خط لکھیں تو میرا سلام بھی کہیے گا۔

میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی اس سیرت پر غور کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں کہ نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جن کے ساتھ حضرت صاحبزادہ صاحب نے شفقتیں فرمائی ہوں گی۔

(الفضل 10 جنوری 2003ء)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

ایم۔ایم احمد کچھ ذاتی یادیں

(جناب منیر عطاءاللہ)

''مرزا مظفر احمد صاحب واشنگٹن میں انتقال کر گئے۔وہ لوگ جو انہیں اچھی طرح جانتے تھے ان کے ذہن وقلب کی بہت سی غیر معمولی خوبیوں کی وجہ سے انہیں یاد رکھیں گے۔تقسیم برصغیر کے بعد کے پاکستانی جنہوں نے (صدر) یحییٰ کا دور دیکھا ہے ایم۔ایم۔احمد کی طویل اور شاندار عوامی خدمت کے ریکارڈ کے حوالے سے ان کے بارہ میں علم حاصل کر سکتے ہیں۔

تقسیم ملک کے وقت وہ امرتسر کے ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر تھے۔انہوں نے آئندہ خدمت کے لئے پاکستان کا انتخاب کیا اور اپنا سارا قیمتی ساز وسامان وہیں (امرتسر میں) چھوڑ دیا۔ان کی پاکستان میں پہلی تعیناتی بطور ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ ہوئی۔یہ شہر وسیع پیمانے پر ہونے والی

ہجرت کی ہلچل کے نتیجہ میں مظالم اور مصائب کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ایم۔ایم۔احمد نے مسلمان مہاجرین کے آرام اور آبادکاری کے لئے بے تابانہ کام کیا۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مقتول ہندوؤں اور سکھوں کی بھی باوقار طریقے سے تدفین کے کام کو اولیت دی جائے۔اس زمانے کا ایک اور واقعہ جو انہوں نے بعد میں سنایا یہ تھا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن نے (جو انڈین ریڈ کراس کی سربراہ تھیں) نے سیالکوٹ میں موجود گورے افسران کو یہ حکم دیا کہ وہ سیالکوٹ میں محفوظ شدہ مصنوعی انسانی اعضاء کی ایک بڑی کھیپ فوری طور پر دہلی بھجوائیں لیکن میاں صاحب (جناب ایم۔ایم۔احمد) نے خود ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر وہ بھرے ہوئے (ریل کے) ڈبے خالی کرا لئے (کیونکہ بھیجے جانے والے اعضاء وغیرہ اب پاکستان کی ملکیت تھے۔مترجم) میاں صاحب کی اگلی تعیناتی بطور ڈی۔سی دور افتادہ شہر میانوالی میں ہوئی اس کا ایک اچھا پہلو یہ نکلا کہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے نتیجہ میں انہیں نواب آف کالاباغ کی طرف سے خوب تکریم ملی۔یہ امر اس وقت میاں صاحب کے لئے بہت مفید ثابت ہوا جب نواب صاحب پنجاب کے گورنر بن گئے اور میاں صاحب لاہور سیکرٹریٹ میں آ گئے۔جلد ہی انہیں زیادہ اہم ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے اسلام آباد میں تعینات کیا گیا۔صدر ایوب کے دور میں وہ یکے بعد دیگرے سیکرٹری تجارت پھر سیکرٹری وزارت خزانہ اور بالآخر پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئر مین مقرر ہوئے۔صدر یحییٰ خان کے مشیر برائے اقتصادی امور کی حیثیت میں وہ غالباً اپنے وقت کے سب سے طاقتور سول سرونٹ تھے اور انہیں مندرجہ بالا تینوں وزارتوں کی نگرانی کے اختیارات حاصل تھے۔یہ گزرے ہوئے دن جنہیں ایک زمانہ بیت گیا ایسا دور تھا جس میں مجموعی طور پر پبلک سرونٹس کی بے حد توقیر کی جاتی تھی اور محترم میاں صاحب متفقہ طور پر بہترین لوگوں میں سے بھی بہترین تھے۔ان کے پورے عرصہ ملازمت میں اختیارات کے غلط استعمال، ناجائز نوازشات، بدعنوانی اور طاقتور عناصر کی طرفداری سے متعلق کسی کھسر پھسر کا اشارہ

تک نہیں ملتا۔ وہ ان تمام لوگوں سے جن کا ان کے ساتھ واسطہ پڑا عزت واحترام سمیٹتے ہوئے اپنی پیش نظر بلندیوں اور رفعتوں کو طے کرتے چلے گئے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس طرح کا اکرام واحترام آسانی سے حاصل نہیں ہوتا اوراس کے لئے اپنے فن میں زبردست مہارت کے علاوہ خاص صلاحیت کی بھی ضرورت ہوتی تھی۔اپنے وسیع اختیارات اوراعلیٰ منصب کے باوجود میاں صاحب میں تکبر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ ہمہ وقت نرم گفتار تھے اور بڑے تحمل سے دوسروں کی بات سنتے تھے۔وہ دائماً ایک انصاف پسند اور دردمند انسان تھے۔

سول سروس سے ریٹائر ہونے کے بعد بھٹو نے انہیں ورلڈ بنک کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے منتخب کیا یہاں بھی میکنا مارا (صدر ورلڈ بنک) نے ان کی قدر و قیمت کو پہچانا اورانہیں کئی اضافی ذمہ داریاں سونپیں خاص طور پر جن کا تعلق تیسری دنیا کے ممالک کی معاشی ترقی کے مسائل سے تھا۔'' (دی نیشن 29/جولائی 2002ء ڈان '2۔اگست 2002ء ترجمہ)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

ایم۔ایم۔احمد۔ایک نادر اور باوقار شخصیت

منیر عطاء اللہ صاحب نے اپنے خراج تحسین (مطبوعہ ڈان 2/اگست) میں ایم ایم احمد صاحب کی خدمات کی فہرست گنوائی ہے۔ وہ اس وقت منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کے عہدے پر فائز تھے جب میں 1968ء میں ان سے پہلی بار ملا۔ میں اعزازی طور پر ایک ماہر معاشیات کے طور پر فرائض انجام دے رہا تھا۔ میں ریلوے سٹیشن کے سامنے واقع منصوبہ بندی کمیشن کی پرانی عمارت میں جایا کرتا تھا۔ میں اپنا دن بھر کا کام ختم کرنے کے بعد وہاں بحیثیت ڈائریکٹر ایجوکیشن جاتا تھا۔ میں پنجاب کے سیکرٹری تعلیم کے ماتحت کام کرتا تھا۔ جب میں گورنمنٹ کالج لاہور کا پرنسپل تھا تو میں نے اس ادارے کو اپنے معاملات خود چلانے کے

اختیارات کے حق میں زبردست تگ ودو کی تھی لیکن سیکرٹری تعلیم نے اس تجویز کی مخالفت کی ۔ میں نے اصرار جاری رکھا۔ انہوں نے اس الجھن کا حل یہ نکالا کہ میرا تبادلہ بطور ڈائریکٹر ایجوکیشن راولپنڈی کر دیا۔ یہ ایک تعزیری اقدام تھا لیکن میں نے اسے خاموشی سے برداشت کیا۔

بعد میں منصوبہ بندی اور بہبود سے متعلق اقوام متحدہ کے ایشیائی ادارہ نے مجھے بنکاک میں تعلیمی منصوبہ بندی کے ماہر کے طور پر منتخب کر لیا۔ اور کاغذات معاشی معاملات کی ڈویژن کو بھجوائے گئے جہاں سے منظوری کے لئے یہ حکومت پنجاب کو بھجوا دیئے گئے۔ سیکرٹری تعلیم نے اس کام کو بگاڑنے کی کوشش کی اور یہ بات جناب ایم ۔ ایم ۔ احمد کو پتہ چل گئی ۔ انہوں نے اس کی خوب سرزنش کی کہ اس کا یہ رویہ کسی سیکرٹری کے شایان شان نہیں تھا۔ آخر 1968ء کے ماہ اکتوبر میں مجھے یہ ملازمت کرنے کی اجازت مل گئی۔

جناب ایم ۔ ایم ۔ احمد انتہائی درجے کے شریف النفس انسان تھے۔ وہ بے بس و بیکس لوگوں کی بہود کے لئے کمربستہ رہتے تھے۔ انہیں معاشی اور مالیاتی امور پر مکمل گرفت حاصل تھی اور اس بات کا اندرون و بیرون ملک اعتراف کیا گیا۔ وہ ایک نادر شخصیت تھے۔ ایم ۔ ایم ۔ احمد کی 1968ء کی وہ نوازش میرے سامنے نمایاں ہے۔ چونتیس برس گزر جانے کے باوجود ایم ۔ ایم ۔ احمد کی ذی وقار شخصیت میرے ذہن پر نقش ہے۔ یہ سطور جناب ایم ۔ ایم ۔ احمد کے عظمت و وقار کو خراج تحسین کے طور پر رقم کی گئی ہیں۔

(ترجمہ روزنامہ ڈان 4/اگست 2002ء)

ایم۔ایم۔احمد نے اپنا سب کچھ پاکستان کے لئے نچھاور کر دیا۔

تحریر شاہد جاوید برکی صاحب

ترجمہ راجا نصر اللہ خان

''مرزا مظفر احمد صاحب جو اپنے دوستوں اور مداحوں میں زیادہ تر ایم۔ایم احمد کے نام سے جانے جاتے ہیں 22 جولائی 2002ء کو واشنگٹن کے ایک ہسپتال میں انتقال کر گئے۔وہ کئی ماہ سے علیل چلے آتے تھے لیکن کسی خاص بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ ان پر طویل عمر اور وطن عزیز پاکستان کے بارے میں فکرمندی کا بوجھ بڑھتا گیا۔وہ وطن عزیز جس سے وہ بے حد پیار کرتے تھے اور جس کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنی پوری اور انتہائی فعال زندگی وقف کر دی تھی۔

ایم ایم۔احمد 28 فروری 1913ء کو ہندوستان کے شہر قادیان میں پیدا ہوئے۔پہلے انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی اور پھر برطانیہ کی لندن اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں سے فیضیاب ہوئے۔انہوں نے 1939ء میں انڈین سول سروس (آئی۔سی۔ایس) میں شمولیت اختیار کی۔انگریزی حکومت کی طرف سے بھرتی کیا جانے والا یہ آخری گروپ تھا۔1947ء میں انگریزوں کے ہندوستان سے رخصت ہو جانے کے بعد آئی۔سی۔ایس کا اختتام ہو گیا۔اس کے ممبران سے کہا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے کسی ایک جانشین ملک کا انتخاب کر لیں یعنی یہ کہ وہ ہندو اکثریت والے ملک میں خدمات انجام دینا چاہیں گے یا پاکستان جانا چاہیں گے۔جو خاص طور پر مسلمانوں کے لئے حاصل کیا گیا تھا۔اکیاسی آئی۔سی۔ایس افسران نے جن میں ایم۔ایم۔احمد بھی شامل تھے پاکستان کی خدمت کے حق میں فیصلہ کیا۔

جناب ایم ۔ایم ۔احمد کی ترقی اور عروج

اس بے حد قابل اور تربیت یافتہ گروہ کی اکثریت نے پاکستان کی ریاست کو مستحکم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ان میں سے بہت سے افسران کراچی چلے گئے جو کہ ملک کا پہلا دارالحکومت تھا۔ ایم ۔ ایم ۔ احمد نے پنجاب کے دارالحکومت لاہور کا انتخاب کیا۔ ایم ۔ ایم ۔ احمد نے یہاں جو عہدے حاصل کئے ان میں سیکرٹری خزانہ کا منصب بھی شامل تھا۔ بعد میں وہ پاکستان کے نئے دارالحکومت اسلام آباد چلے گئے جہاں انہوں نے متعدد اعلیٰ عہدوں پر کام کیا جن میں سیکرٹری تجارت سیکرٹری وزارت خزانہ اور ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن کے منصب شامل تھے۔یحییٰ خان کے زمانہ میں ایم ۔ایم ۔احمد صدر کے مشیر مقرر ہوئے ان کا عہدہ مرکزی وزیر کے برابر تھااور ایم ۔ایم احمد اس حیثیت میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔بعد میں مشرقی اور مغربی پاکستان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی ۔ وہ اس بدقسمت سانحہ کے جلد بعد واشنگٹن چلے گئے اور ورلڈ بینک کے بورڈ میں ایگزیکٹو ڈائریکٹر کا منصب سنبھال لیا۔جس کے دائرہ کار میں پاکستان اور بہت سے دوسرے اسلامی ممالک شامل تھے۔ جب بنگلہ دیش خودمختار ملک بن گیا تو ورلڈ بینک بورڈ میں پاکستان کی نشست ختم ہوگئی ۔ ایم ۔ ایم ۔ احمد واشنگٹن میں قیام پذیر رہے اور پھر ورلڈ بینک اور آئی ۔ ایم ۔ ایف (عالمی مالیتی فنڈ) کی مشترکہ کمیٹی جو ترقیاتی کمیٹی (ڈویلپمنٹ کمیٹی) کے نام سے معروف ہے کے ڈپٹی ایگزیکٹو سیکرٹری منتخب ہوگئے۔وہ اس منصب سے 1984ء میں ریٹائر ہوئے۔

دگرگوں حالات میں خدمات

میری سالہا سال سے ایم ۔ایم ۔احمد سے اچھی صاحب سلامت تھی۔اگرچہ میں CSP میں ان سے اکیس برس جونیئر تھا لیکن مجھے کئی مواقع پر ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع میسر آیا۔پہلی مرتبہ میرا ان سے گہرا واسطہ اس وقت پڑا جب 1969ء میں جنرل یحییٰ خان کی مارشل لاء حکومت نے مغربی پاکستان کا ون یونٹ ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔آزادی وطن کے بعد مغربی پاکستان کا ون

یونٹ پاکستان میں بالادستی حاصل کرنے والی سیاسی قوتوں کے درمیان قائم ہونے والے نازک توازن کا ایک حصہ تھا آئین سازی کا کام مغربی پاکستان خاص طور پر پنجاب کے ان لیڈروں نے بے حد کٹھن بنا دیا تھا جو وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم اختیارات کا کوئی ایسا نظام ماننے کو تیار نہیں تھے جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان ملک کے سیاسی ڈھانچہ میں غالب قوت بن جاتی۔ یہ نتیجہ اس صورت میں نکل سکتا تھا جبکہ پاکستان کے مختلف صوبوں کو قانون ساز اسمبلی میں آبادی کی بنیاد پر رکنیت دی جاتی۔ ایسی صورت میں مشرقی پاکستان جس کی آبادی مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ تھی قومی اسمبلی میں نشستوں کا غالب حصہ حاصل کر لیتا۔

آخر ایک سمجھوتہ ''برابری'' کے فارمولا کی بنیاد پر طے پایا جس کے مطابق ملک کے دو بڑے وفاقی یونٹ بنائے گئے۔ ایک مشرقی پاکستان اور دوسرا مغربی پاکستان ان دونوں بڑے حصوں کو قومی اسمبلی میں برابر کی نمائندگی دی گئی۔ اس طرح 1956ء میں مغربی پاکستان کا ون یونٹ معرض وجود میں آیا۔ 1956ء کے آئین کی منسوخی اور 1962ء کے آئین کے تحت ایک نئے سیاسی ڈھانچے کے قیام کے باوصف ''برابری کا فارمولا'' قائم رہا۔ بہر حال فوجی حکومت کے تحت سیاسی ڈھانچے کی حد سے زیادہ مرکزیت نے بہت سے مسائل کو جنم دیا۔ صدر ایوب خان وفاقی حکومت پر پوری طرح چھائے رہے اور دونوں حصوں کے گورنر امیر محمد خان آف کالا باغ اور عبدالمنعم خان بالترتیب مغربی اور مشرقی پاکستان پر ایک جیسے تحکمانہ انداز میں حکومت کرتے رہے۔ ان تینوں ہاتھوں میں اختیارات کا اس قدر ارتکاز عوام کو راس نہ آیا۔ مشرقی پاکستان میں اسلام آباد کی بالادستی کے خلاف رنجیدگی بڑھتی گئی اور مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبے نواب آف کالا باغ کے تحکمانہ انداز حکومت کی وجہ سے بیگانہ ہوتے گئے۔ جب یحییٰ خان نے اقتدار سنبھالا تو انہوں نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ''برابری'' اور مغربی پاکستان میں ون یونٹ کو ختم کر کے ان تشویشناک احساسات کے حق میں عملی قدم اٹھایا۔

عظیم اور فیصلہ کن خدمات

ون یونٹ کے حصے الگ الگ کرنے کا کٹھن کام اعلیٰ افسران کی ایک کمیٹی کو سونپا گیا جس کے سربراہ ایم۔ایم۔احمد تھے۔ایم۔ایم۔احمد پنجاب کی نمائندگی کر رہے تھے جبکہ غلام اسحاق خان نے صوبہ سرحد کی نمائندگی کی۔ اے۔ جی۔ این قاضی نے سندھ کی اور یوسف اچکزئی نے بلوچستان کی نمائندگی کی۔کمیٹی کے سیکرٹریٹ کے چار افسران یہ تھے: ظہور اظہر ڈاکٹر ہمایوں خان' ڈاکٹر طارق صدیقی اور میں (شاہد جاوید برکی) کمیٹی کا کام بہت پیچیدہ تھا۔اسے نہ صرف ون یونٹ کے حصے علیحدہ علیحدہ کرنے تھے بلکہ چار نئے صوبوں کو تشکیل بھی دینا تھا۔

ایم۔ایم۔احمد اس مہم پر پورے اترے۔انہوں نے کئی ہفتوں تک اپنی شخصیت کے نمایاں اوصاف۔صبر و استقامت' عظمت و وقار اور ذہانت و فطانت سے کام لیتے ہوئے کمیٹی کی مسلسل رہنمائی کی اور گورنمنٹ کی طرف سے دیئے گئے عرصہ کے اندر اندر تمام بڑے بڑے مسائل کو سلجھا لیا۔کمیٹی کا منصوبہ یکم جولائی 1970ء کو نافذ العمل ہوا اور ون یونٹ ختم ہو گیا اور سب اختیارات صوبہ بلوچستان۔شمال مغربی صوبہ سرحد۔پنجاب اور سندھ کو تفویض کر دیئے گئے۔

ایم۔ایم۔احمد سے میرا دوسرا قریبی رابطہ بھی اسی دور کا ہے جب ان کے ذمہ یہ نازک کام سونپا گیا کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کی حکومتوں کو منصوبہ بندی کے چوتھے پنج سالہ منصوبہ کے لئے وضع کردہ اقتصادی ڈھانچے کو قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ یہ پنج سالہ منصوبہ 1970ء سے 1975 تک چلنا تھا۔جس وقت منصوبہ بندی کمیشن نے اپنا فریم ورک پیش کیا اس وقت تک مشرقی پاکستان کے باشندے اس بات پر پختہ ہو چکے تھے کہ مغربی صوبے کی شاندار معاشی ترقی ان کے صوبہ سے سمیٹے ہوئے ذرائع کی وجہ سے جاری ہے وہ چوتھے پنج سالہ منصوبے کے دوران اس یکطرفہ جھکاؤ کی درستی چاہتے تھے۔ماہرین اقتصادیات کے دو گروپ بنائے گئے ایک کے چیئرمین مغربی پاکستان کے چیف اکانومسٹ ڈاکٹر پروفیسر حسن مقرر ہوئے اور دوسرے کے ایک

بنگالی ماہر معاشیات پروفیسر نورالاسلام مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ دونوں صوبوں کے درمیان اختلافات کا حل نکالیں۔ یہ بات زیادہ تعجب انگیز نہیں تھی کہ آخر دونوں گروپ الگ الگ نتائج پر پہنچے۔ایک دفعہ پھر ایم۔ایم۔احمد کو آگے آنا پڑا تا کہ دونوں ماہرین معاشیات دھڑوں کے اختلافات کو ختم کرائیں۔مغربی پاکستان کے گورنر نور خان کے مشیر اقتصادیات کی حیثیت میں میں نے کئی ایسے اجلاسات میں شرکت کی جن کی صدارت ایم۔ایم۔احمد نے کی تا کہ ملک کے دونوں صوبوں کے درمیان اتفاق رائے حاصل کیا جائے۔انہوں نے کسی سمجھوتہ پر پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ سیاسی بخار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

عظیم بین الاقوامی خدمات

ایم۔ایم۔احمد سے میری سب سے گہری رفاقت اس وقت قائم ہوئی جب 1981ء میں ترقیاتی کمیٹی (ڈویلپمنٹ کمیٹی) کے سیکرٹریٹ میں ورلڈ بینک کی نمائندگی کرنے کا کام میرے ذمہ لگایا گیا۔ایم۔ایم۔احمد اس وقت اس کمیٹی کے ڈپٹی ایگزیکٹو سیکرٹری تھے۔اس کمیٹی کو جو ورلڈ بینک اور عالمی مالیاتی فنڈ (IMF) کے درمیان ایک رابطے کی حیثیت رکھتی تھی یہ کام سونپا گیا کہ وہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان متعدد اہم معاملات کے سلسلہ میں افہام و تفہیم کو فروغ دے۔سرکاری سطح پر دی جانے والی ترقیاتی امداد جس کے متعلق یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ لیکن نمایاں طور پر بڑھتی جائے گی بالکل جمود کا شکار ہو گئی۔ایم۔ایم۔احمد نے مختلف حکومتوں کو یہ باور کرانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا کہ انہیں دنیا بھر میں بڑھوتری کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے مل جل کر کام کرنا ہو گا۔

ایم۔ایم۔احمد اور مجھ (شاہد جاوید برکی) پر یہ حقیقت جلد ہی واضح ہو گئی کہ ہمیں ترقی پذیر ممالک میں سے ایک ایسی مضبوط شخصیت کی ضرورت ہے جو ترقیاتی کمیٹی کی صدارت سنبھالے اور اس کی سوچ و بچار کی راہنمائی کرے۔ہم نے غلام اسحاق خان کی طرف رجوع کیا جو اس وقت

پاکستان کے وزیر خزانہ تھے۔اسحاق خان اور ایم۔ایم۔احمد ایک دوسرے کے اچھے دوست تھے اور اسی دوستی کی وجہ سے اسحاق خان ترقیاتی کمیٹی کی صدارت کا انتخاب لڑنے پر متفق ہو گئے۔ایم۔ایم۔احمد نے ان تمام حکومتوں کو جو کمیٹی کی رکنیت رکھتی تھیں اسحاق خان کو کامیاب امیدوار بنانے پر رضامند کرلیا۔چنانچہ پاکستانی وزیر خزانہ (غلام اسحاق خان) متفقہ طور پر منتخب ہو گئے۔ایم۔ایم۔احمد کی اعانت سے اسحاق خان نے اس ذمہ داری کو عمدگی سے نبھایا اور ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں کے ملکوں سے عزت پائی۔غلام اسحاق خان دوسری مدت کے لئے بھی منتخب ہو گئے اور اپنی یہ ذمہ داری وزارت خزانہ سے الگ ہونے کے بعد بطور چیئرمین سینٹ بھی نبھاتے رہے۔

میں یہ یادداشتیں ایم۔ایم۔احمد کی یاد تازہ کرنے اور ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ''ڈان'' کے قارئین کی نذر کر رہا ہوں۔ایم۔ایم۔احمد نے اپنا سب کچھ پاکستان کے لئے نچھاور کردیا۔'' (ترجمہ روزنامہ ڈان انگریزی 6۔8۔2002 بحوالہ 3 جنوری 2003ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد کی کامیاب انسان دوست شخصیت ان کی عظیم شخصیت میں ایک خاص وقار، عظمت، سادگی، گرمجوشی اور ملاطفت تھی

(مکرم ڈاکٹر کریم اللہ زیروی صاحب۔امریکہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب (المعروف ایم ایم احمد) 22 جولائی 2002ء کو امریکہ میں وفات پا گئے۔صاحبزادہ صاحب کو دینی اور دنیوی امور میں اللہ تعالیٰ نے عظیم الشان

کامیابیوں سے نوازا۔ بطور امیر جماعت احمدیہ امریکہ انہوں نے جماعت کو شبانہ روز دعا اور محنت کے ساتھ اعلیٰ منصوبہ بندی سے تنظیمی اور مالی طور پر مستحکم کیا۔ ان کے دور میں امریکن جماعت کو نمایاں کامیابیاں ملیں جن میں ایک جماعت احمدیہ امریکہ دنیا کے سب ممالک سے آگے نکل گئی۔ دینی اور دنیوی سادہ زندگی گزاری۔ ان کی شخصیت میں ایک خاص وقار اور عظمت تھی۔ ان کے ملاقاتی ان کی سادگی، گرم جوشی اور ملاطفت سے بخوبی واقف تھے۔

1967ء تا 1972ء بلکہ اس سے بھی پہلے میاں صاحب حکومت پاکستان میں اعلیٰ عہدوں پر تعینات تھے۔ پرنٹ میڈیا اور ریڈیو پر ان کی خبریں آتی تھیں۔ مارچ 1969ء سے دسمبر 1971ء تک وہ صدر پاکستان جنرل یحییٰ خاں کے مشیر اعلیٰ تھے۔ 1971ء میں خاکسار پاکستان کونسل آف سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ لیبارٹریز میں سینئر ریسرچ آفیسر تھا تو ان دنوں میں میاں صاحب سے آپ کے اسلام آباد آفس میں ملاقات کا وقت لیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو علم ہوا کہ وہ ایران روانہ ہو چکے تھے۔ محمد رضا شاہ پہلوی شاہ ایران نے جنرل یحییٰ خان کو شیراز کے نزدیک پرسی پیلس میں شاہ تقریب میں شرکت کیلئے دعوت دی تھی۔ اس تقریب کا مقصد اپنے آپ کو قدیم ایرانی شہنشاہیت کا وارث قرار دینا تھا۔ جنرل یحییٰ خان نے میاں صاحب کو بھی ساتھ چلنے کا کہا۔ سو انہیں کم وقت میں تیاری کرنا پڑی۔ اس طرح خاکسار کی ملاقات نہ ہو سکی۔ 1972ء میں مجھے شیراز یونیورسٹی میں ملازمت مل گئی۔ وہاں سے میں نے خیموں کا حیران کن شہر دیکھا جو شاہ ایران نے پرسی پیلس میں ان تقریبات کے لئے خصوصی طور پر بنایا تھا۔ میں نے وہ خوبصورت خیمے بھی دیکھے جہاں جنرل یحییٰ اور انکے رفقاء نے قیام کیا تھا۔ میاں صاحب سے ملاقات 1978ء میں ہوئی جب میں نے ایران سے امریکہ نقل مکانی کی اور لوئیز ویل (Louisvelle KY) جانے سے پہلے دو ماہ واشنگٹن میں ٹھہرا تھا۔ ان دنوں میاں صاحب ورلڈ بنک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھے اور ڈیویلپمنٹ کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے۔ وہ بیت الفضل میں

نماز جمعہ اور جماعت کی دیگر مجالس میں باقاعدگی سے شریک ہوا کرتے۔ اتنے بڑے عہدوں پر فائز اور حضرت مسیح موعود کا پوتا ہونے کے باوجود وہ جماعتی کاموں میں ایک عام فرد کے طور پر شرکت کرتے۔ جب میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تو بہت متاثر ہوا وہ ایک دراز قد، خوش شکل، خوش پوش، پروقار اور موئثر شخصیت کے مالک اور جاذب نظر وجاہت والی شخصیت تھے۔ ان سے مخاطب ہونے میں حجاب ہوتا۔ لیکن جو بھی ان سے بات کرتا ان کی سادگی اور بردباری سے متاثر ہوتا۔ ان کی بات چیت یا ذاتی تعلق میں کبھی بھی حضرت مسیح موعود کے پوتے ہونے کے فخر کا اظہار نہ ہوتا۔ خاکسار ملاقات میں ان کے خلوص سے بہت متاثر تھا۔ میاں صاحب سے میرے برادر نسبتی ڈاکٹر مجیب الرحمان ملک ابن حضرت ملک سیف الرحمن صاحب مفتی سلسلہ آف ہیمپٹن، ورجینیا (Virginia,Hampton) کی بیت الفضل میں منعقدہ شادی کی تقریب میں شرکت کی۔ 1982ء میں میں نے یونیورسٹی آف میڈیسن اینڈ ڈینٹسٹری نیوجرسی میں بطور اسسٹنٹ پروفیسر کام شروع کیا اسی سال جماعت کا سالانہ جلسہ نیوجرسی میں منعقد ہوا۔

اس طرح مجھے میاں صاحب کو ملنے اور سننے کا موقعہ ملا۔ اس جلسہ کی ایک خاص بات مجھے یاد ہے کہ جلسہ کے دوران ایک وقفہ میں ڈاکٹر مسعود ملک صاحب صدر مجلس انصاراللہ امریکہ نے انصار کا اجلاس بلایا۔ اجلاس کے دوران میاں صاحب بھی دیگر انصار کی طرح شامل ہوئے۔ موضوع زیر بحث تھا کہ کس کو جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کے لئے مجلس انصاراللہ امریکہ کے نمائندہ کے طور پر مجلس کے خرچ پہ بھیجا جائے۔ ایک رائے یہ بھی تھی کہ مجلس کی مالی حالت کے پیش نظر خرچ اتنا کیوں برداشت کیا جائے۔ میاں صاحب اس رائے کے حق میں تھے کہ نمائندہ ربوہ بھیجا جائے۔ اور پھر یہی فیصلہ ہوا۔ جلسہ سالانہ کے بعد مجھے بارہا مختلف موقعوں اور تقاریب میں میاں صاحب سے بطور فرد جماعت اور عہدیدار ملاقات کا موقعہ ملتا رہا۔

مجھے نیشنل مجلس عاملہ کی میٹنگز میں جو محترم مولانا شیخ مبارک احمد صاحب (مرحوم) امیر جماعت

امریکہ کی صدارت میں ہوئیں مختلف معاملات کا تجربہ ہوا۔میاں صاحب بھی ان میں شرکت فرماتے اور شیخ صاحب کی بطور امیر جماعت عزت اور تکریم کا پورا لحاظ رکھتے۔محترم شیخ مبارک احمد صاحب بھی میاں صاحب کی رائے کو بہت وزن دیتے اور جماعتی امور میں ان سے بالعموم مشورہ کرتے۔مجلس شوریٰ کے موقع پر شیخ صاحب فنانس سب کمیٹی کا چیئرمین ہمیشہ میاں صاحب کو نامزد فرماتے۔1989 میں دورہ امریکہ کے موقع پر حضرت خلیفۃالمسیح الرابع نے حضرت میاں صاحب کو جماعتہائے احمدیہ امریکہ کا امیر نامزد فرمایا۔تادم آخر آپ خدمت کے اس عظیم منصب پر فائز رہے۔اس دوران اللہ کے فضل سے خاکسار کو میاں صاحب کے دور امارت میں بطور صدر مجلس انصاراللہ،سیکرٹری احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن، پریذیڈنٹ احمدیہ سائنٹسٹ ایسوسی ایشن ، ایڈیشنل چیئرمین بورڈ آف ایجوکیشن اینڈ اکنامک ایڈوانسمنٹ افریقن امریکن یوتھ اور نیشنل سیکرٹری تعلیم کام کرنے کا موقع ملا۔یہاں خاکسار ان بعض واقعات اور تجربات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہے جن سے میاں صاحب کی قائدانہ صلاحیتوں، ان کی شخصیت، دل و دفاع اور دیگر استعدادوں مثلاً دوسروں کو متحرک کرنے یا ان کی رائے کو وزن دینے کا اظہار ہوتا ہے۔

بیت الرحمن کی تعمیر۔

میاں صاحب کی امارت کے دور کی ایک بڑی کامیابی بیت الرحمن کی تعمیر ہے۔تعمیر کے دوران تمام اہم مراحل میں آپ نے پوری توجہ سے رہنمائی فرمائی۔مجلس عاملہ کی ایک اہم میٹنگ میں انہوں نے سنگ مرمر کے مختلف نمونے ممبران کو دکھائے اور بیت الرحمن کی تزئین کے پیش نظر ممبران کی رائے لی کہ کون سا پتھر بہتر رہے گا۔اسی میٹنگ میں قالین کے رنگ کا بھی فیصلہ ہوا۔ چونکہ نارتھ جرسی جماعت کے ایک دوست منور صاحب قالینوں کا کاروبار کرتے تھے اس لئے خاکسار نے ان سے قالین خریدنے کی رائے دی۔میاں صاحب نے اس کو ملحوظ رکھنے پر رضامندی کا اظہار کیا اور تفصیلی مشورہ کے بعد سبز رنگ کے دو نمونوں کا انتخاب کیا۔میاں صاحب کی

بہت خواہش تھی کہ بیت الرحمن کی شروع سے لے کرآخر تک تعمیر کی تاریخ مرتب کی جائے۔جس میں بالخصوص ان غیر معمولی مالی قربانیوں کو ریکارڈ کیا جائے جو امریکن جماعت کے ڈاکٹروں نے پیش کیں۔انہوں نے یہ کام مبشر احمد صاحب مربی سلسلہ کو دیا۔ خاکسار احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن امریکہ کا سیکرٹری تھا اس لئے بیت الرحمن پرجیکٹ کے لئے احمدی ڈاکٹروں کی مالی پیشکشوں کا ریکارڈ میں نے مبشر صاحب کو دیا۔ بیت الرحمن کا افتتاح حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے 14 اکتوبر 1994ءکو جمعہ پڑھا کرفرمایا تھا۔

رسالہ النحل اور دیگر مطبوعات۔

خاکسار جس عرصے میں مجلس انصار اللہ امریکہ کا صدر تھا ہمارے سہ ماہی رسالہ النحل کے کئی خصوصی ایڈیشن شائع ہوئے۔ان میں حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق نمبر، چاند سورج گرہن پیشگوئی نمبر اور اسلامی اصول کی فلاسفی نمبر قابل ذکر ہیں۔ میرا طریق تھا کہ اشاعت سے قبل میاں صاحب کو مسودہ دکھاتا کیونکہ ان کے مفید مشوروں سے رسالہ میں بہتری لائی جاتی تھی مثلاً حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب نمبر کے لئے انہوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر مظفر احمد ظفر صاحب نائب امیر سے ''امریکہ میں احمدیت'' کے موضوع پر مضمون لکھوایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں ''مفتی محمد صادق صاحب۔ امریکہ میں پہلے (احمدیہ) مشنری۔ ایک تاریخی جائزہ'' مضمون لکھا جس کو شامل اشاعت کرنے سے رسالہ بہت بہتر ہوگیا۔رسالہ کا خلافت نمبر شائع کرنے کے موقع پر میری بڑی خواہش تھی کہ میاں صاحب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے بارے میں ذاتی معلومات اور تجربات پر مبنی ایک مضمون لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے ''حضرت مصلح موعود کی یاد کے قیمتی موتی'' مضمون لکھا جو النحل کے قارئین نے بہت پسند کیا۔ بعد ازاں اس کا اردو ترجمہ امیر صاحب کے برادر اصغر محترم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب نے روزنامہ الفضل ربوہ میں شائع کیا۔ میاں صاحب کو النحل پسند تھا اور جب بھی نیا پرچہ انہیں پیش کیا جاتا وہ مسرت کا اظہار فرماتے۔ایک دفعہ

نیشنل عاملہ میٹنگ میں تجویز پیش ہوئی کہ احمدیہ گزٹ کی ایک خصوصی اشاعت پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام نمبر شائع کی جائے۔ میاں صاحب کو یہ نمبر بہت پسند آیا اور انہوں نے اس کی ایک کاپی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی خدمت میں ارسال کی۔ آپ ہمیشہ رسالہ النحل کی کاپی حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کے ساتھ بھجوایا کرتے۔ اور جواب آنے پر نقل خاکسار کو بھیجتے۔

مجلس انصاراللہ نے نمازوں کا ایک چارٹ تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ تیار کرنے پر میں نے اسے میاں صاحب کی منظوری کیلئے بھیجا۔ انہوں نے چارٹ کا بغور مطالعہ کیا اور بہتر بنانے کیلئے کئی ایک تجاویز دیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ شائع کرنے سے قبل چارٹ مبشر احمد صاحب مربی سلسلہ کو بھی دکھایا جائے۔ چنانچہ مبشر احمد صاحب نے بھی اس کا جائزہ لیا۔ اس طرح نہایت عمدہ چارٹ تیار ہوگیا۔ جب یہ چارٹ حضرت خلیفۃ المسیح کی خدمت میں بھیجا گیا تو حضور نے برطانیہ کے سیکرٹری تربیت کو فرمایا کہ وہ یو۔کے جماعت کیلئے بھی یہ چارٹ حاصل کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے 500 چارٹ خریدے۔ اسی طرح میں نے آنحضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روزمرہ کی زندگی کے بارے میں ایک سو احادیث پر مشتمل کتاب Words of Wisdom کا مسودہ تیار کیا تو میاں صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ میاں صاحب نے گہرا تنقیدی جائزہ لینے کے بعد ریمارکس کے ساتھ واپس کیا اور یہ بھی فرمایا کہ اس میں وہ احادیث بھی شامل کی جائیں جو عورتوں سے حسن سلوک اور خانگی زندگی کے بارے میں ہوں۔ چنانچہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد خاکسار نے مسودہ میاں صاحب کو دوبارہ پیش کیا تو وہ ان دنوں لندن جلسہ میں شرکت کے لئے تیاری میں مصروف تھے سو وہ مسودہ ساتھ ہی لے گئے۔ وہاں انہوں نے اس بارے میں مجھ سے بات کی اور پوچھا کہ میں نے کتاب کا نام 141 Traditions of Holly Prophet کیوں رکھا اور کہا میرے ذہن میں کوئی متبادل ٹائٹل بھی تھا میں نے وضاحت کی کوئی اور ٹائٹل تو ذہن میں نہیں اور انہیں ہی درخواست کردی کہ کتاب کا ٹائٹل عنایت کریں۔ انہوں نے اس بارے میں غور کرنے کا وعدہ کرلیا۔ جلسہ کے بعد

خاکسار تو واپس آ گیا لیکن میاں صاحب مزید قیام کے لئے لندن ہی ٹھہر گئے۔ ایک ہفتہ بعد مجھے مسودہ سعید ملک صاحب کی معرفت مل گیا۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ نہ صرف میاں صاحب نے مسودہ کا خود جائزہ لیا بلکہ مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل لندن سے بھی نظر ثانی کروائی۔ ان جائزوں کے باعث نہ صرف یہ کہ مواد بہت بہتر ہو گیا بلکہ مرکز سے اس کی اشاعت کی منظوری بھی جلد مل گئی۔ میاں صاحب نے کتاب کا نام Words of Wisdom تجویز کیا۔ مجھے سائنسی تحقیق مضامین لکھنے کا تو کچھ تجربہ تھا لیکن مذہب کے بارے میں کبھی نہ لکھا تھا۔ چنانچہ بڑی جھجک کے ساتھ میں نے کتاب Welcome to Ahmadiyat 170 صفحات کا مسودہ تیار کیا اور میاں صاحب کی خدمت میں برائے ملاحظہ وتبصرہ بھیج دیا۔ میاں صاحب نے حوصلہ افزائی فرمائی اور کہا کہ پراجیکٹ جاری رکھیں انہوں نے پورے مسودے کو بغور پڑھا اور اپنے ریمارکس کے ساتھ مجھے واپس کیا اور کہا کہ میں تمام مربیان کرام سے بھی اس بارے میں مشورہ کرلوں۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ چنانچہ مسودہ بہت بہتر ہو گیا۔ مرکز سے منظوری بہرحال ایک مرحلہ تھا۔ میاں صاحب نے بھرپور سفارش کی لیکن جب لنڈن سے تنقیدی تبصرہ آیا تو میں نے سمجھا کہ اب کتاب پر مزید پیش رفت نہ ہو سکے گی میاں صاحب نے نہ صرف مرکز کی ہدایات کیمطابق کتاب کو بہتر بنانے کی تجاویز دیں بلکہ مسودہ کو دوبارہ مرکز میں برائے جائزہ اور منظوری بھیج دیا۔ کتاب کے بارے میں آخری تذکرہ ان کے یکم اکتوبر 2001ء کے خط میں ہے۔ انہوں نے لکھا میں آج کل بیمار ہوں لیکن ''کتاب Welcome to Ahmadiyat چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ کی خدمت میں ریویو کے لئے بھیجتا ہوں۔ چوہدری صاحب اور منیر الدین شمس صاحب کی ہدایات پر عمل کے بعد بھیجیں۔ 23 دسمبر 2000ء کا خط بھی منسلک ہونا چاہیے تھا یا ریویو مکمل ہوتا۔ ایم ایم احمد امیر جماعت امریکہ'' میاں صاحب نے ازراہ نوازش دونوں کتابوں Words of Wisdom اور Welcome to Ahmadiyyat کا پیش لفظ خود لکھا۔ میاں صاحب کا

علمی ذوق بلند تھا۔ اور علمی کام میں بہت دلچسپی لیتے۔ ان کی نگرانی میں جماعت نے سوویئنرز شائع کیئے۔ ان میں Around the World کا سوونیئر بھی شامل ہے۔ یہ رسالہ بیت الرحمن کے افتتاح کے موقع پر شائع ہوا۔ اسی سال جماعت احمدیہ امریکہ کا پچاسواں جلسہ سالانہ بھی ہوا اور پاکستان کا پچاسواں جشن آزادی بھی منایا گیا۔ 1990ء کی دہائی کے شروع میں مجلس انصار اللہ امریکہ کی فعال نہ تھی۔ اسے فعال کرنے میں میاں صاحب نے ذاتی دلچسپی لینا شروع کی۔ وہ خود سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے نیویارک تشریف لائے۔ حاضرین سے خطاب کیا اور صدر مجلس کا انتخاب کروایا۔ نئے عہدیداروں کو ہدایات بھی دیں۔ چنانچہ اس طرح انہوں نے مجلس میں نئی روح پھونک دی۔ میاں صاحب کی قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ رہنمائی اور عہدیداروں کی انتھک مساعی سے مجلس اپنے موجودہ مقام کو پہنچی ہے۔ اس کی ایک مثال دیتا ہوں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے مجلس انصار اللہ کو انصار اللہ ہال بنانے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ اگر امیر صاحب لکھیں اور ہال کی ضرورت کو ثابت کریں تو اس معاملہ پر نظر ثانی ہوسکتی ہے۔ میاں صاحب نے ہال کی تجویز کو زندہ رکھا اور مجھے ارشاد فرمایا کہ امریکہ میں انصار اللہ ہال کی ضرورت پر تفصیلاً لکھوں۔ چنانچہ میاں صاحب نے حضور کی خدمت میں خط لکھ کر تجویز کی بھرپور سفارش کی اور جو ضرورت بیان کی گئی تھی اس سے اپنے خط میں پورے اتفاق کا اظہار کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے تجویز کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کی منظوری حاصل ہوگئی مختلف انجمنوں کا قیام۔ امیر صاحب نے امریکہ میں کئی ایک انجمنیں قائم کرنے میں مدد کی مثلاً احمدیہ میڈیکل ایسوسی ایشن، (AMMA) اور احمدیہ سائنٹسٹس ایسوسی ایشن (AMSA) پھر ان کے فروغ کے لئے ہمیشہ تعاون فرمایا۔ میڈیکل ایسوسی ایشن کا جب بھی انتخاب ہوتا خود انتخاب کرواتے اور جب بھی صدر صاحب درخواست کرتے امیر صاحب مدد دیتے۔ (AMMA) کو میاں صاحب کا تعاون ہمیشہ حاصل رہا۔ اور اس کے کارکنان کو ان کی رہنمائی ملتی رہی ان کی امارت کے دوران (AMMA) نے میڈیکل سپلائیز گیمبیا، لائبیریا اور سیرالون روانہ

کیں۔کئی ایک امریکن ڈاکٹر اور ٹینٹسٹ حضرات ان ممالک میں گئے۔علاوہ ازیں (AMMA) نے فضل عمر ہسپتال ربوہ کے لئے میڈیکل مشینیں اور نقد عطیات بھی پیش کئے۔کئی مواقع پر مجلس شوریٰ کے نمائندوں نے امریکہ میں طاہر احمدیہ ایلیمنٹری سکول میں جماعت احمدیہ کے اپنے ایک سکول کے قیام میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔اس خواہش کے احترام میں میاں صاحب نے ایک کمیٹی قائم کی کہ امریکہ میں ایک پرائمری سکول کے قیام پر غور کرے۔مجھے کمیٹی کا چیئر مین مقرر فرمایا۔کمیٹی نے گہری نظر سے ایک نئے سکول کے امکان قیام کا جائزہ لیا۔جس میں دنیوی علوم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جائے۔تقریباً ایک سال کی تحقیق کے بعد کمیٹی نے سکول پراجیکٹ پر اپنی رپورٹ نیشنل مجلس عاملہ کو پیش کی۔میاں صاحب نے مجلس عاملہ کے ساتھ مشورہ کے بعد اس تجویز کی سفارشات کو مان لیا اور Milwaukee شہر میں ایسے سکول کے قیام کی منظوری عنایت فرمائی۔ جب سکول کھل گیا تو میں نے امیر صاحب کو اس کا نام رکھنے کی گزارش کی۔انہوں نے مجھے فون پر بات کرنے کا پیغام بھیجا۔میاں صاحب کی رائے یہ تھی کہ نام سادہ ہو اور احمدیہ ایلیمنٹری سکول رکھ لیا جاوے۔میاں صاحب نے منظوری دے دی اور سکول کا یہ نام رکھ دیا گیا۔خدا کے فضل سے سکول قائم ہوئے دو سال ہو چکے ہیں جو کامیابی سے چل رہا ہے۔تعلیمی وظائف،گرانٹ اور قرضے میاں صاحب نے احمدی طلباء کے لئے تعلیمی وظائف،گرانٹ اور قرضوں کا پروگرام جاری کیا۔پہلے سال میں دس ہزار ڈالر کے وظائف اور گرانٹ جاری کی گئی۔بعد ازاں امیر صاحب نے از خود ان کو ہر سال بڑھانا شروع کر دیا۔چنانچہ یہ رقم بڑھ کر 1999ء میں 20 ہزار ڈالر، 2000ء میں 40 ہزار ڈالر، 2001ء میں 80 ہزار ڈالر اور 2002ء میں ایک لاکھ ڈالر تک ہوگئی۔میاں صاحب نے درخواستوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کرنے کا ارادہ کیا۔مجھے ممبران تجویز کرنے کو کہا۔ میں نے لسٹ میں دو ایسے ممبران بھی تجویز کر دیئے جو ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔میاں صاحب نے ان میں سے ایک نام لے لیا اور فرمایا کہ دونوں خواہ کتنے ہی لائق اور موزوں کیوں نہ

ہوں ایک ہی خاندان کے افراد نہیں ہونے چاہئیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کمیٹی کی دیانت میں فرق نہ آئے۔ اور ممبران ایک دوسرے سے غلط رنگ میں متاثر نہ ہوں۔ بطور امیر میاں صاحب کو جماعت کے مفاد میں فیصلے کرنے کا پورا اختیار تھا لیکن وہ ہمیشہ مختلف افراد سے مشورہ کرتے اور ان کی دیانتدارانہ رائے اور مشورہ کا پورا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ فرماتے۔ مثلاً جب انہوں نے تعلیمی امدادی رقم چالیس ہزار ڈالر سے بڑھا کر اسی ہزار ڈالر کی تو انہوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ اس رقم کا نصف بطور قرضہ حسنہ دیا جائے گا۔ پچھلے سال کے درخواست دہندگان کے حالات کے پیش نظر میری رائے یہ تھی کہ ان میں سے بیشتر گرانٹ کے مستحق ہیں نہ کہ قرضہ کے۔ چنانچہ میں نے میاں صاحب کو فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی گزارش کی۔ انہوں نے مجھے اس مسئلہ پر ان سے الگ بات کرنے کو کہا۔ بعد ازاں خاکسار نے وضاحت کرتے ہوئے چوتھائی حصہ کو بطور قرضہ حسنہ دینے کی سفارش کی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ رقم بہت کم ہے۔ زیادہ ہونی چاہیے۔ تا واپسی پر مستقبل میں مزید طلباء کی مدد کی جا سکے۔ میں نے کہا کہ چلیں 30% قرضہ ہو جائے اور 70% گرانٹ۔ انہوں نے اس تجویز کو مان لیا اور 50% قرضہ حسنہ پر اصرار نہ کیا۔ اس طرح خاکسار کی رائے کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے پذیرائی بخشی۔

جماعتی میٹنگز

نیشنل عاملہ کی میٹنگ ہوتی یا مجلس شوریٰ کا اجلاس۔ میاں صاحب بہت آہستگی سے اور محبت بھرے انداز میں بات کرتے۔ بعض اوقات ایسی بات کرتے کہ حاضرین کھلکھلا اُٹھتے۔ لیکن ماحول کا وقار ہمیشہ برقرار رہتا۔ میاں صاحب فراخ دل تھے۔ دوسروں کی رائے کا ہمیشہ لحاظ کرتے۔ دوسرے کی رائے کو جلد قبول فرماتے۔

خواہ ان کی ذاتی رائے کے خلاف ہوتی۔ ہاں جماعتی مفاد کا پورا خیال رکھتے۔ آخری عمر میں بھی حافظہ بہت اچھا تھا۔ کسی مسئلہ پر بھی بحث کے دوران اس کا پورا پس منظر ان کے ذہن میں ہوتا۔ گہری نظر تھی چنانچہ پیچیدہ جماعتی معاملات کو عمدگی سے حل کر دیتے اس کے باوجود فیصلہ دینے میں

پوری احتیاط فرماتے۔سب متعلقہ افراد کے مشورہ کو سنتے پھر فیصلہ کا تجزیہ کرتے اور فیصلہ دیتے۔ میاں صاحب تمام جماعت بالخصوص نوجوانوں کی دینی اور اخلاقی تربیت میں گہری دلچسپی لیتے۔چنانچہ جلسہ سالانہ ہوتا یا انصار اور خدام کے اجتماعات وہ اپنے خطاب میں احباب جماعت کی مذہبی اور اخلاقی تربیت پر خاص زور دیتے۔اپنی تقریر کو قرآن وحدیث، ملفوظات حضرت مسیح موعود اور ارشادات خلفاء احمدیت کے حوالوں سے مزین فرماتے۔میاں صاحب بالعموم زبانی باتوں کی بنیاد پر فیصلہ نہ دیتے۔ ہر اہم معاملہ پر بحث اور فیصلہ کا تحریری ریکارڈ رکھتے چنانچہ ان کے دور امارت کے تحریری ریکارڈ کا جائزہ لے کر مورخ سب فیصلوں کی کنہ کو پا سکتا ہے۔اس لحاظ سے اس دور کی جماعتی ترقی کا پورا ریکارڈ مہیا ہے۔سو جب بھی جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی تاریخ مرتب کی گئی 1989ء تا 2002ء کے دور کیلئے کچھ مشکل نہ پڑے گی۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحبزادہ ایم ایم احمد صاحب مرحوم کی انسانی اور جماعتی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں بلند ترین درجات سے نوازے۔آمین (الفضل ربوہ 21 جون 2004)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مرحوم۔عبدالغفار ڈار

حضرت مسیح موعود کے خاندان کی جملہ شخصیات میں حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مرحوم کا مقام اور مرتبہ بہت ممتاز نظر آتا ہے۔وہ کتنے ہی اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہوئے اور نصرت الہیٰ قدم قدم پر ان کے شامل حال رہی۔خاکسار نے 1928ء سے 1936 تک قادیان میں تعلیم حاصل کی۔ان کا زمانہ طالب علمی 1933ء کا میرے سامنے ہے،اس زمانے کی شاندار کوٹھی دارالسلام میں مرحوم صاحبزادہ صاحب کی پھوپھی جان حضرت نواب امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ کے ہاں آنا جاتا رہتا تھا اور میں بھی اس

زمانے میں اسی کوٹھی کے ایک کنج عافیت میں رہائش پذیر تھا۔قادیان میں دیگر کھیلوں کے علاوہ بطور خاص میروڈبہ ایک عوامی کھیل کا کافی رواج تھا۔تعلیم الاسلام ہائی سکول کے عقبی گراؤنڈ میں ہم ایک ساتھ کھیلتے بھی رہے۔حضرت نواب صاحب کی اس کوٹھی سے ملحقہ ایک وسیع باغ تھا۔صاحبزادہ صاحب اپنی کارتوسی بندوق کے ساتھ اس جگہ پرندوں کا شکار بھی کیا کرتی تھے۔اس زمانے کی جو بات بطور خاص مجھے یاد ہے وہ آپ کے دوستوں کا حلقہ اچھے نیک اور بالااخلاق دوستوں کا حلقہ ہوتا تھا۔عنفوان شباب کے اس زمانے میں آپ ایک کوہ وقار تھے نہایت سنجیدہ طبیعت اور تمام آلائشوں سے پاک۔ 1933ء میں جب آپ انگلستان تعلیم کیلئے گئے تو یہ میرے سامنے کی بات ہے۔ حضرت مصلح موعود کا ایک طویل خط جو حضور نے برطانیہ روانگی کے موقع پر ان کے نام لکھا وہ الفضل میں شائع ہوا ہے اس تاریخی خط میں حضور نے جو زریں ہدایات آپ کے نام تحریر کیں ان میں ایک ہدایت یہ بھی ہے کہ ’’ہمیشہ اچھے دوستوں سے تعلق پیدا کریں‘‘ نماز کے لئے اہتمام، تلاوت کلام پاک، سلسلہ کے ساتھ وابستگی، دعوت الی اللہ کی طرف توجہ، نظام جماعت کی اطاعت۔صاحبزادہ صاحب نے یہ امور و دیگر متعدد دینی دنیاوی ہدایات جو آپ کو دی گئیں یقیناً آپ نے ان کو حرز جان بنا کر تعلیم حاصل کی اور کامیاب ہو کر واپس آ گئے۔یہ آپ کی اخلاقی کرشمہ سازی ہی تو ہے کہ حضرت صاحبزادہ صاحب کو حضور نے اپنی ایک لخت جگر سے بیاہ دیا۔ جو حضرت خلیفہ اول مولانا حاجی الحرمین مولانا نورالدین کی نواسی ہیں۔حضورے اس خط میں مرزا مظفر احمد صاحب کو’’مایہ خویش‘‘ قرار دیتے ہوئے خط اس طرح ختم کیا۔

سپردم بتو مایہ خویش را ۔۔۔۔ تو دانی حساب کم وبیش را

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی سرکاری ملازمت کا سارا دور کامیابی، نیک نامی اور ترقیات سے عبارت ہے۔حکومت پاکستان کے بڑے بڑے عہدوں تک آپ کی رسائی آپ کی ذہانت ولیاقت اور انتظامی صلاحیتوں کا آئینہ دار تھا۔ چنانچہ آپ کی وفات کے بعد غیر از جماعت

اخبارات میں بھی ان خداداد صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا۔مخالفانہ ماحول کے باوجود آپ کی نیک شہرت، پاک دامنی پر کبھی کوئی حرف گیری نہیں ہوئی۔بعض اعلیٰ کارناموں کی سرانجام دہی کی وجہ سے بین الاقوامی طور پر بھی آپ کی خدمات کا ایک ریکارڈ ہے۔ایک دور میں آپ کو یہ بھی اعزاز حاصل ہوا کہ پاکستان کے سب سے بڑے حکومتی منصب کی قائم مقامی کا بھی آپ کو موقع ملا۔آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو آپ کی مالیات میں ان ماہرانہ قابلیتوں کا ہے جب آپ حکومت پاکستان کے سیکرٹری مالیات تھے اس دور میں آپ کے نام کا سکہ بھی رائج ہوا۔ہمارے بعض دوستوں نے آپ کے دستخط کا ایک روپے کا یہ نوٹ اب بھی بطور یادگار سنبھال کر رکھا ہوا ہے، اور جب آپ پلاننگ کمیشن کے چیئرمین تھے اور مشرقی پاکستان کے حالات دگرگوں ہوئے تو آپ نے بڑی مالیت کے سارے نوٹ منسوخ کروادیئے اور ان کی جگہ نئے ڈیزائن کے سکے جاری کر دیئے گئے۔اس قسم کے بے شمار واقعات ان انٹرویوز میں شامل اور موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً متعلقہ لوگوں نے خاص کوشش اور تردد کر کے حاصل کئے صاحبزادہ صاحب نے اپنی شہرت یا پروپیگنڈہ کے لئے کبھی کسی پریس کانفرنس کا اہتمام نہیں کیا۔یہ بھی ان کے خلوص اور بے نفسی کی ایک دلیل ہے۔

صاحبزادہ صاحب میرے محسن بھی تھے۔ریٹائرمنٹ کے بعد آپ کی سیٹلمنٹ امریکہ میں ہوئی اس طویل وعریض ملک کی امارت آپ کا بہت بڑا اعزاز ہے، خدمت دین کا ایک بڑا فضل الٰہی بھی آپ کے نصیب میں تھا مجھے دوبار ان کی ہی امارت کے زمانے میں امریکہ آنے جانے کا موقعہ ملا میں تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ ان کی جماعتی زندگی اتنی ہمہ گیر اور بھرپور جماعتی زندگی ہوگی میرے امریکہ جانے سے کئی سال قبل کی بات ہے آپ اسلام آباد بیت الفضل میں فروکش تھے میں نے ٹیلی فون پر دعا سلام کا موقعہ نکالا، جونہی میں نے سلام عرض کیا فرمانے لگے آپ کے دونوں بیٹے عبدالحئی ڈار اور عبدالقیوم ڈار مجھ سے ملتے رہتے ہیں اور جمعہ میں باقاعدہ آتے ہیں میں حیران ہوا کہ صاحبزادہ صاحب کتنے باخبر امیر ہیں اور چھوٹے چھوٹے لوگوں کے نام وحالات سے بھی باخبر

ہیں۔ بعد میں میں نے خود وہاں جا کر دیکھا کہ امریکہ کے دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر ہزاروں احمدیوں کو آپ خود جانتے پہنچانتے تھے۔آپ کے اس طویل دور امارت امریکہ کی جھلکیاں ان کے ایک مخلص کارکن سید ساجد احمد صاحب نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کی ہیں۔ جو 24 جنوری 2003ء کو روزنامہ الفضل میں شائع ہوا۔آپ نے جماعت کی جملہ تنظیموں کو فعال اور منظّم کیا حتی کہ 1921ء میں جاری شدہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کے یادگار جاری کردہ اخبار سن رائز کی اشاعت نو کا بھی اہتمام کیا بلکہ اور اخبارات اور رسائل بھی امریکہ میں جماعت کی طرف سے شائع ہورہے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ایک رسالہ آپ کی یادگار ہے، امریکہ میں عظیم بیت الرحمان آف میری لینڈ تعمیر کرائی اس بیت الذکر کے وسیع رقبہ میں ایم ٹی اے کا قیام اور اسی جگہ ہر سال جلسہ سالانہ کا انعقاد آپ کے دور امارت کی نشانیاں ہیں۔ جب بیت الرحمان میں جلسہ سالانہ یا کوئی جماعتی تقریب ہوتی ہے تو جملہ انتظامات اور رونق دیکھ کر قادیان اور ربوہ کے جلسہ سالانہ کی یاد تازہ ہوتی ہے، اب میں اپنی ایک خوشگوار یاد کا ذکر کرتا ہوں جو امریکہ کی ہے، میں کبھی نہیں یہ بھول سکتا کہ ایک جلسہ سالانہ کی اختتامی دعا کے معاً بعد میرے سامنے کی بات ہے کہ اپ کھڑے ہوگئے اور ہاتھ کے اشارے سے قریب ہی کھڑے میرے بیٹے عبدالحیٔ کو اپنے پاس بلالیا۔ میں بھی ساتھ ہولیا حضرت صاحبزادہ صاحب نے عبدالحیٔ کا ہاتھ پکڑا اور قریب ہی اس وقت کے سیکرٹری رشتہ ناطہ سے عبدالحیٔ کا تعارف کرایا اور انہیں تلقین کی کہ ان کی بیٹی کے رشتہ کے سلسلہ میں توجہ کرنی ہے۔ چنانچہ سیکرٹری صاحب ایک دو روز بعد نیویارک تشریف لے گئے مگر آپ کی توجہ فرمائی اور دعاؤں کا نتیجہ یہ ہے کہ رشتہ بفضل تعالیٰ نہایت مناسب جگہ طے پایا۔

امریکہ جیسے آزاد ملک میں احمدی دنیا میں خلیفہ وقت کی تحریکات کو کامیاب بنانے میں صاحبزادہ صاحب مرحوم کی با اثر شخصیت یقیناً مہمیز کا کام دے رہی تھی۔ آپ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے یادوں کے دریچے کھلتے ہیں تو بہت باتیں یاد آتی ہیں۔ 1987ء میں آنمکرم

سے بمقام لندن بیت فضل میں ملاقات ہوئی میں نیعرض کیا کہ آپ سے ملاقات کو جی چاہتا ہے فرمایا جب چاہیں آ جائیں یہ جمعہ کا دن تھا۔ایک روز بعد میں نے پھر مسجد فضل کے گیٹ سے باہر اپنے دوستوں کے ساتھ انہیں مصروف پایا آپ پرائیویٹ سیکرٹری صاحب کے قریب والے لان میں ایک اور مہمان کے ساتھ محو گفتگو تھے اتنے میں مجھ پر نظر پڑی تو مجھے بلوایا کہ میں نیچے آیا ہوا ہوں آ جائیں اور ملاقات کر لیں۔ میاں صاحب ان دنوں کافی کمزور لگ رہے تھے۔ جب اس ملاقات میں میں نے اپنے دل کی باتیں ان سے عرض کیں اور آپ کی بعض نیکیوں اور مروتوں کا بھی ذکر کیا اور عرض کیا کہ اب عمر آخر ہے میر ےلیئے دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری نیک مرادیں پوری کرے اور انجام بخیر ہو، جن نوازشات کا میں نے ذکر کیا انہیں بالکل یاد نہ تھیں گویا نیکی کر اور دریا میں ڈال کا آپ ایک مجسم نمونہ تھے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خاکسار راقم الحروف سری نگری کشمیر میں حضرت مصلح موعود کے جاری فرمودہ ہفت روزہ ''اصلاح'' کا کارپرداز تھا۔ یہ اخبار جو ریاست جموں وکشمیر میں تحریک پاکستان کا علمبردار تھا قبائلی حملہ کے بعد شیخ عبداللہ اور ہری سنگھ گٹھ جوڑ کے بعد پاکستان کے حق میں سرگرمیوں کے جرم میں پہلے بلیک لسٹ ہوا اس کے بعد اس پر سنسر عائد کر دیا گیا پھر اس ناخلف شیر کشمیر کی حکومت میں جس کی استدعا پر یہ ہفت روزہ تحریک آزادی کشمیر کیلیئے جاری کیا گیا تھا ہمیشہ کیلیے بند کر دیا گیا۔اسی پر بس نہیں بلکہ میرے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو چکے تھے کہ مجھے حضرت مصلح موعود کا کسی طرح پاکستان پہنچ جانے کا ارشاد ہوا۔ پاکستان آنے کے دونوں راستے بانہال روڈ وراولپنڈی روڈ بند ہو چکے تھے ہندو پاکستان کے ایک باہمی معاہدہ کے تحت جموں کے مہاجرین کے سیالکوٹ جانے کیلیئے ایک بہت بڑے کنوائے کی منظوری عمل میں آئی میں بھی اس کنوائے میں حلیہ بدل کر ڈرامائی رنگ میں پاکستان پہنچ گیا۔ سیالکوٹ بارڈر پر بخیریت پہنچ جانے کے بعد چونکہ میں اکیلا تھا

سارے قافلے والے لوگ اپنی اپنی منزل کی طرف چلے گئے مجھے پاکستان کی خفیہ پولیس کے دو کانداروں نے دھرلیا۔ میرے پاس واقعی کوئی اجازت نامہ نہ تھا۔ میں انہیں یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ مجھے کشمیر کاز کے سلسلہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سابق صدر حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے بلایا ہے۔ مختصراً یہ کہ مجھے ایک ڈی ایس پی صاحب کے پاس پہنچایا گیا۔ اچانک یاد آیا کہ سیالکوٹ میں تو ایم ایم احمد صاحب ڈپٹی کمشنر ہیں یہ جولائی 1948ء کی بات ہے سو جب اپنی شناخت کیلئے میں نے صاحبزادہ صاحب مرحوم کا حوالہ دیا تو انہوں نے ڈی سی صاحب کے ساتھ فون پر رابطہ کی صاحبزادہ صاحب نے دریافت کیا کہ آپ کون صاحب ہیں میں نے جواب دیا میاں صاحب السلام علیکم میں کوئی صاحب نہیں ہوں میں غفار ہوں فرمانے لگے کہ آپ کیسے آئے ہیں میں نے جواباً کہا کہ آپ سے مل کر ہی عرض کرسکتا ہوں اتنی سی بات کے بعد فرمایا کہ آپ فون ان کو دے دیں۔ آپ نے پولیس والوں کو فرمایا کہ یہ میرے مہمان ہیں ان کو میرے پاس پہنچا دیا جائے چنانچہ ایک سرکاری جیپ پر مجھے ڈی سی صاحب کی کوٹھی پہنچا دیا گیا رات کو آپ کا مہمان رہا، آپ کو ساری بات بتا دی اگلی صبح آپ کے ساتھ ہی ناشتہ کیا اور لاہور رتن باغ پہنچ گیا۔

الغرض آپ کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے آپ کی یاد ہمیشہ دلوں میں تازہ رہے گی۔ جس طرح ساری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب پر فائز کیا اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو اپنی جنتوں میں بلند ترین مراتب نصیب کرے آمین۔ بڑے بڑے مراتب و درجات اور انعام و اکرام عطا کرے۔ آپ کے اس ذکر خیر کے طفیل راقم الحروف کی نیک مرادوں کو پورا کرے اور انجام بخیر ہو۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
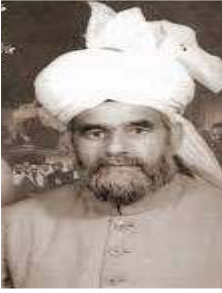
صاحبزادہ مرزا مظفر احمدؐ صاحب کی خدمت میں

جماعت احمدیہ لنڈن کا ایڈریس۔

حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب

ہندوستانی اورنومسلم انگریز دوستوں کے مخلصانہ جذبات

ہندوستانی اورنومسلم انگریز دوستوں کے مخلصانہ جذبات ایک مخلص وصادق احمدی کو ہر وہ بچہ محبوب وپیارا ہے جو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کا وجودان پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ جو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے بالہام الٰہی کیں۔ آپ کا نام ابراہیم رکھا گیا۔ اورفرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کی طرح کثرت سے آپ کو اولاد عطا کی جائے گی۔ نیز فرمایا کہ ہرایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائیگی۔ اوروہ جلد لاولد رہ کرختم ہوجائے گی لیکن تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی۔ اورآخری دن تک سرسبز رہے گی۔ اس پیشگوئی کی صداقت آفتاب نمرود کی طرح چمک رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کو نہ صرف نسلی بعید میں سے پوتے دکھائے بلکہ پڑپوتے بھی دکھائے اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ اورحضرت مسیح موعودعلیہ السلام کی دعاؤں کا نتیجہ۔ اس لئے ہر بچہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہونے کی وجہ سے ہر احمدی کومحبوب ہوتا ہے۔ عرصہ چارسال کا ہوا جبکہ حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین پوتے اورایک پڑپوتا یکے بعد دیگرے حصول تعلیم کی خاطرلنڈن آئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ غیرمما لک میں سے انگلستان کو یہ فخر حاصل ہوا جس میں چارنوجوان ابنائے فارس سے جو حضرت مسیح موعودعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی جاری شدہ چارشاخوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بیک وقت اقامت پذیر ہوئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آئیندہ یہ فخرکسی اورملک یا شہرکوحاصل

ہوگا۔ یانہیں۔ان میں سے ہمارا پیارا سعید تعلیمی جدو جہد کے دوران میں ہی جام شہادت پی کر محبوب ازلی سے جاملا۔اور ہمیشہ کے لئے اپنے اقرباءاور اپنے دوستوں کوداغ مفارقت دے گیا۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون** اے خدابرتُربتِ او بارش رحمت برسا۔باقی تینوں اللہ تعالیٰ کے فضل اوراحسان سے اپنے اپنے امتحانات میں کامیاب ہوئے۔صاحبزادہ مرزاظفراحمد صاحب گزشتہ سال یہاں سے واپس ہندوستان پہنچے۔اورصاحبزادہ مرزاناصراحمد صاحب عرصہ اڑھائی ماہ سے روانہ ہو چکے۔اورمصر میں مقیم ہیں۔اورصاحبزادہ مرزامظفراحمد صاحب کےساتھ ہندوستان پہنچیں گے۔صاحبزادہ مرزامظفراحمد صاحب نے اس قلیل عرصہ میں آئی۔سی۔ایس کا امتحان پاس کرنے کےعلاوہ بی۔اے کاامتحان پاس کیا۔اوراب بارایٹ لاء کاامتحان دیا ہے۔تمام احباب سے دعا کے لئے درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس امتحان میں بھی کامیابی عطافرمائے۔اس امر کا میں خصوصیت سے ذکرکردینا چاہتا ہوں کہ صاحبزادگان نے اثناء قیام لنڈن میں باوجودیکہ وہ بعض اوقات مسجد سے ایک گھنٹہ ریل وبس کے سفر پررہتے تھے۔حتی الامکان باقاعدہ جمعہ کی نماز میں شمولیت فرمائی۔اورمسجد سے تعلق قائم رکھا۔دوسرے طلباء کو مدنظر رکھتے ہوئے جو ہندوستان اور دیگر اسلامی ممالک سے یہاں تعلیم کیلئے آتے ہیں۔ان کا یہ عمل ایک غیر معمولی ہے۔ورکنگ والے باوجودیکہ وہ شہر کے سنٹر میں آکر ایک مکان میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں پھر بھی سوائے بھولے بھٹکے ایک دو کے سینکڑوں مسلم طلباء میں سے کوئی نماز جمعہ میں شامل نہیں ہوتا۔اور جب کبھی سلسلہ کا کوئی کام ان کے سپرد کیا گیا توانہوں نے بخوشی خاطر اسے سرانجام دیا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضلوں سے منورکردے۔اورآسمان روحانیت کے درخشندہ ستارے بنائے۔8اکتوبرکو صاحبزادہ مرزامظفراحمد صاحب کودارالتبلیغ میں الوداعی ٹی پارٹی دی گئی۔جس میں ہندوستانی اورنو مسلم انگیز دوستوں کے علاوہ بعض غیر مسلم انگریز بھی شامل ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کے بعد جو خاکسار نے کی۔مکرم ڈاکٹر سلیمان صاحب نے جماعت احمدیہ کی طرف سے ایڈریس

پڑھا۔صاحبزادہ صاحب موصوف نے ایڈریس کا موزوں الفاظ میں جواب دیتے ہوئے فرمایا۔
ایسے مواقع پر ایڈریسوں میں اکثر باتیں کہہ دی جاتی ہیں اور ایسے رنگ میں تعریف کی جاتی ہے جس کا کم ازکم مخاطب اپنے آپ کو مصداق خیال نہیں کرتا۔اور اسے اس کا جواب دینا مشکل ہوجاتا ہے۔مجھے اپنی کمزوری کا احساس ہے۔میں اس موقعہ پر آپ سے ہی درخواست کروں گا۔کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اگر گذشتہ زمانہ میں مجھ میں یہ باتیں نہیں پائی گئیں تو آئندہ مجھے اللہ تعالیٰ ان اوصاف کا حامل بنائے۔آمین۔

آپ کے بعد مکرمی درد صاحب نے اپنے ذاتی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔مجھے خوشی بھی ہے اور افسوس بھی۔کہ ہمارے پاس سے مرزا مظفر احمد صاحب ہندوستان جارہے ہیں۔جتنا بھی یہاں مجمع ہے وہ کسی خاص شخصیت کے پیش نظر نہیں آیا۔بلکہ سب کے سب خدا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کے اظہار کیلئے جمع ہوئے ہیں۔مرزا مظفر احمد صاحب کا ہر دلعزیز ہونا ان کی لیاقت یا قابل تحسین اخلاق کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک نا قابل بیان جذبہ ہے۔جس کی وجہ سے میں اور ہر دوسرا شخص ان سے محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ہر نبی جو دنیا میں آیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈالتا رہا ہے۔جس سے ان کی ہر چیز پیار سے نظر آنے لگتی ہے۔پس محبت کا ایک کرشمہ ہے۔جس نے ہمیں آج اس جگہ جمع ہونے پر مجبور کیا ہے۔اس سے پہلے بھی ایسے مواقع آئے۔جن میں قابل عزت ہستیاں ہمارے پاس سے رُخصت ہوئیں مثلاً مرزا مظفر احمد و مرزا ناصر احمد صاحب۔نہایت افسوس کی بات ہے کہ بارادہ الٰہی مرزا سعید احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑپوتے بیمار ہوکر یہاں وفات پاگئے۔لیکن خوشی کی بات ہے کہ ان چار میں سے تین کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے ہیں۔میں سمجھتا تھا اور ایسے احساسات کسی دلیل پر مبنی نہیں ہوتے کہ جب تک صاحبزادگان اس ملک میں موجود ہیں۔یہاں جنگ نہیں ہوگی۔چنانچہ کئی دفعہ جنگ کے زبردست امکان پیدا ہوئے لیکن ایسے اسباب پیدا

ہوجاتے رہے جن سے جنگ رُک جاتی رہی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس اثناء میں مجھے بھی ان کی خدمت کا موقع مل گیا۔آخر دعا پر یہ تقریب بخیر خوبی ختم ہوئی۔

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ 23اکتوبر 1938ءصفحہ 4۔5)

صاحبزادہ مرزا مظفر احمدؐ صاحب کی خدمت میں

جماعت احمدیہ برطانیہ کا ایڈریس

صاحبزادہ مرزا مظفر احمدؐ صاحب کو الوداع کہنے کیلئے برطانیہ کے احمدؐیوں نے جو جلسہ منعقد کیا۔ اس کا ذکر ایک گزشتہ پرچہ میں کیا جا چکا ہے اس موقع پر آپ کی خدمت میں جو ایڈریس پیش کیا گیا۔اس کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:۔ہم ممبران جماعت احمدیہ برطانیہ اس فخر میں منفرد ہیں۔کہ گزشتہ چند سالوں میں ہمارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نہایت قریبی چار نوجوان ہم میں رہے ہیں۔ہمیں اس کا انتہائی رنج اور افسوس ہے۔کہ ان میں سے ایک صاحبزادہ مرزا سعید احمد صاحب کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑپوتے تھے۔ موت کے ظالم پنجہ نے ہم سے جدا کر دیا۔مرحوم ذہین اور بہت بڑی امیدوں کے آماجگاہ تھے اور اپنی پرکشش شخصیت اور شریف طبیعت کے باعث ہمیں بہت عزیز تھے۔ہم سب ان کی وفات پر ماتم کناں ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔مرحوم کی یاد ہمارے قلوب میں ہمیشہ تازہ رہے گی۔اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے تین صاحبزادگان نے یہاں اپنی تعلیم کی تکمیل کی صاحبزادہ مرزا ظفر احمدؐ صاحب اور صاحبزادہ مرزا ناصر احمدؐ صاحب کو ہم پہلے الوداع کہہ چکے ہیں۔اور آج ہم آپ کی خدمت میں پرجوش الوداع کہنے کیلئے یہاں جمع ہوئے ہیں:۔ہم آپ کی جدائی پر غمگین ہیں۔ہم محسوس کرتے تھے۔کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتوں کی موجودگی ہمارے لئے

برکات کا موجب ہے نہ صرف ہمارے لئے بلکہ اس ملک کے تمام لوگوں کیلئے اور ہمیں افسوس ہے کہ اس مقدس وفد کا آخری ممبر بھی اب ہم سے جدا ہو رہا ہے اور ہم نہیں جانتے۔ کہ آپ کو دوبارہ انگلینڈ میں دیکھنے کا فخر کب حاصل ہو سکے گا۔ ہم اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم کو آپ سے محبت تھی۔ اور ہمارے دلوں میں آپ کا احترام تھا۔ مگر اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ آپ کو ایک عظیم الشان انسان کا پوتا ہونے کی سعادت حاصل تھی بلکہ اس کا سبب آپ کا اعلیٰ کیرکٹر اور ممتاز شخصیت بھی تھی۔ آپ کے پر کشش اخلاق پر ملنے والے پر گہرا اثر ڈالتے تھے۔ آپ کی صحبت ہمیشہ پُر راحت اور گفتگو خوشگوار مزاج کی چاشنی رکھنے کی وجہ سے نہایت خوشکن ہوتی تھی۔ آپ کے تشریف لے جانے کی وجہ سے ہمارے اندر ایک ایسا خلا پیدا ہو جائیگا جو سوائے اس کے کہ آپ کا کوئی اور بھائی یا چچا زاد بھائی یہاں آئے۔ پورا نہ ہو سکے گا۔ لیکن آپ کی جدائی کے ساتھ ساتھ اس کامیابی پر ہمیں مسرت بھی ہے۔ جو اپنی تعلیم کے سلسلہ میں آپ نے حاصل کی ہے۔ یہ کامیابی کوئی معمولی نہیں۔ اور صرف کسی امتحان میں چند فیصدی نمبر حاصل کرنے پر ہی ختم نہیں ہو جاتی۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ یہ کوئی امتحان نہیں تھا جو آپ نے پاس کیا بلکہ ایک دوڑ تھی۔ جو آپ نے جیتی ہے۔ ایک ایسی دوڑ جس میں آپ کو سینکڑوں ایسے لوگوں سے مقابلہ در پیش تھا۔ جن میں سے ہر ایک آگے بڑھ جانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آپ کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس پر ہم آپ کو مبارکباد عرض کرتے ہیں۔ آپ کا نام مظفر ہے۔

جس کے معنے ہی کامیاب کے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ آپ اسم با مسمیٰ ثابت ہوئے۔ کامیابی ہمیشہ آپ کے ہم رکاب رہی ہے اور گزشتہ تجربہ کی بناء پر ہمیں کامل امید ہے کہ آپ کا اسم گرامی مظفر آپ کی تمام زندگی میں آپ کیلئے کامیابیوں کا ضامن ہوگا اور ماضی کی طرح مستقبل میں بھی آپ ہر میدان میں بامراد اور کامران آئیں گے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ کہ

آپ جو چند سال قبل ایک طالب علم کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ ایک آئی۔ سی۔ ایس کی حیثیت سے واپس جا رہے ہیں۔ اس کامیابی پر ہم آپ کو پھر ایک بار مبارک باد عرض کرتے ہیں:۔صاحبزادہ صاحب! اس اعلیٰ پوزیشن نے جس پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفہ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں کے طفیل آپ پہنچے ہیں۔آپ کے کندھوں پر بھاری ذمہ داریاں بھی ڈال دی ہیں۔اور ہم دعا کرتے ہیں۔کہ اللہ تعالیٰ ہر موقعہ پر آپ کا معین و مددگار اور رہبر وراہ نما ہو۔اور آپ کو ایسا فہم اور جرات عطا کرے۔کہ آپ صحیح طور پر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں جماعت احمدیہ کا ایک ممبر ہونے کی حیثیت سے آپ کے ذمہ بعض اور فرائض بھی ہوں گے اور ہم یہ بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس شان کیساتھ ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے طاقت اور ہمت عطا کرتے۔ جو حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند کے شایان شان ہو۔آخر میں ہم آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔کہ آپ جماعت احمدیہ برطانیہ کی روحانی و اخلاقی حالت کی اصلاح اور یہاں احمدیت کی کامیابی نیز مغرب میں اسلام کے غلبہ کے لئے مسلسل دعا فرماتے رہیں۔خدا کرے کہ اپنے اس سفر کے دوران میں آپ نے جن یورپین ممالک کو دیکھا ہے نیز جو ممالک آپ پہلے دیکھ چکے ہیں۔ان سب میں نخل اسلام کی جڑیں مضبوط ہوں۔ پھلے پھولیں اور بار آور ہو۔آمین۔صاحبزادہ صاحب! ہم آئندہ زندگی میں آپ کی کامیابی کے خواہاں ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر بھر اپنی اور اپنی مخلوق کی بہترین خدمات کی توفیق عطا کرے۔ جہاں بھی آپ ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ ہو اور آپ اسلام کے آسمان پر روشن ستارہ کی طرح چمکیں:۔ان مختصر الفاظ کے ساتھ ہم ممبران جماعت احمدیہ برطانیہ آپ کو الوداع کہتے ہیں:۔صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مولوی فاضل بی اے صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؓ صاحب ابن حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ جو ان دنوں مصر سے اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب بی اے ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جو ولایت سے انشاء

اللہ عنقریب تشریف لانیوالے ہیں۔ احباب دعا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ نے خاندان نبوت کے ان نونہالوں کو بخیر و عافیت واپس لائے اور اپنے بے شمار برکات کا مورد بنائے۔

(روزنامہ الفضل قادیان دارالامان مؤرخہ 26 اکتوبر 1938)

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی مثالی زندگی پر ایک نظر

محترم صاحبزادہ ظاہر احمد مصطفیٰ

روزنامہ ''الفضل'' ربوہ 12 دسمبر 2009ء میں محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے بارہ میں مکرم ظاہر احمد صاحب کی جلسہ سالانہ امریکہ 2003ء کے موقع پر انگریزی میں کی گئی تقریر کا خلاصہ مکرم پروفیسر راجا نصر اللہ خان صاحب نے پیش کیا ہے۔

محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب 28 فروری 1913ء کو قادیان میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے قانون کی ڈگری لی اور پھر انڈین سِول سروس کا مقابلہ کا امتحان کامیابی سے پاس کیا۔ پھر برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں سے واپس ہندوستان آنے پر آپ کی شادی حضرت مصلح موعودؓ کی صاحبزادی محترمہ امۃ القیوم صاحبہ سے ہوئی۔ پاکستان کے قیام کے بعد آپ نے بطور سِول سرونٹ پاکستان کی خدمت کا فیصلہ کیا اور ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے مغربی پاکستان کے سیکرٹری مالیات، صوبے کے ایڈیشنل چیف سیکرٹری، مرکزی سیکرٹری تجارت، مرکزی سیکرٹری خزانہ، وزیر منصوبہ بندی اور وزیر خزانہ کے عہدوں پر فائز

رہے۔ بعد میں عالمی بینک میں ایگزیکٹوڈائریکٹر برائے مشرق وسطیٰ و پاکستان مقرر ہوئے۔ 1984ء میں ریٹائر ہوگئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کومیاں صاحب کے روحانی مقام کا بھی ادراک تھااوراسی لئے 80ء کی دہائی کے ایک جلسہ سالانہ میں اپنی تقریر کے دوران حضورؒ نے فرمایا تھا کہ آپ سب ایم ایم احمد کو جانتے ہیں کہ انہوں نے اس دنیا میں کیا کیا کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔لیکن ان کی روحانی کامرانیاں ان کی دنیاوی کامیابیوں سے کہیں بڑھ کر ہیں۔

محترم صاحبزادہ صاحب کی عالمی راہنماؤں کے ساتھ سینکڑوں تصاویر ہیں جن میں وہ احترام کے ساتھ سر اٹھائے پوری طرح کھڑے نظر آتے ہیں لیکن خلفاء کے ساتھ جوتصویریں ہیں اُن میں اپنا سر جھکائے رکھتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی وفات سے چند ہفتے پیشتر مَیں نے حضورؒ کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ حضرت صاحبزادہ صاحب کے لوح مزار کے لئے چند کلمات عنایت فرماویں۔حضورؒ نے ارشاد فرمایا: ’’آپ خود لکھیں اور میری جانب سے مندرجہ ذیل الفاظ شامل کریں: ’’وہ خلافت احمدیہ کے کامل فدائی تھے۔ان کی خلافت کے ساتھ ایسے اعلیٰ درجے کی غیر متزلزل محبت، اطاعت اورالفت تھی کہ مَیں بحیثیت چھوٹا بھائی ہونے کے بسا اوقات الجھن سے دوچار ہوجاتا تھا‘‘۔(Embarrassed)

اپنی وفات سے چند ماہ قبل ایک بار محترم میاں صاحب نے اپنے بیڈ کے قریب دراز سے خطوط کا ایک پیکٹ نکالا جو حضورؒ نے اُنہیں تحریر فرمائے تھے۔ پھر ہم سے کہنے لگے: یہ میری زندگی کا سرمایہ ہے۔

محترم میاں صاحب نے اپنی زندگی کے آخری 9 سال کمر درد کی وجہ سے تکلیف میں گزارے۔لمبا فاصلہ چلنا مشکل ہوتا تھا۔ایک دفعہ جب ہم حضورؒ کو الوداع کہنے کے لئے امریکہ کے Dulles ایئرپورٹ پر موجود تھے اور مَیں ساتھ ساتھ چل رہا تھا تو حضورؒ نے مجھ سے پوچھا:

بھائی کہاں ہیں؟ مَیں نے عرض کیا کہ ٹانگ اور کمر درد کی وجہ سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ حضورؒ واپس مُڑے اور پیچھے کی طرف چلنے لگے۔ میاں صاحب بہت سنبھل سنبھل کر چل رہے تھے۔ پیچھے ایک نائب وھیل چیئر کے ساتھ چلے آرہے تھے۔ حضورؒ نے بڑی محبت سے فرمایا: بھائی! وھیل چیئر پر بیٹھ جائیں۔ میاں صاحب نے حضورؒ کی طرف مُڑ کر بڑی احسان مند نظروں سے کہا: مجھے اجازت ہے؟۔ پھر اپنے امام کی اجازت سے چیئر پر بیٹھنے کے باوجود بھی میاں صاحب کی بے چینی اُن کے چہرہ سے عیاں تھی کیونکہ اُن کا آقا تو ابھی کھڑا تھا۔

اُن کی زندگی کا نصب العین دین کو دنیا پر مقدّم رکھنا تھا۔ جب وہ بیدار ہو کر باتھ روم جاتے تو درد کی وجہ سے مجھے اُن کی آواز سنائی دیتی۔ پھر جب وہ سخت کوشش کر کے اپنے کپڑے پہن رہے ہوتے تو بھی درد کی آواز سنائی دیتی۔ لیکن اُن کا لباس لازماً بے شکن اور بے داغ ہوا کرتا تھا۔ اُن کی ٹائی کا رنگ کوٹ کی اوپر والی جیب میں سجے رومال کے ہم رنگ ہوتا اور جرابیں اور جوتے لباس کے رنگ کے مطابق ہوتے۔ جب وہ گھر کی سیڑھیوں سے اترتے ہوئے گیراج کی طرف جا رہے ہوتے تو بھی مجھے اُن کے درد کی آواز سنائی دیتی۔ لیکن اُن کے درد کی آواز مَیں نے کبھی نہیں سنی جب وہ اپنے دفتر میں بیٹھے گھنٹوں کام کر رہے ہوتے یا کسی طویل اجلاس کی صدارت کر رہے ہوتے یا جلسہ میں یا شوریٰ کے اجلاس میں موجود ہوتے۔

میاں صاحب افراد جماعت سے کہا کرتے کہ وہ اپنے آپ سے یہ سوال کیا کریں کہ ”آج مَیں نے اپنے دین کے لئے کیا کام کیا ہے؟“۔ اور آپ اپنے آپ سے ہر روز یہ سوال پوچھا کرتے تھے۔ آپ میں دو خصوصیات بہت نمایاں تھیں: دوسروں پر اعتماد کرنا اور خود کو دوسروں کے لئے قابل اعتماد ثابت کرنا۔

مَیں بچپن میں آپ کو ٹی وی پر اور اخبارات میں دیکھتا اور پڑھتا۔ لیکن جب آپ میرے ساتھ ہوتے تو بالکل میرے جیسے بن جاتے۔ میرے ساتھ کھیلتے اور مَیں آپ کی کمر پر سوار ہو کر سارے

گھر میں گھومتا۔ ایک بار اپنے کچھ دوستوں کے اصرار پر فلم دیکھنے چلا گیا۔ یہ چیز اچھی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اُس زمانہ میں پاکستان میں فلم شروع ہونے سے پہلے عوام الناس کو باخبر رکھنے کے لئے ایک ہفتہ وار خبرنامہ پیش کیا جاتا تھا۔ جب وہ خبرنامہ شروع ہوا تو اُس میں زیادہ تر میاں صاحب کو ہی دکھایا گیا۔ اُن کی اعلیٰ سرگرمیاں دیکھیں تو مجھ پر احساس جرم غالب آ گیا اور مَیں فلم شروع ہونے سے پہلے ہی سینما گھر سے باہر نکل آیا۔

جب مَیں بچہ تھا تو مجھے اچھی کاروں کا بہت شوق تھا اور مَیں سکول کے لئے ضد کر کے اُس گاڑی میں جاتا تھا جو محترم میاں صاحب کو گورنمنٹ نے مہیا کی ہوئی تھی۔ ایک دن ڈرائیور نے مجھ سے پوچھا کہ مَیں اس گاڑی کے لئے کیوں اصرار کرتا ہوں۔ مَیں نے جواب دیا کہ کیسی شاندار کار ہے۔ اُس نے مجھے ایک نوٹ بُک دکھائی اور کہا کہ پہلے ہی روز میاں صاحب نے اُسے یہ نوٹ بک دی تھی کہ اُن کے خاندان کا جو فرد بھی گاڑی استعمال کرے تو اس کے میٹر سے مسافت نوٹ کر لی جائے اور پھر اس کا حساب کر کے ہر ماہ رقم میاں صاحب کے ذاتی فنڈ سے گورنمنٹ کو منتقل کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مَیں خود کبھی اُس کار میں سوار نہیں ہوا۔

الفضل کے ایک مضمون میں یہ واقعہ شائع ہوا تھا کہ دو دوست اپنے کسی مسئلہ میں انصاف نہ ہونے کی شکایت لے کر جب کمشنر سے ملنے پہنچے تو وہاں دیکھا کہ بے شمار ملاقاتی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں کئی بااثر لوگ بھی شامل تھے۔ دونوں دوست ملاقات سے ناامید ہو گئے لیکن پھر ایک رقعہ لکھا کہ ہم غریب لوگ ہیں اور ایک لمبا سفر طے کر کے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ رقعہ لے جانے والا ملازم فوراً ہی واپس آ گیا اور انہیں عمارت کے دوسرے دروازہ پر لے گیا۔ دروازہ پر دستک دی تو ایک نوجوان نے دروازہ کھول کر انہیں اندر بلا لیا اور پوچھا کہ کیا ناشتہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم صرف کمشنر کو ملنے آئے ہیں اور اگر وہ نوجوان ان کی ملاقات کمشنر سے کرا دے تو وہ بہت شکر گزار ہوں گے۔ وہ نوجوان کمرہ سے چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک ٹرے کے

ساتھ لوٹا جس میں چائے اور بسکٹ رکھے ہوئے تھے۔ ایک بار پھر دونوں نے التجا کی کہ وہ کمشنر سے ملنا چاہتے ہیں۔ نوجوان نے مسکرا کر بتایا کہ وہی اس علاقہ کے کمشنر ہیں۔

محترم میاں صاحب بہت بامروّت اور دوسروں کا خیال رکھنے والی شخصیت تھے۔ ایک دفعہ آپ نے دورہ پر آئے ہوئے پاکستان کے وزیر خزانہ کو ایک ریسٹورنٹ میں کھانے کی دعوت دی۔ مَیں نے کہا کہ ہم جب بھی پاکستان جاتے ہیں تو یہ وزیر ہماری دعوت اپنے گھر پر کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ مَیں انہیں گھر پر نہیں بلانا چاہتا؟ اگر مَیں گھر پر اُن کی دعوت کروں تو تنگ نظر اور متعصب لوگ اُن کے پیچھے پڑ جائیں گے۔

بہت دفعہ ایسے ہوا کہ اگر میاں صاحب کو محسوس ہوا کہ انہوں نے گھر کے کسی فرد کے ساتھ زیادتی کی ہے تو وہ ہمارے پاس آتے اور کوئی عذر بنائے بغیر کہتے: ’’مَیں غلطی پر تھا۔ مجھے معاف کردیں‘‘۔ آپ کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ آپ ہر لفظ سچے دل سے کہہ رہے ہیں۔

محترم میاں صاحب واقفین زندگی اور خدمت دین کے لئے مستعد رہنے والوں کے لئے بہت نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مکرم مولانا شمشاد ناصر صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ پہلی بار امریکہ آرہے تھے تو لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر اُن کی ملاقات محترم میاں صاحب سے ہوئی اور انہیں اپنا تعارف کروایا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جہاز میں سوار ہونے کے بعد دوران پرواز کئی بار میاں صاحب اُن کے پاس آئے اور خیریت دریافت کرتے رہے۔ امریکہ میں جہاز اترنے سے پہلے آکر فرمایا کہ وہ ڈپلومیٹک لاؤنج سے باہر جائیں گے اور تسلّی کرلیں گے کہ جماعت کا کوئی نمائندہ شمشاد صاحب کو لینے کے لئے موجود ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ خود شمشاد صاحب کا انتظار کریں گے۔ جب باہر نکل کر میاں صاحب نے تسلّی کرلی کہ جماعتی نمائندہ موجود ہے تو پھر دوبارہ امیگریشن ایریا میں جاکر شمشاد صاحب کو اطمینان دلایا اور پھر خود ایئرپورٹ سے رخصت ہوئے۔

مکرم مبارک ملک صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب میاں صاحب مجلس عاملہ کے ساتھ

اجلاسات کے لئے گھنٹوں مسجد میں مصروف رہتے تو اپنا دوپہر کا کھانا ساتھ لے آتے۔ جب کھانا کھانے بیٹھتے تو سارا پھل موجود ممبران میں تقسیم کر دیتے بلکہ سینڈوچ بھی آدھا کر کے ایک حصہ دوستوں کو دے دیتے۔ یہ منظر وہاں موجود دوستوں کے لئے بہت دلگداز ہوتا اور خدمت کرنے والوں کے لئے اُن کی شفقت کو ظاہر کرتا۔

مکرم ملک مسعود صاحب کے بیٹے کے ولیمہ کے موقع پر محترم میاں صاحب سٹیج پر چڑھتے ہوئے پھسل گئے اور انہیں چوٹ آ گئی۔ آپ پھر بھی سیڑھیاں چڑھ کر سٹیج پر پہنچ کر دعا میں شریک ہوئے۔ واپسی پر آپ نے ذکر کیا کہ آپ کی ٹانگ میں چوٹ آئی ہے۔ مَیں نے (ہڈیوں کے ماہر) اپنے برادر نسبتی ڈاکٹر اشفاق حسن صاحب کو فون کیا تو انہوں نے رات ایک بجے آ کر زخم کا معائنہ کیا اور کہا کہ کل صبح ہی آپ کو ہسپتال لے جایا جائے۔ مَیں نے میاں صاحب سے کہا کہ آپ نے مجھے چوٹ کے متعلق اُسی وقت کیوں نہ بتا دیا تاکہ علاج مہیا ہو سکتا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ملک صاحب اتنے شیدائی کارکن ہیں۔ مَیں اُن کے خاص خوشی کے دن کو خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔

آپ مجھے نصیحتاً کہا کرتے تھے کہ دیانتدار بننے کے لئے تمہیں لازماً سخت محنتی بننا ہوگا۔ تم ان میں سے ایک چیز کو دوسری کے بغیر حاصل نہیں کر سکتے۔ آپ یہ بھی نصیحت کیا کرتے تھے کہ جس چیز سے تمہیں اپنے آپ کو بچانا ہے وہ یہ ہے کہ غلط عمل کا شائبہ تک نظر نہ آئے۔ چند سال پیشتر جماعت کو ایک گاڑی کی ضرورت تھی۔ ایک سٹاف ممبر اپنی کیڈلک گاڑی صرف پانچ ہزار میں فروخت کر رہے تھے۔ گاڑی بہت عمدہ حالت میں تھی اس لئے مَیں نے مشورہ دیا کہ یہ گاڑی خرید لی جائے۔ آپ نے کہا کہ مَیں اس وقت مسجد بیت الرحمن کی تعمیر کے لئے دوسروں سے چندہ اکٹھا کرنے کی مہم پر ہوں اس لئے خود کیڈلک پر سوار ہو کر نہیں گھوم سکتا۔ مَیں نے گاڑی کی انتہائی واجبی قیمت کے متعلق بتایا تو آپ نے کہا کہ کیا تم اس کے دروازہ پر یہ اعلان لگانا چاہتے ہو کہ اس کی قیمت صرف پانچ ہزار ہے اور جماعت کی رقم کا غلط استعمال نہیں ہو رہا...... غلط کام کی پرچھائیں

سے بھی بچنا چاہئے۔

محترم میاں صاحب انتہائی منکسر المزاج اور بے نفس انسان تھے۔ پاکستان کے پچاسویں یوم آزادی کے موقع پر جماعت احمدیہ امریکہ کی طرف سے شائع ہونے والے سوونیئر میں اُن سپوتوں کے مختصر کوائف اور فوٹو شامل ہیں جنہوں نے پاکستان کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا تھا۔لیکن اس سوونیئر میں میاں صاحب کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ خود اس کی اشاعت کر رہے تھے اور انہوں نے اپنا تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اسی طرح جس دن ایک نیوز کانفرنس میں شامل نمائندے آپ کو His Excellency کہہ کر مخاطب کر رہے تھے تو میری والدہ محترمہ نے آپ سے پوچھا کہ یہ الفاظ تو مرکزی وزراء وغیرہ کے لئے بولے جاتے ہیں۔تو آپ نے جھجکتے ہوئے جواب دیا: مَیں وزیر ہوں۔ چنانچہ اُس روز ہم گھر والوں کو اتفاقاً علم ہوا کہ آپ وزارت کے منصب پر فائز ہیں۔

محترم میاں صاحب کہا کرتے تھے کہ ہمیں اپنے گھروں کو اسلام کی چھوٹی چھوٹی یونیورسٹیوں میں تبدیل کر دینا چاہئے۔آپ کا اپنا گھر اس کی عملی تصویر تھا جس کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی ایک بار اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔

دراصل آپ یہ یقین رکھتے تھے کہ پیشتر اس کے کہ آپ اپنے بچوں کے لئے کسی ایسے تربیتی منصوبہ کا آغاز کریں، آپ کا پہلے لازماً بچوں کے ساتھ ایک تعلق قائم ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ میرے بڑھنے کے دَور میں میرے ساتھ بہت سا وقت گزارتے تھے۔ جب مَیں بڑا ہو رہا تھا تو ہمیشہ یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہیں۔ جب کوئی اُن سے یہ کہتا کہ اس طرح وہ مجھے بگاڑ رہے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا کہ اِس نے کبھی میری حکم عدولی نہیں کی اور اگر کوئی بچہ حکم عدولی نہیں کرتا تو وہ بگڑ نہیں سکتا۔ وہ میرے بچوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے۔

محترم میاں صاحب یہ یقین رکھتے تھے کہ نہ صرف بچوں کی اپنی حفاظت کے لئے بلکہ احمدیت

کی مسلسل ترقی کے لئے بھی ان بچوں کی تربیت کرنا اورانہیں مستقبل کے لئے تیار کرنا ازحد ضروری ہے(روزنامہ ''الفضل'' ربوہ12 دسمبر2009ء)

وفات، جنازہ اور تدفین

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب مورخہ 23 جولائی 2002ء کو پاکستانی وقت کے مطابق صبح ساڑھے نو بجے واشنگٹن امریکہ میں 89 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ امریکہ میں جنازہ مورخہ 26 جولائی 2002ء جمعۃ المبارک بوقت 9 بجے شام بمقام بیت الرحمان واشنگٹن آپ کی نماز جنازہ مکرم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب قائم مقام امیر جماعت امریکہ نے پڑھائی۔ اس جنازہ میں امریکہ بھر سے آئے ہوئے تقریباً دو ہزار احمدیوں نے شرکت کی جس میں کینیڈا کا 150 افراد پر مشتمل وفد مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب امیر و مشنری انچارج کینیڈا کی سربراہی میں شامل ہوا۔ احمدیوں کے علاوہ غیر از جماعت احباب کی ایک تعداد بھی جنازہ میں شامل ہوئی۔

جنازہ کی پاکستان روانگی

مورخہ 27 جولائی بروز ہفتہ 8 بجے شام آپ کا جسد خاکی امریکہ سے پی آئی اے کی فلائٹ پر لاہور کے لئے روانہ ہوا۔ آپ کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ، مکرم ظاہر مصطفی احمد اور دوسرے عزیزان کے علاوہ امریکہ جماعت کا مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک وفد میت کے ساتھ پاکستان آیا ہے۔: مکرم داؤد احمد حنیف صاحب مربی سلسلہ نیو یارک، مکرم ملک مسعود احمد صاحب جنرل سیکرٹری جماعت امریکہ، مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب واقف زندگی مقیم واشنگٹن، مکرم اویس باجوہ صاحب نمائندہ خدام الاحمدیہ یو ایس۔ اے۔ آپ کا جسد خاکی مورخہ 28 جولائی بروز اتوار بارہ بجے شب لاہور پہنچا۔ اور تقریباً دو بجے دارالذکر لاہور پہنچا۔

لاہور میں نماز جنازہ

مورخہ 29 جولائی بروز سوموار ساڑھے آٹھ بجے صبح دارالذکر لاہور میں آپ کا جنازہ مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر امور خارجہ وصدر انصاراللہ پاکستان نے پڑھایا جس میں لاہور اور گردونواح کے کثیر احباب نے شرکت کی۔

جنازہ کی ربوہ آمد: مورخہ 29 جولائی بروز سوموار دوپہر 12 بجے کے قریب حضرت صاحبزادہ صاحب کا جسد خاکی ربوہ پہنچا۔احباب جماعت کے دیدار کے لئے آپ کا جسد خاکی گیسٹ ہاؤس احاطہ قصر خلافت میں رکھا گیا تھا۔

دیدار کے لئے لوگوں کی آمد

29 جولائی بروز سوموار بعد دوپہر 5 بجے سے احباب جماعت نے آپ کا آخری دیدار شروع کیا مردوں نے لمبی لمبی قطاروں میں رات گئے تک آپ کا آخری دیدار کیا۔اس موقعہ پر احباب کے لئے کرسیوں اور ٹھنڈے پانی کا انتظام تھا۔رات گیارہ بجے تک دیدار ہوا اور پھر منگل کی صبح بعد نماز فجر سے 9 بجے صبح تک آپ کے آخری دیدار کے لئے احباب تشریف لاتے رہے۔

آخری دیدار اور جنازہ کے لئے انتہائی احسن انداز میں انتظامات کئے گئے۔خدام ربوہ نے سینکڑوں کی تعداد میں مختلف ڈیوٹیوں میں حصہ لیا جن میں سیکیورٹی ٗ کار پارکنگ ٗ سائیکل وموٹر سائیکل پارکنگ ٗ وقار عمل ٗ مہمان نوازی ٗ جنازہ روانگی کے انتظامات اور اعلانات وغیرہ شامل تھے۔ اطفال کی ایک بڑی تعداد نے پانی پلانے کے انتظامات کئے۔مہمانوں کی آمد کی وجہ سے دارالضیافت میں کھانے کا وسیع انتظام کیا گیا تھا۔معزز مہمانوں کی رہائش کا انتظام مختلف گیسٹ ہاؤسز میں کیا گیا جن میں خدام اور اطفال نے ڈیوٹیاں سرانجام دیں

30 جولائی 2002ء صبح 10 بجے بیت المبارک میں مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی نے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔بیرونی ممالک اور ربوہ کے

علاوہ پاکستان کے دور دراز علاقوں اور آزاد کشمیر سے بھی احباب جماعت تشریف لائے ہوئے تھے۔احباب جماعت کی ایک کثیر تعداد جنازہ میں شمولیت کے لئے بیت المبارک میں صبح نو بجے سے قبل ہی پہنچنا شروع ہوگئی تھی۔جنازہ کے وقت بیت المبارک کا تمام مسقّف حصہ گیلریوں سمیت بھر چکا تھا۔نیز بیت المبارک کے پختہ صحن اور صحن کے باہر کے لان کے علاوہ بعض احباب بیت المبارک کی بیرونی گرین بیلٹس میں بھی موجود تھے۔حضرت صاحبزادہ صاحب کا جسد خاکی تدفین کے لئے بہشتی مقبرہ لے جایا گیا۔تو خدام ربوہ نے جنازہ کے گرد ایک دائرہ بنایا اور احباب جماعت منظم طریق پر اور آسانی سے جنازہ کو کندھا دیتے رہے۔

انتہائی اعلیٰ اور پر وقار انتظامات کے ساتھ جنازہ بہشتی مقبرہ کے قطعہ خاص میں لے جایا گیا ۔آپ کو آپ کی والدہ حضرت سیدہ سرور سلطان جہاں صاحبہ کے قدموں میں (ایک رو نیچے) اور حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کے پہلو میں دفن کیا گیا۔تدفین کے وقت قطعہ خاص میں خاندان حضرت اقدس مسیح موعودؑ جماعت کے تمام اہم عہدیدارؑ خدمت گار اور بزرگان سلسلہ موجود تھے۔قبر تیار ہونے پر محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے اجتماعی دعا کروائی۔اس دعا میں شامل ہونے کے لئے احباب جماعت کثیر تعداد میں بہشتی مقبرہ میں موجود تھے۔

باغ احمد کا مہکتا پھول وہ

(عبدالسلام اسلام)

چل بسا مرزا مظفر چل بسا	چل بسا وہ دائمی گھر چل بسا
کامرانی جس کے مضمر نام میں	ہو کے منصور و مظفر چل بسا
عشق کے دریا میں تھا جو مثل موج	بحر دل کا وہ شناور چل بسا
خدمتیں جس کی سدا تابندہ تر	تاباں و رخشندہ گوہر چل بسا

تند طوفانوں سے گزرا کامیاب	وہ تلاطم کا شناور چل بسا
باغ احمد کا مہکتا پھول وہ	بن کے غنچہ وہ گل تر چل بسا
دور حاضر کا وہ اک مرد عظیم	غرب سے وہ فخر خاور چل بسا
بے کسوں کا غمگسار و درد مند	بے نواؤں کا وہ یاور چل بسا
منزل ہستی کا متلاشی تھا وہ	سوئے منزل گھوم پھر کر چل بسا
لاجرم تھا ماہر الاقتصاد	تھی ''معیشت'' جس کو ازبر چل بسا
علم کے زیور سے وہ آراستہ	علم کا پہنے وہ زیور چل بسا
اس کا جام مرگ ہے جام حیات	زندۂ جاوید ہو کر چل بسا
زندگی ہے جس کی بعد الموت بھی	موت پہ خنجر چلا کر چل بسا
احمدیت کا وہ فرزند جلیل	دیں کا وہ رخشندہ گوہر چل بسا
مرکزی نقطہ رضا مولا کی تھی	گھومتا وہ گرد محور چل بسا
بادشہ دل کا مگر مرد فقیر	وہ درحق کا گداگر چل بسا
مثل ساقی تھا وہ اپنی بزم میں	بادۂ الفت لٹا کر چل بسا
جس کی ہر موج نفس تھی ''البلاغ''	کہہ کے وہ ''اللہ اکبر'' چل بسا

(عبدالسلام اسلام)
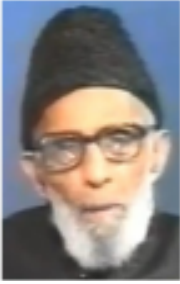
حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات پر صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی قرارداد تعزیت

صدر انجمن احمدیہ کا یہ خصوصی اجلاس حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی المناک وفات پر گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کرتا ہے۔

آپ حضرت مسیح موعود کے پوتے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے سب سے بڑے فرزند ارجمند تھے۔ آپ 28 فروری 1913ء کو پیدا ہوئے۔ قادیان کے پاکیزہ ماحول میں آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی، گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کے بعد آپ نے آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران آپ کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکیزہ صحبت اور رفاقت حاصل رہی، جن کے ساتھ بچپن ہی سے گہری دوستی کا تعلق تھا۔ انگلستان سے واپس آکر آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی حیثیت سے وطن عزیز پاکستان میں خدمات کا آغاز کیا۔ بعد میں مغربی پاکستان کے سیکرٹری فنانس ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے علاوہ ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمشن پاکستان اور صدر مملکت کے اقتصادی مشیر کے طور پر کلیدی خدمات کی توفیق پائی۔

دوران ملازمت آپ کی شہرت ایک فرض شناس، قابل اعتماد، باکردار، بااصول، محنتی اور منکسر المزاج افسر کی تھی۔ اس دوران ملک وقوم اور انسانیت کی بلاامتیاز مذہب وملت بے لوث خدمت کی۔ راست گوئی اور امانت و دیانت ہمیشہ آپ کا طرّہ امتیاز رہے۔ آپ کو شعبہ

اقتصادیات میں خصوصی مہارت اور گہرا تجربہ حاصل تھا۔ چنانچہ ریٹائرمنٹ کے بعد بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے آپ کی خدمات حاصل کیں اور آپ ڈائریکٹر ورلڈ بنک اور ایگزیکٹو سیکرٹری آئی ایم ایف کے وقیع عہدوں پر فائز رہے۔

ایک عرصہ تک بطور نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کے کام کرنے کے بعد 1989ء سے آپ بطور امیر خدمات بجالا رہے تھے آپ کے دورِ امارت میں جماعت امریکہ نے ترقیات کے کئی نئے سنگ میل طے کئے۔ آپ نے اپنی اقتصادی مہارت کا سکہّ یہاں بھی منوایا اور امام وقت کی خواہش کے عین مطابق جماعت احمدیہ امریکہ کی مالی قربانیوں میں نہایت عمدہ اور ٹھوس منصوبہ بندی کرکے غیر معمولی وسعت پیدا کی اور امریکہ مالی قربانی کے میدان میں صفِ اول کے ممالک میں شمار ہونے لگا۔ امریکہ میں نئی بیوت الذکر کی تعمیر وتوسیع اور نئے مشن ہاؤسز کی خرید کے علاوہ مرکزی بیت الذکر بیت الرحمان کی تعمیر بھی آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو جماعت کی تاریخ میں یادرہے گا۔

سیدنا حضرت مصلح موعود کی دامادی کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کے ساتھ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ کی رخصتی کے موقع پر منظوم کلام میں اپنی دلی محبت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اپنی ''آنکھوں کا تارا'' فرمایا تھا۔ اور بلاشبہ اپنے اخلاق کریمانہ اور عظمت کردار کی وجہ سے آپ جہاں بھی رہے اپنے ماحول کی ہردلعزیز شخصیت رہے۔ آپ ایک نہایت متقی، دعاگو، عبادت گزار، خداترس انسان اور صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والے نافع الناس وجود تھے۔ آپ نہایت مخلص، ایثار پیشہ، فدائی خادم سلسلہ اور وفا شعار مثالی احمدی تھے۔ اعلیٰ ترین دنیوی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود سادگی، قناعت اور تواضع وانکسار آپ کا شیوہ تھا۔ ہمیشہ آپ نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی مثال قائم کر کے دکھائی۔ خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستگی اور اطاعت کا تعلق آخر دم تک بڑی وفا کے ساتھ نبھانے کی توفیق پاتے رہے۔ دینی ودنیوی لحاظ سے جدوجہد سے بھرپور اور مصروفیات سے معمور زندگی گذار کر واشنگٹن امریکہ میں

خدا کا یہ وفادار بندہ 22 جولائی 2002ء (ساڑھے گیارہ بجے شب) بعمر 89 سال اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہوگیا۔

صدر انجمن احمدیہ آپ کی المناک وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مرحوم کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ، آپ کے بھائی صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور ہمشیرہ صاحبزادی امتہ اللطیف صاحبہ اہلیہ مکرم سید محمد احمد صاحب، عزیز ظاہر احمد صاحب نیز جماعت ہائے احمدیہ امریکہ سے دلی تعزیت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے۔ اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔۔۔۔

والسلام

شیخ محبوب عالم خالد

صدر صدر انجمن احمدیہ (پاکستان) ربوہ

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

انتقال پرملال

(دی نیشن اور ڈان کے مضمون نگار نے لکھا)

کس طرح چند ہزار لوگ اتنی کم قوت کے استعمال سے اتنے زیادہ لوگوں اور اتنے بڑے اور مختلف النوع علاقہ پر دوسو سال تک حکومت کر گئے۔

یہ علاقہ ہندوستان تھا اور حکمرانوں کا مرکزی حصہ افسانوی شہرت کی انڈین سول سروس تھی جو دنیا بھر میں بہترین تھی ایسے لوگوں میں ایک قلیل تعداد جو پاکستان کے حصہ میں آئی یا جنہوں نے پاکستان کا انتخاب کیا۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے ایسے حکومتی نظم ونسق کی تعمیر کی جس نے

لکھوکھہا مہاجرین کو آباد کرنے کے کٹھن کام کا سامنا کیا اور اس کے ساتھ لوگوں کی اسی قدر بڑی تعداد کی املاک کی نگہداشت کی جو ہندوستان کی جانب منتقل ہو گئے۔ اس عظیم الشان کام اور اس کے ساتھ جنم لینے والی ترغیبات و تحریصات سے نمٹنے کے سلسلہ میں ان میں سے اکثریت نے اپنے آپ کو اس دور کے مورخین سے خراج تحسین حاصل کرنے کا اہل ثابت کیا یعنی یہ کہ وہ لوگ ''انتہائی منصف مزاج اور بدوں کسی جھکاؤ کے سچے اور کھرے تھے جو اپنے اختیارات کو خود غرضانہ مقاصد کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اس طور پر استعمال کرتے تھے جسے وہ حق سمجھتے تھے''۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اور قانون قدرت کے تحت یہ لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں............اس زمرہ کے حال ہی میں انتقال کر جانے والے فرد ایم۔ ایم۔ احمد ہیں جو منگل کے روز 23 جولائی 2002ء) واشنگٹن میں وفات پا گئے۔ ابتدائی سالوں میں وہ سیالکوٹ اور میانوالی کے ڈپٹی کمشنر مقرر ہوئے۔ بعد میں وہ حکومت پاکستان کے ماہر اقتصادیات کے طور پر ابھرے اور آخر میں ورلڈ بینک تک پہنچے۔ ایم۔ ایم۔ احمد کی نسبت زیادہ ذہانت والے لوگ موجود تھے لیکن غالباً ان سے بڑھ کر قابل اعتماد اور محنتی اور کوئی نہیں تھا۔ اس خوبی نے انہیں وطن عزیز میں نواب آف کالا باغ (ملک امیر محمد خان سابق گورنر مغربی پاکستان۔ مترجم) ایوب اور یحییٰ کا منظور نظر بنا دیا اور واشنگٹن میں رابرٹ میکنا مارا کا۔ (پریذیڈنٹ ورلڈ بنک۔ مترجم) ان کی اقتصادیات کے میدان میں مہارت اور ان کی دیانتداری اور راستبازی پر سب انحصار کر سکتے تھے۔''

(ترجمہ روزنامہ ڈان مورخہ 24/جولائی 2002ء ص 3)

حضرت ایم ایم احمد صاحب کے چند یادگار مضامین

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک زبردست معجزہ

اور ہماری ذمہ واری

از صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اگر یہ درست ہے۔ اور یقیناً درست ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شیریں پھل ایک زبردست معجزہ ہے جس کا منظر ایک دنیادار کی آنکھ سے بھی اوجھل نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک شخص کی طبیعت اس کے اپنے ذوق کے مطابق مختلف چیزوں کے اثر کو کم وبیش قبول کرتی ہے۔ اگر ایک انسان کیلئے علمی معجزہ زیادہ مؤثر ہے تو دوسرے کی طبیعت ایک دوسرے رنگ کے معجزہ سے حظ اُٹھاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی قوت قدسی سے ایک کثیر استعداد جماعت تیار کی۔ جس کی حیات کا مقصد ایک اور صرف ایک ہے کہ وہ دین کو دنیا پر مقدم کرے۔ اس نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے احمدیہ جماعت کے افراد نے اللہ تعالیٰ کے نام کی بلندی اور اسلام کے احیا کے لئے ہر میدان میں قربانی کی جاتی تھی۔ مالی بھی۔ جذباتی بھی۔ غرض یہ کہ خدا کی رضا کے حصول کیلئے۔ اور اس کے دین کے قیام کے لئے جو مطالبہ بھی اللہ تعالیٰ کے رسول اور اس کے خلفاء نے ان سے کیا۔ اسے انہوں نے دل و جان سے پورا کیا۔ نہ صرف انہوں نے ہر قربانی کو پیش کیا۔ بلکہ اپنی زندگی میں ایک حیرت انگیز تغیر کر دکھلایا اپنی عبادات میں اپنے معاملات میں اس دنیا کے طریق کو ترک کر کے اسلام کی بتلائی ہوئی تعلیم پر دلی جوش وخروش کے ساتھ عمل کیا۔ اور انہوں نے نہ صرف اپنے گھر کو سنوارا بلکہ ایک بے تاب روح کی طرح جسے ایک گوہر حیات نصیب ہو گیا ہو۔ اور وہ اس بات کیلئے بے قرار ہو کہ

اس کے دوست بھی اس نور سے فیضیاب ہوں۔ وہ دیوانہ وار تبلیغ کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔ تا وہ ان روحانی پیاسوں کو جن کی نظریں ایک مدت سے آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ یہ خوشخبری دیں کہ اس رحیم و کریم ذات نے اپنے وعدوں کے مطابق ان کی پیاس بجھانے کے سامان پھر بہم پہنچائے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ ان کا پیغام صرف اپنے دوستوں ہی کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ ہمدردی مخلوق کے جذبہ سے لبریز ہو کہ وہ ہر سو اُٹھے اور دوست و دشمن کی تمیز کو ایک طرف رکھتے ہوئے سب تک یہ حیات بخش پیغام پہنچایا۔ ان منتظر نگاہوں کو بھی جو امید لگائے بیٹھی تھیں۔ اور ان سوئی ہوئی رُوحوں کو بھی جن کے دلوں پر بے دینی کے ایک لمبے زمانے نے اپنا زہر آلود اثر غالب کر رکھا تھا۔

مومنوں کی ایسی زندہ جماعت کا پیدا کرنا یقیناً ایک زبردست معجزہ تھا اور مذہب کے ساتھ درد رکھنے والا دل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اسلامی دنیا کی تباہی پر نظر ڈالنے والی آنکھ اسے مسرت اور امید کے آنسوؤں سے پرنم ہوئے بغیر نہیں دیکھ سکتی۔ اور ایک خدا کا خوف رکھنے والی رُوح کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ کہ وہ حیل و حجت سے کنارہ کش ہو کر آمنّا و صدّقنا پکارتی ہوئی خدا کے فرستادہ کے آستانہ پر آگرے۔ سلسلہء احمدیہ کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح موعود کی قوت قدسیہ نے جماعت احمدیہ پر ایک معجز نما اثر پیدا کیا ہے کئی ہیں جنہوں نے جانی قربانی پیش کی۔ اور والہانہ شوق سے پیش کی۔ حضرت صاحبزادہ مولوی عبد الطیف صاحب کو کابل میں صرف اس لئے بے دردی سے شہید کیا گیا۔ کہ انہوں نے احمدیت کو کیوں قبول کیا ہے۔ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ احمدیت سے انکار کر دیں اور کہا گیا کہ انکار پر نہ صرف ان کی جان بخشی ہوگی۔ بلکہ پھر وہی عزت و وقار جو انہیں شاہی دربار میں حاصل تھا۔ واپس مل جائے گا۔ اور مزید ترقی اور عروج کے دروازے بھی کھل جائیں گے مگر اس خدا کے پیارے نے ان کی اس پیشکش کو جو ایک دنیادار کی نظر میں گویا سنہری موقع تھی۔ حقارت سے دھتکار دیا اور اس جام شہادت کو جو خدا کی مصلحت نے ان کے سامنے پیش کیا تھا۔ بڑے شوق سے دونوں ہاتھوں میں لے کر پی

لیا۔اورخدا کے مامور کی صداقت پر اپنے خون سے مہر لگادی۔

تبلیغی جوش کا یہ حال ہے۔کہ ہندوستان، چین، جاپان یورپ۔امریکہ افریقہ غرض دنیا کے ہر ملک میں احمدی مبلغ مخلوق خدا کو خدا کی طرف کھینچ کھینچ کر واپس لا رہے ہیں۔اوراس راہ میں مصائب ومشکلات کو نہ صرف خوشی سے قبول کرتے ہیں بلکہ یہ چیزیں ان کے جوش کواور بھی تیز کر دیتی ہیں۔اطاعت امام کا جذبہ جماعت احمدیہ میں بے مثل رنگ میں پایا جاتا ہے۔امام کی ہرآواز پر دنیا کے چاروں گوشوں سے صرف ایک آواز اُٹھتی ہے۔اور ہر طرف سے لبیک اور صرف لبیک ہی کی صدا آتی ہے۔ مجھے اس ضمن میں وہ مثال نہیں بھولتی۔جبکہ حضرت مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاولؓ کو حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے دہلی سے ایک عزیز کی بیماری پر یہ تار دیا۔کہ''بلاتوقف چلے آئیں''،شمع مسیح کا یہ پروانہ اس وقت اپنے مطب میں بیٹھا تھا۔تار ملتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا۔اور بغیر گھر کے اندر گئے اور بغیر کسی قسم کا سامان لئے ہاں بالکل خالی ہاتھ اور خالی جیب تار ملتے ہی قادیان سے بٹالہ کی طرف پیدل روانہ ہوگیا تا وہاں سے دہلی کے لئے گاڑی پکڑے۔خدا کے سچے مسیح کی پکارتھی۔اوراس کے اوّل خلیفہ کا امتحان اطاعت اورآسمان پرخدا کے عرش نظارہ بین تھا۔بٹالہ سٹیشن پر حضرت خلیفہ اول انتظار فرما رہے تھے۔کہ خدائی تقدیر نے ایک مصیبت کا مبتلا ان کے سامنے لاڈالا۔ چونکہ گاڑی چلنے میں کچھ وقت تھا وہ منت وسماجت کر کے حضرت خلیفہء اوّل کو گھر لے گیا۔اوراپنے مریض کو دکھایا اور اصرار کے ساتھ کچھ نقدی پیش کی۔ پھر اصرار سے دہلی کا ٹکٹ خرید کرنذر کیا۔اورحضرت خلیفہ اوّل اپنے امتحان میں سو فیصدی نمبر لے کرآ گے روانہ ہوگئے۔

اب مالی قربانی کی طرف آؤ۔اور جماعت کی مالی حالت پر نظر ڈالتے ہوئے انجمن کے رجسٹروں سے اس کی بے مثال قربانی کی تصدیق کرو۔میں یہاں بھی صرف ایک مثال دونگا۔جس کی یاد سے مسیح محمدی کے شیرین پھل کا کسی قدر مزا چکھا جا سکتا ہے۔میری مراد سیرۃ المہدی حصہ

سوم کی اس روایت سے ہے جو نمبر 776 پر بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک دفعہ منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی حضرت مسیح موعود کی خدمت میں لدھیانہ حاضر ہوئے۔ حضور نے ایک تبلیغی اشتہار کے طبع کے خرچ کے متعلق فرمایا۔ کہ کیا کپور تھلہ کی جماعت اس کا خرچ جو مبلغ ساٹھ روپے ہوگا۔ برداشت کر سکے گی۔ منشی ظفر احمد صاحب فوراً گھر لوٹے۔ نقد روپیہ گھر میں ندارد تھا مگر خدمت دین کا شوق مجبور کر رہا تھا۔ کہ کہیں سے خود ہی یہ ساری رقم مہیا کر کے اپنے امام کے قدموں میں ڈال دوں۔ سو اپنی بیوی کا ایک زیور لیا اور بازار میں جا کر فروخت کر دیا۔ اور جماعت کے باقی افراد سے ذکر کے بغیر جلدی جلدی لدھیانہ واپس پہنچے اور رقم حضور کو پیش کر دی۔ چند دن کے بعد کپور تھلہ کے ایک دوسرے احمدی منشی اروڑا صاحب جو حضرت مسیح موعود کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا۔ منشی صاحب آپکی جماعت نے بڑے اچھے موقعہ پر امداد کی اس پر منشی اروڑا صاحب حیران ہوئے۔ اور دریافت کیا حضور کونسی امداد؟ جب ان پر بات واضح ہوئی اور ساری سرگزشت کا علم ہوا تو وہ منشی ظفر احمد صاحب پر سخت ناراض ہوئے۔ کہ حضرت صاحب کو ایک دینی ضرورت پیش آئی تھی۔ آپ نے مجھے کیوں نہ بتایا میں ثواب سے محروم رہا۔ اور اس ثواب سے محروم رہنے کا ان کی طبیعت پر اس قدر اثر تھا کہ چھ مہینے ناراض رہے۔

(روزنامہ الفضل قادیان مورخہ ۳ شہادت ۱۳۱۹)

یہ مختصر سا مضمون میرے ان مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہے جو خوش قسمتی سے مجھے حضرت مصلح موعود کے اپنے بچپن سے پختہ عمر تک بہت قریب سے دیکھنے سے نصیب ہوئے۔

میری سب سے پہلی یاد مجھے اس زمانہ میں لے جاتی ہے جب میں حضور کو حضرت اماں جان

کے صحن سے نماز پڑھانے بیت الذکر جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔نماز سے واپسی پر آپ اپنا کچھ وقت خاص طور پر مغرب کی نماز کے بعد حضرت اماں جان کی صحبت میں گذارتے اوران عزیزوں سے بھی گفتگوفرماتے جو وہاں موجود ہوتے۔کئی مرتبہ خاص طور پر سردیوں کے موسم میں آپ پہلے بیت الدعاء میں سنتیں ادافرماتے۔ان موقعوں پر آپ صحن یا اگر موسم زیادہ خشک ہوتو حضرت اماں جان کے کمرے میں ٹہلتے رہتے اور بعض مرتبہ حضرت ابا جان یا پھر حضرت میر محمد اسماعیل صاحب جو اپنی ہمشیرہ حضرت اماں جان سے ملنے تشریف لائے ہوتے کے ساتھ جماعتی امور پر تبادلہ خیال فرماتے۔آپ بچوں سے بھی گفتگوفرماتے۔مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید حکمت ودانش کا سمندر ہے تم بچوں کو اس کے مطالعہ اوراس پر غور کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے تا تم اس سے حکمت کے موتی نکال سکو۔اگر تم ابھی بالغ نظری کی عمر تک نہیں بھی پہنچے تو کم از کم سیپیاں ہی نکالنے کی اہلیت پیدا کرلو۔

آپ کی قرآن مجید سے محبت

آپ کی قرآن سے محبت اور لگاؤ گہرا اور دائمی تھا ہفتہ کے روز آپ مستورات میں درس دیتے۔وہ نظارہ ابھی بھی میری نظروں کے سامنے گھومتا ہے کہ آپ حضرت اماں جان کے گھر کے برآمدہ میں کھڑے ہیں۔مستورات سامنے صحن، برآمدہ اور ملحقہ کمروں میں بیٹھی ہیں۔ان دنوں میں بہت تھوڑی تعداد ہوتی تھی، نیز آپ مردوں میں بھی درس قرآن دیتے جس میں بچے بھی شریک ہوتے۔ایک مرتبہ آپ نے بیت اقصیٰ میں درس دیا جس میں نہ صرف قادیان بلکہ باہر سے بھی دوستوں نے شرکت کی یہ درس کئی ہفتے جاری رہا اور روزانہ کئی کئی گھنٹوں پر پھیلا ہوتا۔گذشتہ رمضان کے موقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ نے حضرت مصلح موعود کی اس پیشگوئی کا بھی ذکر کیا جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک دن آنے والا ہے کہ خلیفہء وقت کے درس قرآن ایک ہی وقت میں تمام دنیا میں نشر ہوا کریں گے۔حضور کی یہ خواہش آج دنیا پوری ہوتی دیکھ رہی ہے۔میری

جب حضرت مصلح موعود کی بیٹی سے شادی ہوئی تو ہم نے گرمیوں کی چھٹیاں آپ کے ساتھ دھرمسالہ میں گزاریں۔حضور نے خود تجویز فرمایا کہ وہ قرآن مجید کے مطالب کے بارہ میں مجمع میں درس دیا کریں گے۔میں اس پرائیویٹ درس کے نوٹ لیا کرتا تھا۔آپ کی تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر جو کئی جلدوں پر مشتمل ہیں آپ کی قرآن مجید سے بے پناہ محبت کا مینار ہیں جن میں قرآن کے بے مثل معارف اور ابدی پیغام کو انتہائی خوبصورت اور اچھوتے انداز میں بیان کیا گیا۔اس تفسیر کا بیشتر حصہ اس زمانہ میں لکھا گیا جب آپ کی صحت بہت کمزور تھی، مجھے وہ دن بھی اچھی طرح یاد ہیں جب حضور جابہ کے مقام پر میدانوں کی شدید گرمی سے بچنے کے لئے تشریف لے جاتے اور یہاں گھنٹوں تفسیر کی تیاری میں صرف فرماتے۔

دعا کی قوت پر کامل یقین

آپ کے کردار کا ایک نمایاں پہلو دعا پر کامل یقین اور اعتماد تھا۔جب بھی جماعت پر کوئی ابتلاء آتا تو آپ بیت الدعا میں گھنٹوں دعا میں صرف فرماتے۔میں نے ہجرت کے موقعہ پر کئی مرتبہ دیکھا کہ آپ جب بیت الدعا سے باہر تشریف لاتے تو آپ کی آنکھیں سرخ اور متورم ہوتیں۔میں ان دنوں پاکستان گورنمنٹ کی طرف سے بطور ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر امرتسر میں اور گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ایک سکھ دوست اسی عہدہ پر متعین تھا جبکہ ڈپٹی کمشنر کا عہدہ ایک انگریز کے پاس تھا۔اسے ہدایت تھی کہ امرتسر کے متعلق جو بھی فیصلہ ہو کہ آیا اس کا الحاق ہندوستان یا پاکستان سے ہوگا اسی کے مطابق وہ متعلقہ ڈپٹی کمشنر کو چارج دیدے گا۔ایک روز ڈپٹی کمشنر نے لاہور سے واپسی پر مجھ سے سرسری طور پر ذکر کیا کہ اس بات کا امکان ہے کہ گورداسپور کا ضلع انڈیا کو دے دیا جائے اس پر میں نے سخت حیرانگی کا اظہار کیا کہ جن خطوط پر پارٹیشن کا فیصلہ طے کرلیا گیا ہے اس لحاظ سے تو مسلم اکثریت والا علاقہ جو دوسرے مسلم اکثریت والے علاقہ سے ملحق ہو وہ پاکستان میں شمار ہوگا۔اس اصول کے تحت تو ہر لحاظ سے اسے پاکستان

کے حصہ میں جانا چاہئے میری اس دلیل سے پریشان ہو کر اس نے کہا کہ لاہور آج کل افواہوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور آدمی ان افواہوں پر یقین تو نہیں کر سکتا نیز اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں قادیان چلا جاؤں کیونکہ سی۔آئی۔ڈی کی رپورٹ کے مطابق میری رہائش گاہ پر بم پھینکنے کا پروگرام ہے۔ اس نے کہا کہ امرتسر کے پاکستان سے الحاق کی صورت میں وہ مجھے قادیان سے بلا لے گا۔اس پر میں قادیان روانہ ہو گیا اور حضور کی خدمت میں قصر خلافت جا کر اس کی اطلاع دی۔اس پر حضور نے فرمایا کہ تھوڑا عرصہ قبل آپ کو الہام ہوا ہے۔(تم جہاں بھی ہو گے اللہ تم کو اکٹھا کر دے گا)

ایک اور واقعہ جس کا آج تک میرے دل و دماغ پر گہرا اثر ہے اور مجھے اس طرح لگتا ہے کہ جس طرح کل کا واقعہ ہو کہ میں رات کو اپنے قادیان والے گھر کے باہر والے مردانہ حصہ کے صحن میں سویا ہوا تھا گرمیوں کا موسم تھا کہ میری آنکھ دردناک دل ہلا دینے والی کرب میں ڈوبی ہوئی آواز سے کھل گئی اور مجھے خوف محسوس ہوا۔جب میں نیند سے پوری طرح بیدار ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ حضرت مصلح موعود تہجد کی نماز، جو آپ حضرت ام ناصر والے مکان کے اوپر والے صحن میں ادا فرما رہے تھے جس کی دیوار ہمارے گھر سے ملحقہ تھی، کی دردناک دعاؤں کی آواز تھی۔میں نے غور سے سننے کی کوشش کی تو آپ بار بار ''اھدنا الصراط المستقیم'' کو اتنے گداز سے پڑھ رہے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ہانڈی ابل رہی ہو اور مجھے یوں لگا کہ آپ نے اس دعا کو اتنی مرتبہ پڑھا جیسے کبھی ختم نہ ہو گی۔اس رات کی یاد مجھے جب تک زندہ ہوں کبھی نہ بھولے گی۔

آپ کی جماعت سے گہری محبت

آپ کو جماعت سے بے پایاں محبت تھی۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی قادیان سے کوئی قافلہ پاکستان کے لئے روانہ ہوتا تو آپ حمائل شریف لے کر برآمدہ میں اس وقت تک ٹہلتے ہوئے تلاوت فرماتے رہتے جب تک اس قافلہ کی حفاظت سے سرحد پار کرنے کی اطلاع نہ آ جاتی۔ان مواقع پر آپ مسلسل دعا کرتے رہتے۔

یہ بات بھی میرے علم میں ہے کہ جب بھی جماعت کسی ابتلاء کے دور سے گزر رہی ہوتی تو آپ بستر پر سونا ترک کر کے فرش پر سوتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آزمائش کے بادل چھٹنے کا اشارہ ملتا کہ چلو جا کر بستر پر آرام کرو۔

ایک اور بات جس نے مجھ پر انمٹ نقوش چھوڑے یہ کہ میری شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ہی جب میں ملتان میں بطور اسسٹنٹ کمشنر متعین تھا اور میری بیوی کے ماموں کرنل سید حبیب اللہ شاہ صاحب کے ہاں عارضی طور پر مقیم تھا جو وہاں سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل تھے تو حضور نے سندھ جاتے ہوئے وہاں ایک روز قیام فرمایا۔ آپ مجھے ڈرائنگ روم میں لے گئے اور ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ دیکھو تم آئی۔سی۔ایس ہو اور تمہیں اعلیٰ طبقہ سے ملاقات کے بہت مواقع ملیں گے لیکن یہ بات تمہیں ہرگز غرباء اور کمزور لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرنے سے کبھی باز نہ رکھے۔ آپ نے فرنیچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسا فرنیچر جو غریبوں سے ملاقات میں روک بنے رکھنے کے قابل نہیں۔ جس طرح ہر غریب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دروازے بلا امتیاز کھلے رہتے تھے یہی وہ سنت ہے جسے اپنانا چاہئے۔ آپ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اور آپ کی آنکھیں پرنم تھیں۔ میری حالت کا اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے آپ کو کبھی اتنی جذباتی حالت میں نہیں دیکھا۔

دوسری چیز جس نے مجھ پر بہت گہرا تاثر چھوڑا وہ دین اور جماعت کی خدمت کا جذبہ تھا۔ میں آج بھی آپ کو فرش پر بیٹھے چاکلیٹ رنگ کا دھسہ اوڑھے کوئی درجن بھر موم بتیوں جو ایک بکس پر جلا کر رکھی ہوئی تھیں کے جلو میں پڑھتے یا لکھتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ آپ کا گلا بہت حساس تھا اور مٹی کے تیل کے دھوئیں سے فوراً متاثر ہو جاتا تھا اور ان دنوں قادیان میں ابھی بجلی نہیں آئی تھی اس لئے موم بتیوں کا ہی استعمال فرماتے تھے۔ قادیان میں بجلی غالباً 1930ء کے اوائل میں آئی تھی اس سے پہلے کے عرصہ میں کام کا بوجھ زیادہ شدید نوعیت کا ہوتا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ جب جماعت کسی

سخت دور سے گذر رہی ہوتی آپ کو ساری ساری رات بغیر ایک منٹ آرام کئے دیکھا ہے اور آپ کام کرتے کرتے اٹھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ آپ کبھی کبھی لکھے ہوئے مسودات یا تحریریں حضرت اباجان کو ترجمہ کی غرض سے اور بعض دفعہ ان کے بارہ میں رائے دریافت کرنے کے لئے بھجواتے اور ہم لڑکے انہیں ادھر سے ادھر لے جانے کی ڈیوٹی ادا کرتے۔

حضرت اماں جان کی تعظیم

آپ کو حضرت اماں جان سے بہت گہرا لگاؤ تھا۔ اپنے سفروں پر اکثر انہیں ساتھ لے جاتے۔ حضرت اماں جان آپ کو محبت سے ''میاں'' کہہ کر مخاطب ہوتیں۔ جب کبھی بھی حضور سفر کے دوران لیٹ ہوتے تو حضرت اماں جان بڑی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار فرماتیں۔ میری بیوی بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایسی ہی حالت میں بڑی بے تابی سے حضرت اماں جان حضور کا کسی سفر سے واپسی کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب آپ تشریف لے آئے تو اماں جان نے فرمایا ''میں نے تجھے منع نہیں کیا ہوا تھا کہ مغرب کے بعد دیر نہیں کرنی'' حضرت صاحب نے فرمایا ''جی اماں جان'' پھر پوچھا ''پھر کرے گا؟'' حضور نے فرمایا ''نہیں اماں جان'' حضرت اماں جان نے حضور کے جسم کو ایک نرم چھڑی سے تنبیہہ کے رنگ میں چھوتے ہوئے فرمایا ''آئندہ کبھی دیر سے مت آنا' تمہیں معلوم ہے میری جان پر بنی رہتی ہے۔'' یہ ایک ماں کا فطری جذبہ تھا جس کا اظہار حضرت اماں جان نے فرمایا ورنہ وہ خود ہر دوسرے احمدی کی طرح حضور کی بڑی عزت فرماتیں۔ جب حضرت اماں جان کی ربوہ میں وفات ہوئی تو حضور کی خواہش تھی کہ انہیں اپنے خاوند حضرت مسیح موعود کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ میں ان دنوں لاہور میں متعین تھا۔ حضور کا ارشاد موصول ہوا کہ اس سلسلہ میں انڈین ہائی کمشنر سے رابطہ کیا جائے۔ میری درخواست پر انڈین ہائی کمشنر نے دہلی سے رابطہ کیا اور بتایا کہ ہندوستان کی گورنمنٹ نے خاص کیس کے طور پر اس کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن یہ شرط لگائی کہ اس غرض کے لئے بیس سے زائد عزیزوں یا دیگر اصحاب کو ویزے نہیں

دیئے جا سکتے۔ حضرت مصلح موعود نے یہ پیشکش اس وجہ سے مسترد کر دی کہ حضرت اماں جان کی حیثیت کے پیش نظر کم از کم دس ہزار احمدی میت کے ساتھ جانے ضروری ہیں۔

ایک عظیم خطیب

حضور بہت بلند پایہ مقرر تھے۔ میں نے دنیا میں بہت سفر کیا ہے اور دنیا کے مشہور ترین لیڈروں کو سننے کا موقعہ ملا ہے مگر میں نے کسی کو بھی خطابت میں حضور کا پاسنگ بھی نہیں پایا۔ آپ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے خطاب سے پہاڑوں کو ہلا سکتے تھے۔ اس صداقت پر جماعت کے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ گواہ ہیں۔ آپ سامعین کو ساحرانہ رنگ تک قابو میں رکھتے۔ ہجرت کے فوراً بعد آپ نے مختلف شہروں مں پاکستان کے مختلف مسائل اور ان کے حل پر لیکچر دیئے۔ اسلامیہ کالج کے پروفیسر نے جو میرے ایک دوست کے ساتھ بیٹھے تھے بے ساختہ کہا کہ ''حضور کو پاکستان کا پرائم منسٹر ہونا چاہئے'' اس سے قبل ''اسلام میں اختلافات کا آغاز'' کے موضوع پر لیکچر کے موقعہ پر اسلامیہ کالج کے ہسٹری کے پروفیسر نے آپ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے ''فاضل باپ کا فاضل بیٹا'' اور کہا کہ میں اپنے آپ کو اسلامی تاریخ کا علم رکھنے والا تصور کرتا تھا لیکن آپ کا لیکچر سننے کے بعد احساس ہوا کہ میں تو بالکل طفل مکتب ہوں۔ جن دوستوں نے حضرت مسیح موعود کی مصلح موعود کے بارہ میں پیشگوئی پڑھی ہے ان کے لئے یہ ریمارکس کسی تعجب کا موجب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مصلح موعود کی پیدائش سے پہلے اس عظیم الشان ہستی کے بارہ میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ تاریخ کے صفحات کی طرح ہے جسے کس شان اور عظمت کے ساتھ پورا ہوتا دیکھ سکتے ہیں۔

آپ کے التفاتات

میری ساری عمر حضور کے التفات کے سایہ تلے گذری۔ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے یورپ کے سفر کے موقعہ پر حضور نے خط میں بہت سے قیمتی نصائح فرمائیں۔ ان میں سے ایک جس نے مجھ پر

بہت گہرا اثر چھوڑا وہ تھی جس میں آپ نے قرآن مجید کی آیت ''ان العزۃ للّٰہ جمیعا'' کہ ''تمام عزتوں کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے'' کا ذکر فرمایا۔

انگلستان سے واپسی پر میں نے گورنمنٹ سروس اختیار کر لی اور میری شادی حضور کی صاحبزادی سے قرار پائی۔حضور نے میری بیوی کو نصیحت فرمائی۔کہ مظفر تو گورنمنٹ کا ملازم ہے مگر تم نہیں ہو۔غریب اور مساکین سے ملو مگر کبھی کسی کی دنیاوی حیثیت کی وجہ سے انہیں ملنے مت جانا۔ جلد ہی انہیں اس امتحان سے گزرنا پڑا جب فنانشل کمشنر صاحب اپنی بیگم کے ہمراہ سرگودھا دورہ پر تشریف لائے۔تمام افسران کی بیگمات نے فنانشل کمشنر صاحب کی بیگم کی ملاقات کے لئے ان کی رہائش گاہ پر حاضری دی اور باوجود ان کے اصرار کے میری بیوی نے جانے سے انکار کر دیا۔بعد میں فنانشل کمشنر صاحب کی بیگم صاحبہ نے ڈپٹی کمشنر کی بیگم تک کو چھوڑتے ہوئے خاص طور پر میری بیگم کو علیحدہ چائے کی دعوت پر بلایا اور خاص طور پر پردہ کا اہتمام کیا گیا۔سرگودھا کے افسران کے حلقہ میں اس پر بڑی حیرانگی کا اظہار کیا گیا اور بار بار یہ سوال کیا گیا کہ آیا میری بیوی کی فنانشل کمشنر کی بیگم سے پہلے سے کوئی شناسائی ہے جس پر میری بیوی نے انہیں بتایا کہ نہیں کوئی ایسی بات نہیں بلکہ وہ تو پہلی مرتبہ انہیں ملی ہیں۔باوجود انتہائی مصروفیات کے حضور کچھ وقت بچوں اور عزیزوں کے لئے ضرور نکالتے۔مجھے یاد ہے کہ حضور سردیوں کے ایام میں عشاء کی نماز کے بعد خاندان کے بچوں کو اکٹھا کر کے انہیں کہانیاں سناتے۔یہ کہانیاں کسی کتاب سے نہ ہوتیں بلکہ آپ انہیں تشکیل دے کر آگے بڑھاتے چلے جاتے۔ان کہانیوں میں نصائح پنہاں ہوتے۔جب یہ سلسلہ ختم ہوتا تو بعض چھوٹے بچوں کو جو کہانی سنتے سنتے سو جاتے انہیں نوکر اٹھا کر گھر گھر چھوڑ آتے۔

تفریح کے لمحات

حضور شکار کا شوق رکھتے اور گھر کے افراد اور دوستوں کے ساتھ کھانا پکانے کے مقابلہ میں شرکت فرماتے۔ایک موقعہ پر آپ نے جماعت کے دوستوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ نہر کے

ایک پل سے دوسرے پل تک تیرنے کے مقابلہ میں شرکت فرمائی۔شرط یہ تھی کہ جس کا بھی پاؤں دانستہ یا دانستہ زمین کو چھو جائے وہ ہاتھ کھڑا کر کے مقابلہ سے علیحدہ ہوتا جائے۔جب حد مقررہ کے دوسرے پل پر پہنچے تو آپ کے ساتھ چند دوست ہی باقی رہ گئے تھے۔ان مواقع پر حضور ایک لمبی نیکر پہنا کرتے جو گھٹنوں تک آتی تھی۔

ایک عظیم منتظم

حضرت مصلح موعود بڑے زیرک دوراندیش اور انتہائی قابل منتظم تھے۔جماعت کی موجودہ حیثیت اور انتظامی ڈھانچہ آپ کی ہی جاری کردہ اصلاحات کا مرہون منت ہے۔شوریٰ کا نظام تین ذیلی اداروں کا قیام، سندھ میں جماعت کے لئے ایک بڑی اراضی کا بندوبست جو حضور نے ایک خواب کی بنا پر خرید فرمائی تھی۔تحریک جدید کا بیرون ملک دعوت الی اللہ اور احرار کی یلغار کے سامنے بند باندھنے کی غرض سے اجراء۔وہ چند سکیمیں ہیں جو آپ کی دوراندیشی اور زیرک قیادت کی آئینہ دار ہیں۔جماعت کے ممبران میں امدادی کام اور محنت کی عظمت قائم کرنے کی غرض سے آپ نے وقار عمل کے ایام باقاعدہ طور پر منانے کا طریق رائج کیا جس میں جماعت کے تمام ممبران بلا استثناء عہدہ و امارت اپنے شہروں میں گڑھوں کو پر کرنے، سڑکوں کی مرمت محلوں کی صفائی کے کاموں میں شرکت کرتے۔مجھے اچھی طرح حضور کو خود مٹی سے بھری ہوئی ٹوکریاں اٹھا کر مقررہ جگہ پر ڈالتے ہوئے دیکھنا یاد ہے۔آپ کی ذاتی مثال تمام احباب کے لئے مہمیز کا کام دیتی اور مشعل راہ بنتی۔

ایک بہادر انسان

حضور بڑے بہادر اور آہنی عزم کے مالک تھے۔مجھے یاد ہے کہ جب آپ پر نماز کے دوران حملہ ہوا تو ڈی۔آئی۔جی پولیس نے اس سے پہلے کہ یہ خبر مشہور ہو جائے مجھے اطلاع کر دی اور یہ بھی بتایا کہ گو آپ کی حالت خطرہ سے باہر ہے مگر ربوہ سے تمام روابط منقطع کئے جا چکے ہیں اور

پولیس کو ہر قسم کے حالات سے نبٹنے کے لئے الرٹ کر دیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر ڈاکٹر امیر الدین سے جو ماہر سرجن تھے رابطہ کیا مگر وہ یونیورسٹی کے امتحانات کی وجہ سے مصروف تھے اس لئے پھر دوسرے ماہر سرجن ڈاکٹر ریاض قدیر کو لے کر میں رات گئے لاہور سے ربوہ پہنچ گیا۔ ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب نے دریں اثناء ابتدائی مرہم پٹی کر دی ہوئی تھی مگر ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ حضور کا زخم والا حصہ پھولا ہوا ہے اور تشخیص کی کہ کوئی رگ کٹ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے خون جمع ہو رہا ہے اس لئے فوری آپریشن کا فیصلہ کیا گیا جس کے لئے بے ہوش کرنا ضروری تھا مگر حضور نے انکار کیا کہ وہ بے ہوشی کی دوا نہیں لیں گے اور ہوش کی حالت میں ہی آپریشن کیا جائے۔ آپریشن کے دوران حضور نے کمال ہمت اور جرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ اس زخم کی وجہ سے آپ کی صحت پر بہت برا اثر پڑا اور ایک لمبا عرصہ بیمار رہنے کے بعد جب آپ نے رحلت فرمائی تو ہم سب ربوہ میں موجود تھے۔ آپ کی یہ لمبی بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی دکھائی دیتی ہے کہ اس کی وجہ سے جماعت کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوگئی ورنہ آپ سے جماعت کو جو بے پناہ عقیدت اور لگاؤ تھا شاید وہ اس صدمہ سے بے حال ہو جاتی۔

حضور تمام زندگی قوم کی بہبود کے لئے سرگرم رہے اور یہ حقیقت اب تاریخ کا حصہ ہے۔ شدھی کی تحریک سے لے کر کشمیریوں کی آزادی کی تحریک تک اور ادھر پھر ہجرت سے پہلے ہندوؤں کے عزائم کی بے نقابی کرنا۔ جب ایک ہندو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں ایک گستاخانہ مضمون لکھا تو آپ نے اس کے خلاف بڑے زور سے آواز اٹھائی اور تحریک چلائی جس کے نتیجہ میں حکومت اس کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہوگئی۔ آپ کے کارہائے نمایاں میں سیرۃ النبیؐ اور یوم پیشوایان مذاہب کو شایان شان طریق پر منانے کا پروگرام شامل ہے کہ غیر مسلم کے سامنے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے پہلوؤں کو اجاگر کیا جائے تاکہ لاعلمی کی بنا پر کوئی آدمی ایسی بات نہ کرے جس سے اشتعال پیدا ہو اور پھر تمام پیشوایان مذاہب کے احترام کو

قائم کرنے کی غرض سے ان کی سیرت پر تقاریر ہوں تا کہ مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان مفاہمت اور بھائی چارہ بڑھے اور کشیدگی دور ہو۔

مختصر یہ کہ آپ ایک عظیم اور یکتا لیڈر تھے۔ یہ تمام خوبیاں ایک انسان میں شاذ ہی اکٹھی ہوتی ہیں۔آپ کی ذات ان تمام خوبیوں اور حسن کا منہ بولتا ثبوت تھی جس کا حضرت مسیح موعود کے چالیس روزہ چلہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا۔اس پیشگوئی کے شوکت سے انسان کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور یہ پیشگوئی ہی ایک متلاشی کو ہدایت اور روشنی کی طرف لے جانے کے لئے کافی ہے۔

(الفضل 16 فروری 2000ء)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞

حضرت بھائی جان رحمہ اللہ تعالیٰ

قُربت، ہم عصری اور دوستی کی یادیں

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی وفات جماعت کے لئے ایک زلزلہ کے رنگ میں آئی۔ایک مختصر سے علالت جس کے آخری ایاّم میں بظاہر امید کا پہلو غالب نظر آ رہا تھا وہ اللہ کو پیارے ہو گئے اور جماعت کو ایک سکتہ کی حالت میں چھوڑ گئے۔لیکن اللہ تعالیٰ کے غیبی ہاتھ نے جماعت کی پراگندگی کی حالت کو سکون اور امن میں بدل دیا۔

ان دنوں میں میری طبیعت اچھی نہ تھی اور چند ایام پہلے اسی وجہ سے ایک ضروری میٹنگ جو فن لینڈ میں ہو رہی تھی اس میں شمولت کا پروگرام منسوخ کرنا پڑا۔ نیز وفات کی اطلاع اور تدفین میں اتنا تھوڑا وقت تھا کہ امریکہ سے حاضری اور شمولیت بہت مشکوک بن گئی تھی۔شامل نہ ہونے کا

غم اور آخری دیدار سے محرومی میری زندگی کے غم کا ایک تکلیف دہ جزو بن کے رہ گیا ہے۔

حضرت بھائی جان (خلیفۃ المسیح الثالث) سے میرا ایک قرابت کا رشتہ تھا۔ نیز ہمعصری اور دوستی کی سعادت بھی تھی نصف صدی سے زائد کے سارے واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے۔ بچپن سے حضرت صاحب کو اماں جان نے اپنی پرورش میں لے لیا تھا اور حضرت مصلح موعود اور حضرت ام ناصر کے گھر سے وہ حضرت اماں جان کے گھر میں آ گئے تھے۔ لاہور میں میرے کالج میں داخل ہونے سے تھوڑا عرصہ پہلے حضرت ابا جان (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) نے مجھے بھی حضرت اماں جان کے ہاں بھجوا دیا تھا اور ایک ہی بڑے کمرہ میں حضرت اماں جان کے ساتھ ہم نے یہ بابرکت وقت اکٹھا ہی گزارا۔ کمرہ کے ایک گونہ میں جو شمالی دیوار کی طرف بیت الدعا کے قریب تھا اس میں حضرت اماں جان کا بڑا پلنگ ہوتا تھا اور جنوبی دیوار کی طرف جو بیت مبارک کی سمت تھی دو کونوں میں ہمارے علیحدہ پلنگ تھے۔ میں نے نوٹ کیا کہ حضرت بھائی جان جب بھی گھر سے باہر جاتے تھے حضرت اماں جان سے اجازت لے کر جاتے تھے اور جن الفاظ سے حضرت اماں جان اجازت دیتی تھیں وہ میرے کانوں میں اب بھی گونج رہے ہیں۔ حضرت اماں جان ہمیشہ یہ دعائیہ الفاظ کہہ کر اجازت دیتی تھیں۔ ''جاؤ اللہ حافظ و ناصر ہو'' بڑی محبت اور بڑی گہرائی سے حضرت اماں جان یہ دعائیہ فقرہ کہتی تھیں۔ یادوں کی اس پرانی فلم کی ایک تصویر میں حضرت بھائی جان کا بیت مبارک میں بیٹھنا سامنے آتا ہے جب وہ مکرم حافظ محمد ابراہیم صاحب سے حفظ قرآن کا سبق لیتے اور مشق کرتے تھے۔ تعلیم کے آغاز میں سب سے مقدم قرآن کریم حفظ کرنا ہی تھا۔ دن کا کھانا حضرت اماں جان کے ساتھ کئی مرتبہ باورچی خانے میں چولہے کے پاس بیٹھ کر کھاتے تھے اور کئی مرتبہ حضرت اماں جان خود اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر دیتی تھیں۔ رات کا کھانا سردی کے موسم میں حضرت اماں جان کے بڑے دالان میں کھایا جاتا جو ہم سب کے سونے کا کمرہ بھی تھا اور جس میں سے بیت الدعا کو راستہ بھی جاتا تھا۔ کھانا فرش پر چُنا جاتا تھا یا پھر اس کے لئے ایک چوکی بچھتی

تھی جس پر کھانا چُنا جاتا تھا اور اس کے چاروں طرف کھانے والے بیٹھتے تھے۔ گرمیوں کے موسم میں رات کا کھانا صحن کے بالائی حصہ میں ایک تخت پوش کے اوپر کھایا جاتا تھا۔ حضرت مصلح موعود اکثر مغرب کی نماز کے بعد حضرت اماں جان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تھے۔ اس موقع پر کمرہ یا صحن میں ٹہلتے رہتے اور باتیں بھی اسی طرح ٹہلتے ہوئے کرتے تھے اس موقع پر اکثر حضرت ابا جان بھی ساتھ ہوتے تھے اور چھٹیوں کے ایام میں حضرت ماموں جان (حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن) بھی موجود ہوتے اکثر دینی مسائل اور سلسلہ کی باتیں ہوتی تھیں اور جب حضرت مصلح موعود تشریف لے جاتے تھے تو کھانا شروع ہوتا تھا جو مغرب اور عشاء کے درمیان کھایا جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مصلح موعود مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے اور ہم بچوں سے مخاطب ہو کر فرمایا دیکھو قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور علم کا سمندر ہے۔ تم لوگ اس پر غور کرنے کی عادت ڈالو۔ اس غور کی عادت کے ثبوت میں اگر کوئی موتی نکال کر پیش نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک سیپی ہی نکالو تا کہ معلوم ہو سکے کہ تم نے غور کی اس عادت کو اپنا لیا ہے۔ غرضیکہ یہ ایام بڑی برکتوں والے تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی تربیت حضرت اماں جان کی براہ راست نگرانی میں اسی پاکیزہ ماحول میں ہوئی۔

قرآن کریم کے حفظ کرنے کے بعد حضرت بھائی جان نے مدرسہ احمدیہ میں پڑھ کر مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔اے تک پڑھتے رہے۔ ان ایام میں احمدیہ ہاسٹل پہلے ٹمپل روڈ پر رہا اور پھر چوبرجی کے علاقہ میں بہاولپور روڈ پر ایک کوٹھی میں منتقل ہوا۔ گورنمنٹ کالج میں طالب علمی کے ایام میں مجھے یاد ہے حضرت بھائی جان نے دعوت الی اللہ کے لئے چھوٹے چھوٹے پمفلٹوں کا سلسلہ شروع کیا۔ دو ورقہ یہ پمفلٹ ہوتے تھے جو بڑے عمدہ کاغذ پر شائع کرتے تھے۔ چند منٹ میں پڑھے جا سکتے تھے۔ ان کی تقسیم پر کالج کے حلقوں میں کافی ہلچل اور دلچسپی پیدا ہوئی اور طالب علموں میں دعوت الی اللہ کا ایک دلکش طریق

رائج ہوا۔

اس کی وجہ سے احمدی طلباء اوران کے ساتھیوں میں بحث مباحثے بھی ہوتے رہے جن میں ملک عبدالرحمن صاحب خادم پیش پیش تھے اور بڑی قابلیت اور موثر طریق پر بحث کرتے تھے اور بڑی حاضر جوابی سے ساکت کرنے والے دلائل دیتے تھے۔

کالج کے بعد پھر ہمیں اکٹھے رہنے کا موقع انگلستان میں نصیب ہوا۔ حضرت بھائی جان آکسفورڈ میں BALLIOL کالج میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔ ہم دوسرے بھائی (مرزا ظفر احمد، مرزا سعید احمد اور خاکسار) لندن میں تھے۔ گو آخری سال 1938ء میں میں بھی آکسفورڈ چلا گیا تھا۔ ان دنوں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب جب انگلستان تشریف لاتے تھے تو آکسفورڈ میں بھی آتے تھے اور حضرت بھائی جان کے ساتھ کچھ وقت گزارتے تھے۔ آکسفورڈ میں حضرت بھائی جان مختلف لائبریریوں اور کتب کی دکانوں پر جاتے تھے اور دلچسپی اور گہری جاذبیت سے مطالعہ جاری رکھتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد قادیان واپسی کا زمانہ آیا جو 1939ء سے 1947ء قیام پاکستان تک کا ہے۔ لندن سے فراغت کے بعد حضرت مصلح موعود کی ہدایت کے تحت حضرت بھائی جان نے چند ماہ مصر میں عربی زبان بولنے کی مشق کے لئے بھی قیام فرمایا۔ قادیان واپسی پر تعلیمی ذمہ داریوں کے علاوہ سلسلہ کی خدمت میں انہماک سے کام کیا۔ چونکہ اس عرصہ میں میں ملازمت کے سلسلہ میں قادیان سے باہر رہا اس لئے حضرت بھائی جان کی ان برسوں کی مصروفیات کا عینی شاہد نہ تھا لیکن اس لمبے عرصہ کے دو واقعات میرے ذہن میں حاضر ہیں۔ اول اسمبلی کے الیکشن کے ایام تھے جس میں حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال جماعت کی طرف سے بطور نمائندہ کھڑے ہوئے تھے اور ان کا مقابلہ بٹالہ کے ایک بااثر گدی نشین خاندان کے سربراہ سے تھا۔ ان دنوں حضرت بھائی جان نے بڑی مستعدی اور بڑی جانفشانی سے دن رات ایک کر کے کام کیا اور یہ

کیفیت کئی ہفتہ تک رہی۔ حضرت ابا جان تمام کام کے انچارج تھے اور ہمارے گھر کے مردانہ حصہ میں ایک قسم کا آپریشن روم بنا ہوا تھا اور چوبیس گھنٹے گہما گہمی رہتی تھی۔ حضرت بھائی جان مشقت برداشت کرنے کے پوری طرح عادی تھے اور رات دن اس کام میں مصروف رہتے۔ نہ کھانے کا ہوش اور نہ آرام کی فکر۔ ایک ہی دھن تھی کہ سلسلہ کے کام کا کوئی پہلو نامکمل نہ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کامیابی بھی عطا کی اور جماعت باوجود سخت مخالفت کے سرخرو ہوئی۔ دوسرا واقعہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے دوران تھا۔ ان دنوں میں اس کام کے انچارج حضرت بھائی جان تھے اور بڑی جانفشانی، بڑی دلیری اور بڑی ہمت سے کام کیا۔ جماعت کے افراد کو اور حقیقتاً تمام علاقہ کے مسلمانوں کو بڑی حد تک دشمنوں کے پیہم حملوں سے محفوظ رکھا اور جانی نقصان برائے نام ہوا۔ ایک ایک وقت میں ستر ستر ہزار لوگوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام کیا اور ان کو حفاظت سے پاکستان پہنچایا۔ ان دنوں کے اخبارات میں کئی مرتبہ جماعت کی اس قربانی اور دلیرانہ دفاع کا ذکر کیا اور جماعت کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ یہ حضرت بھائی جان کی فیلڈ میں قیادت اور ہمت اور محنت کا ثمرہ تھا۔ ان دونوں واقعات میں حضرت بھائی جان کے خصوصی اوصاف ابھر کر سامنے آئے۔ محنت، ہمت، شجاعت، دلیری، سادگی، پلاننگ اور حکمت عملی کے کل اوصاف اپنی پوری شان سے جلوہ گر رہے۔

پاکستان کے قیام کے بعد ربوہ منتقل ہونے تک قیام رتن باغ لاہور میں رہا اور اس عرصہ میں تعلیم الاسلام کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز رہے۔ یہ دور بھی بڑی محنت کا دور تھا۔ لٹے ہوئے بے سروسامان سب آئے اور اس خاک سے ایک کامیاب تعلیمی ادارہ کو اٹھایا جس نے تعلیمی درسگاہوں میں ایک امتیازی حیثیت حاصل کی۔ جب یہ ادارہ ربوہ میں منتقل ہوا تو ایک بار پھر بے سروسامانی کی حالت میں کام شروع ہوا۔ نئی عمارت حضرت بھائی جان نے اسی لگاؤ اور محنت سے بڑی کفایت اور تھوڑی رقم میں مکمل کروائی اور ہماری اس درسگاہ نے صوبہ بھر میں امتحانات اور اخلاقی اقدار اور سپورٹس میں کامیاب اور امتیازی حیثیت حاصل کی۔

کالج کی ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت مصلح موعود کی لمبی بیماری کے زمانہ میں جماعت کے بہت سے بوجھ آپ کے ہی کندھوں پر پڑے اور خوش اسلوبی سے سرانجام پائے یہ ایک تاریخی دور تھا جس کی تاریخ کسی صاحب قلم کی منتظر ہے۔ حضرت مصلح موعود کی طویل علالت کئی الٰہی مصلحتیں لئے ہوئے تھی اور ایک نہایت پُرشوکت، بابرکت اور الٰہی وعدوں سے معمور پچاس سال سے زائد دور اپنے اختتام کی طرف جا رہا تھا اور آنے والی قیادت کو تیار کرتے ہوئے اس کے لئے راستہ صاف کر رہا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا دور خلافت قریباً سترہ سال رہا۔ حضرت مصلح موعود کی زائد از پچاس سالہ خلافت ایک نہایت شاندار اور پُرشوکت اور برکتوں سے معمور خلافت تھی جو جماعت میں بلکہ دنیا بھر کی الٰہی تحریکات میں ایک خاص امتیاز رکھتی ہے۔ جس نے مخالفتوں کے طوفانوں میں سے اپنا راستہ صاف کرتے ہوئے جماعت کو ایک مضبوط چٹان کی طرح بین الاقوامی حیثیت میں لا کھڑا کیا۔ ایسی عظیم الشان خلافت کی جانشینی کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے حضرت بھائی جان کو توفیق بخشی کہ جماعت کی قیادت کے فرائض اس طور پر انجام دیئے کہ جماعت ترقی پر ترقی کرتی چلی گئی۔ تعداد میں، غیر ممالک میں پھیلاؤ میں، مالی قربانی میں، اشاعت قرآن کریم میں، تعلیمی ترقی میں اس نے ہر دن اپنا قدم آگے بڑھایا۔ اس دوران میں صد سالہ جوبلی منصوبہ نصرت جہاں فنڈ اور افریقہ کے ممالک میں تبلیغی مساعی اور خدمت خلق میں شاندار کام سرانجام پایا۔ تعلیم میں فروغ اور احمدی طالب علموں اور طالبات میں تعلیمی میدان میں آگے بڑھنے کا خوشکن ولولہ پیدا کیا۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور آنے والا مؤرخ اپنے وقت پر ان کے نقوش کو اجاگر کرے گا۔ فی الحال میرے مضمون کا اصل مقصد ان تفاصیل کا بیان نہیں۔ انہی سنہری کارناموں میں 1974ء کے واقعات ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں۔ جماعت اس کٹھن امتحان اور ابتلاء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی قیادت میں پوری شان سے سرخرو نکلی۔

ان واقعات پر اس وقت روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ ان واقعات کو جماعت کی تاریخ میں ایک اہم مقام حاصل ہے جو کسی روز اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دنیا کے سامنے آئیں گے۔ انشاءاللہ۔

حضرت بھائی جان کو اپنی زندگی کے آخری چند ماہ ایک گہرا زخم وصدمہ اپنی رفیقۂ حیات حضرت آپا منصورہ بیگم کی اچانک وفات کی صورت میں پہنچا۔ حضرت اماں جان نے خود یہ رشتہ بڑی چاہت اور دعاؤں کے ساتھ کیا اور ان دعاؤں کے ثمرہ میں یہ ایک مثالی جوڑے کی شکل میں ہمیشہ قائم ودائم رہا۔ ان کی وفات پر حضرت بھائی جان پر طبعاً ایک بہت گہرا اثر تھا لیکن آپ نے کمال صبر وضبط سے کام لیتے ہوئے اپنے غم کو اپنے سینہ میں ہی دبائے رکھا اور جماعت کے لئے اللہ کی تقدیر پر رضا اور ضبط وتحمل کا ایک نایاب نمونہ پیش کیا۔ 1981ء کے جلسہ سالانہ پر جب میں اس صدمہ کے بعد پہلی مرتبہ ملا تو مصافحہ کے لئے اُٹھتے ہوئے دور سے ہی صرف ''انا للہ............'' کہا بعد کی ملاقات میں کئی مرتبہ ذکر آیا۔ پرانی تصاویر جو آپا کے ساتھ تھیں دکھائیں ان میں سے انتخاب کرتے رہے پھر ایک روز ہمارے کمرہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ منصورہ کی وفات کے دوسرے روز میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ میری ایک دفعہ منصورہ سے ملاقات کرادے تو اس رات کشفی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال شفقت سے اس خواہش کو پورا کیا۔ آپ نے تفصیل سے اسے بیان کیا اور فرمایا کہ منصورہ بیگم نے ایک نہایت خوبصورت رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ اور ستونوں والی ٹیرس کی شکل کی ایک عمارت میں جو سات طبقات میں تقسیم شدہ تھی اس میں ان کی ملاقات کے لئے مجھے لے جایا گیا۔ ایک مقام پر پہنچ کر مجھے آواز آئی کہ اس سے آگے نہ تم اوپر جاسکتے ہو اور نہ وہ نیچے آسکتی ہیں۔ وہاں میں نے منصورہ بیگم کو دیکھا۔ نہایت ہی خوشنما منظر تھا اور منصورہ بیگم بہت خوش تھیں اور میرے دل میں اس ملاقات کی وجہ سے بڑا سکون پیدا ہوا۔

انہی دنوں قصر خلافت اور دفاتر پرائیویٹ سیکرٹری اور ملاقات کے کمروں کی تعمیر ہو رہی تھی

خودنگرانی فرماتے تھے اور نماز کے لئے جاتے ہوئے۔ واپسی پر کچھ قیام فرما کر ہدایات دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے فرمانے لگے کہ اس پر خرچ کافی آرہا ہے۔ ضروریات بھی بڑھ چکی ہیں اور تعمیر کی لاگت بھی۔ میں نے لمبا عرصہ ایک نیم شکستہ مکان و دفتر میں گزارا کیا۔ پھر سوچا کہ یہی تذبذب آنے والے خلیفہ کو بھی ہوگا۔ سترہ سال قریباً ناقابل استعمال مکان میں رہتے ہوئے اگر یہ بن جائے تو کم از کم اگلے خلیفۂ وقت کو اس تذبذب اور ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

تفریحات میں آپ کا شغف زمیندارہ، پھول، قدرت کے نظارے، شکار، تیراندازی اور گھوڑوں خصوصاً عربی نسل کے گھوڑوں میں مرکوز تھا۔ قدرت کے حسین نظاروں سے بہت لطف اٹھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے ان کی تصاویر بھی لیتے تھے اور بہت شوق سے دکھاتے تھے۔ جن امور میں دلچسپی ہوتی تھی اس پر متعلقہ کتب کا اہتمام سے مطالعہ کرتے تھے۔ اور وسیع علم رکھتے تھے جو حیران کن ہوتا تھا۔ گھوڑوں پر بہت سے باتصویر کتب اکٹھی کی تھیں اور زیر مطالعہ رکھتے تھے۔ طب سے بھی دلچسپی تھی خصوصاً ہومیوپیتھی دوائیوں سے۔ بیماروں اور حاجت مندوں میں شوق سے ادویات تجویز کرتے تھے اور خود تقسیم بھی کرتے تھے۔ اپنے استعمال میں نیچرل فوڈ سپلیمنٹ اور وٹامنز کو ترجیح دیتے تھے۔ ان میں سے بہت سے امور میں خاندانی روایات کی جھلک تھی اور ایک پاکیزہ دلچسپی کے علاوہ خدمت خلق کا جذبہ بھی تھا۔

بچوں سے بہت پیار کرتے تھے اور ان میں کسی رنگ یا نسل کی تمیز کو گوارا نہ فرماتے تھے۔ حبشی اور پسماندہ اقوام کے بچوں سے دوسروں سے بڑھ کر محبت اور لگاؤ کا اظہار فرماتے تھے اور نئی نسل کے لئے ایک تڑپ تھی کہ یہ تعلیم اور اخلاق میں دوسروں سے ہر جہت اور ہر لحاظ سے آگے نکلیں۔ اس جذبہ سے بچوں اور نوجوانوں کے لئے تعلیم میں دلچسپی اور ترقی کے لئے انعامات اور ذاتی خط و کتابت کی مختلف سکیموں کا اعلان فرمایا اور ان کی بہبود پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

بنی نوع انسان سے شفقت اور ان کی بھلائی آپ کی حسین اخلاق کا ایک اہم حصہ تھا۔ غیروں

سے بہت تلخیاں اٹھائیں لیکن تعصب ونفرت کا جواب حسن سلوک اور محبت سے دیا۔ گالیاں سنیں اور دعائیں دیں اور باوجود ہر قسم کے دباؤ اور انگیخت کے جماعت کے افراد کو احمدیت کی حسین تعلیم سے بھٹکنے نہیں دیا۔ حوصلہ کا یہ جوہر ایک باخدا انسان ہی دکھا سکتا ہے۔ اشاعت دین کی مہم میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خاص دلچسپی اور توجہ یورپ اور افریقہ میں نئے مشن اور بیوت الذکر کے قیام اور تراجم قرآن کریم اور اس کی اشاعت میں نمایاں طور پر قائم رہی۔ بیوت کی تعمیر میں سب سے زیادہ دلچسپی کا مرکز پیدروآباد سپین میں بیت بشارت رہی جگہ کا انتخاب، تعمیر کا نقشہ اور تعمیر کے مختلف مراحل غرضیکہ ہر جہت میں پوری دلچسپی لی اور بے تابی سے اس کی تکمیل کے منتظر رہے۔ 1981ء کے جلسہ کے موقع پر جب میں گیا تو بیت کے آئے ہوئے فوٹو مجھے دکھائے اور خاص طور پر تفصیلاً بتلایا کہ اس کے مینارے میں نے قادیان کے منارہ المسیح کے نقشہ پر تیار کروائے ہیں۔ اور بہت بھلے لگ رہے ہیں۔ ایک فوٹو مجھے بھی عنایت کیا اور کئی مرتبہ مختلف مواقع پر اس کو اپنا موضوع گفتگو بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا لیکن سپین میں دین کا دوبارہ احیاء ہمیشہ کے لئے آپ کے نام اور کام سے منسوب رہے گا اور سپین کی آنے والی نسلیں آپ کا نام محبت اور احترام اور گہرے تشکر کے جذبات سے یاد رکھیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے انسان کے جسم کو تو فانی رکھا ہے لیکن اس کے نیک کاموں کو دوام بخشا ہے جو مرورِ زمانہ سے مٹتے نہیں بلکہ اور اجاگر ہوتے ہیں۔ مجھے یاد آیا کہ حضرت بھائی جان کے انتخاب خلافت کے چند ماہ بعد میرے ایک نہایت پیارے اور مخلص دوست مجھے ملے اور فرمانے لگے کہ حضرت صاحب کے خطبوں کا کیا رنگ بدلا ہے اور کیسی پرُ معارف باتیں حضور بیان کرتے ہیں پہلے اس کا خیال اور اندازہ نہ تھا کہ یہ جوہر موجود ہے۔ بات بڑی سچی تھی اور وہ حقیقت جو ہمارے بزرگ ہمیشہ بتلاتے چلے آتے تھے کہ گو خلیفہ مومنوں کی ایک جماعت منتخب کرتی ہے لیکن حقیقت میں یہ انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے اور اس کے فرشتے مومنوں کے دلوں کو اس کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حیّ وقیّوم ذات والا صفات ایک نئے

وجود کوجنم دیتی ہے اور جو آخری وقت تک اس کے ہاتھ میں الٰہی تقدیر کی تکمیل میں ایک آلہ بن کر منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ اس کے کاموں میں برکت دیتا ہے اس کی دعاؤں کو سنتا ہے۔ اس کوعلم وعرفان کی دولت بخشتا ہے اور ہر قدم پر اس کی راہ نمائی فرماتا ہے۔ ہم دو بار یعنی 1965ء اور پھر 1982ء میں اس بنیادی سچائی کے عینی شاہد بنے ہیں اور کسی فلاسفر کی کوئی منطقی دلیل یا دعویٰ اس سچائی کو ہمارے دلوں سے مٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہماری اولادوں کو اس سچائی پر ہمیشہ قائم رکھے اور اس وابستگی کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جائے اور ہر دم خلیفۂ وقت کی اطاعت وفرمانبرداری اور اس کی تحریکات میں والہانہ شمولیت کی توفیق بخشے۔ آمین

(ماہنامہ خالد سیدنا ناصر نمبر)
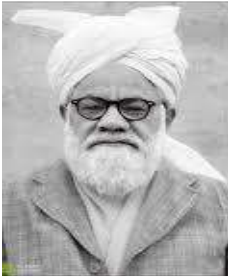
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی کے بعض نمایاں شمائل کا ذکر اور آخری علالت کے حالات

آخری علالت

ابا جان کی آخری بیماری کا آغاز جون 1963ء میں ہوا۔ جب ربوہ میں آپ نے نگران بورڈ کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی۔ طبیعت پہلے سے خراب تھی لیکن آپ نے ہمیشہ دین کے کام کو ہر چیز پر ترجیح دی اور مقدم رکھا اور اسی جذبہ سے اس اجلاس میں شرکت کی اور باوجود ناسازی طبع اور کمزوری کے کئی گھنٹے تک اجلاس کو جاری رکھا تا اکٹھا ہوا کام ختم ہوجائے۔ اصل میں چند سال

ہوئے ابا جان کو Heat Stroke ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد ہر موسم گرما میں ربوہ کی شدید گرمی میں یہ تکلیف کسی نہ کسی رنگ میں ابھر آتی تھی۔ اس اجلاس میں شرکت کے بعد پھر آپ کی طبیعت پوری طرح وفات تک نہ سنبھلی۔

جون کے مہینہ میں مَیں اکثر ٹیلیفون پر طبیعت پوچھتا رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے تکلیف نہ ہو یا میرے کام میں کوئی رکاوٹ نہ ہو یہی فرماتے تھے کہ طبیعت اچھی تو نہیں لیکن گھبراؤ نہ۔ اس کے باوجود احتیاطاً میں نے لاہور سے ڈاکٹروں کا ربوہ جانے کا انتظام کیا Examination میں پہلی بیماریوں یعنی دل کی تکلیف۔ ذیابیطس اور بلڈ پریشر کے علاوہ ڈاکٹروں نے یہ بھی تشخیص کی کہ Prostate کی تکلیف پیدا ہوتی معلوم دیتی ہے۔ جس کا علاج اپریشن ہے۔ جو ابا جان کی باقی بیماریوں اور کمزوری کے مدنظر مشکل تھا۔ یہ تشخیص مزید فکر کا باعث ہوئی اور یہی فیصلہ ہوا کہ مہینے کے آخر میں آپ لاہور تشریف لے جائیں تا علاج کے بارہ میں مشورہ ہو سکے۔ اور اس کے مطابق انتظام کیا جا سکے۔

چنانچہ جون کے آخر میں آپ لاہور تشریف لے گئے۔ جہاں ہسپتال میں ایک کمرہ کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ لاہور میں بعض Test لئے گئے اور ڈاکٹری مشورہ سے یہ طے پایا کہ فی الحال اپریشن کی کوئی فوری ضرورت نہیں اور اس تکلیف میں باقی علاج سے افاقہ بھی ہوا۔ لیکن طبیعت پوری طرح نہ سنبھلی۔

اپنی وفات کے متعلق خوابیں

چند ماہ سے ابا جان کو متعدد منذر خوابیں اپنی وفات کے متعلق آ رہی تھیں۔ جن سے ان کی طبیعت میں یہ خیال راسخ ہو گیا تھا کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہے۔ اس کا پہلا اشارہ مجھے عید کے موقعہ پر شروع مئی میں کیا۔ جب کہ میں واپس راولپنڈی کے لئے رخصت ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے کہ ''مجھے کچھ عرصہ سے بعض منذر خوابیں آ رہی ہیں۔ تم بھی دعا کرنا'' اور حسب معمول رخصت

کرتے وقت فرمایا ''اللہ حافظ وناصر ہو''

یہ خوابوں کا سلسلہ لاہور میں بھی جاری رہا۔ اور میرے علاوہ دوسرے ملنے والوں سے بھی ان کا ذکر کیا۔ گو تفصیل نہیں بتلاتے تھے نہ ہمیں اس کے دریافت کی ہمت پڑتی تھی۔ میں نے ڈاکٹروں سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ابا جان کی بیماری کی تشویشناک صورت دل اور بلڈ پریشر کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ اور یہ دونوں بیماریاں خدا کے فضل سے کنٹرول میں تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں نے عرض بھی کیا کہ ڈاکٹر تسلی دلاتے ہیں اور کہتے ہیں اصل بیماریاں کنٹرول میں ہیں اور باقی شدید بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی ہیں۔ جو انشاء اللہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ میرے یہ کہنے پر فرمایا: ''ڈاکٹروں کی رائے پر نہ جانا''

ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ کچھ روز تبدیلی آب و ہوا کے لئے ابا جان گھوڑا گلی تشریف لے جائیں جہاں کا موسم بھی خوشگوار ہوگا اور جس کی بلندی بھی اتنی نہیں جو کہ دل کے مریض کے لئے خطرہ کا باعث ہو۔ چنانچہ وسط اگست میں آپ لاہور سے روانہ ہو کر راستہ میں جہلم کچھ وقت قیام فرما کر شام کے قریب ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ اگلے روز صبح گھوڑا گلی تشریف لے گئے۔ اس سفر میں ڈاکٹر یعقوب صاحب اور میرے چھوٹے بھائی عزیزم منیر احمد صاحب ساتھ تھے۔ ہفتہ کے روز ہم بھی چلے گئے۔ اور ڈاکٹر صاحب دو تین دن قیام فرمانے کے بعد میرے ساتھ ہی واپس آ گئے۔ ڈاکٹر کا انتظام سالمی سینی ٹوریم اور مری سے کر لیا تھا کہ ضرورت کے وقت وہاں سے آ سکیں۔ گھوڑا گلی میں پہلے دو تین روز آپ کی طبیعت خاصی اچھی ہوگئی لیکن وہاں بھی پہلے کی طرح اپنے متعلق منذر خواب دیکھی اور اسی وجہ سے مقررہ پروگرام سے پہلے لاہور تشریف لے گئے۔

لاہور میں واپسی پر بھی منذر خوابوں کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ 24۔ اگست کے قریب لاہور گیا تو فرمانے لگے کہ ''اب تو چل چلاؤ ہی ہے'' خوابوں کی تفصیل نہیں بتلاتے تھے۔ گھوڑا گلی میں میری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ امتہ اللطیف بیگم نے جب اس بارے میں کچھ دریافت

کرنے کی کوشش کی تو فرمانے لگے۔ ''تم بچے ہو میں تفصیل نہیں بتلاتا تم لوگ گھبرا جاؤ گے''

ایک چیز جس کا بالوضاحت اپنے ایک خط میں ایک بزرگ کے نام ذکر فرمایا وہ یہ تھی کہ میری زبان پر حضرت مسیح موعود کا شعر جاری ہوا۔

بھر گیا باغ اب تو پھولوں سے آؤ بلبل چلیں کہ وقت آیا

ان خوابوں کی وجہ سے بہر حال آپ کی طبیعت پر یہ گمان غالب تھا بلکہ یقین کی حد تک پہنچ چکا تھا کہ آپ کی وفات کا وقت قریب ہے۔ خود ماہ جون کے آخر میں ربوہ سے روانگی کے وقت اپنی تجہیز و تکفین کے لئے علیحدہ رقم گھر دے دی۔ پھر لاہور سے مزید رقم یہ کہہ کر والدہ کو ارسال کی کہ میری وفات پر دوست آئیں گے۔ گھر کے عام خرچ سے زیادہ اخراجات ان دنوں ہوں گے۔ اس لئے بھجوا رہا ہوں۔ ایک روز ایک خط بھی اپنے خادم بشیر احمد سے لکھوا کر بھیجا۔ جو ایک قسم کا الوداعی خط تھا۔ اسی طرح ایک بیرون از پاکستان کے خط کے جواب میں لکھوایا کہ آپ نے لکھا ہے کہ آپ لوگ اکتوبر میں یہاں آئیں گے۔ لیکن اکتوبر میں تو میں یہاں نہیں ہوں گا۔ کچھ اس قسم کے الفاظ تھے۔

بیماری کے بارے میں ڈاکٹروں کی رائے

یہ ایک عجیب بات تھی کہ ادھر آپ اپنی وفات کی طرف اشارہ کرتے تھے اور احباب سے بھی ذکر فرماتے تھے۔ مگر دوسری طرف ڈاکٹروں کی رائے میں اس قسم کا فوری خطرہ نظر نہ آتا تھا۔ یہی خیال تھا کہ اصل خطرے والی بیماریاں کنٹرول میں ہیں۔ اور شدید گھبراہٹ اور بے چینی اور بے خوابی کی تکالیف عارضی بتلاتے تھے۔ یہی رائے ایک انگلستان کے ماہر ڈاکٹر نے دی جو ان دنوں پاکستان سے گزرتا ہوا آسٹریلیا جا رہا تھا۔ اس نے ابا جان کو دیکھا اور اپنے ڈاکٹروں کی موجودگی میں کہا کہ میری رائے میں جو دوائیاں میں نے تجویز کی ہیں۔ ان کے استعمال سے دو ہفتہ میں خاصہ افاقہ ہو جائے گا۔ اور 6 ہفتہ کے اندر اپنا معمول کا کام کر سکیں گے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ مزید کئی سال تک باحیات نہ رہیں۔ ابا جان کو دیکھ کر ایک اور بات اس نے کہی جو احباب کی دلچسپی کے

لئے لکھتا ہوں۔ ابا جان کو دیکھ کر ساتھ والے کمرہ میں آیا اور کہنے لگا:

ترجمہ: آپ تورات کے مذکور انبیاء کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی طبّی رائے سے میری طبیعت کچھ اور مطمئن ہوگئی۔ یہ شائد 26 یا 27۔ اگست کا دن تھا۔ لیکن اگلے چند روز نے ثابت کر دیا کہ بات وہی درست تھی جس کی اطلاع اللہ تعالیٰ آپ کو خوابوں کے ذریعہ دے چکا تھا۔ اس طبی معائنہ کے ایک ہفتہ کے اندر نمونیہ کا حملہ ہوا اور ڈاکٹروں کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ ایک رات بخار 107 ڈگری سے بھی اوپر چلا گیا۔ اس کے بعد آخری دو تین روز اکثر وقت غنودگی میں گزرا اس حالت میں آپ کی زبان پر اکثر دعائیہ فقرات جاری تھے۔ میری بیوی بتلاتی ہیں کہ کوئی کوئی لفظ سمجھ آتا تھا جیسے ''ربنا'' یا ایک لفظ ''طیر'' کا انہیں دھیما سا سنائی دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ایکوقت میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی میں جیسے کسی سے لمبی گفتگو کر رہے ہیں۔

میری آخری ملاقات

مجھ سے آخری ملاقات غنودگی سے پہلے 31۔30 / اگست کو ہوئی۔ میں بیماری کی شدت کا سن کر فوراً چند گھنٹوں میں لاہور پہنچ گیا۔ سیدھا ابا جان کے کمرے میں گیا۔ لیٹے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھ کر فرمایا۔ ''مظفر تم آ گئے'' یہ فقرہ ایسے رنگ میں کہا جیسے کسی کا انتظار تھا۔ اس فقرہ میں ایک عجیب اطمینان اور سکون تھا۔ جس سے مجھے کچھ گھبراہٹ ہوئی۔ میں ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر سرہانے کی طرف بیٹھ گیا۔ پھر فرمانے لگے۔ ''کراچی کب جارہے ہو'' میرا کراچی جانے کا اس بیماری کی شدت سے پہلے کا پروگرام تھا۔ میں نے کہا اب تو میں نہیں جارہا۔ فرمانے لگے ''یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔'' اس کے بعد میں نے کھانے کے لئے عرض کیا فرمانے لگے مجھے بھوک نہیں۔ میں نے کہا آپ کو دوائی دینی ہے خالی پیٹ ٹھیک نہیں رہے گی کچھ کھالیں۔ اس پر تیار ہو گئے۔ سہارے سے بٹھایا اور اسی کیفیت میں سہارے سے بٹھائے رکھا۔ کیونکہ لیٹ کر کھانا پسند نہ فرماتے تھے۔ کھانے کے بعد دوائی دی اور میں پاس بیٹھا رہا۔ اتنے میں والدہ کا فون آیا۔ میں اٹھ کر جانے لگا۔ فرمانے لگے بیٹھے

رہو۔ انہیں فون کا علم نہ تھا۔ میں نے عرض کی کہ اماں کا فون آیا ہے ابھی سن کر آتا ہوں۔ واپسی پر پوچھا۔ ''تمہاری اماں تھی'' میں نے کہا جی۔ خود فون پر بول رہی تھیں۔ فرمانے لگے میری حالت بتا دی ہے۔ میں نے کہا جی۔ وہ آنا چاہتی ہیں۔ اور میں کار کا انتظام کر رہا ہوں تا صبح آ جائیں۔ اس کے بعد کچھ کپکپی سی شروع ہو گئی۔ اور اس کے بعد پھر زیادہ تر غنودگی میں ہی وقت گزرا۔

2 ستمبر کو جب کہ بہت سے احباب کوٹھی 23 ریس کورس کے احاطہ میں مغرب کی نماز ادا کر رہے تھے کہ ابا جان کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہو گئی۔ آپ کو دو تین سانس کچھ اکھڑ کر آئے اور ہم سے رخصت ہو کر اپنے مالک حقیقی کے پاس جا پہنچے۔ نماز کے معاً بعد دوڑ کر اندر گیا۔ آپ کا بازو اپنے ہاتھ میں لیا اور اسے بوسہ دیا۔ اور اسی کیفیت میں کچھ لمحوں کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ اس کے بعد چونکہ سب عزیز ابا جان والے کمرہ میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ میں والدہ کے پاس چلا گیا اور ان کے قدموں میں دیر تک بیٹھا رہا۔

حضور کو ابا جان کی وفات کی اطلاع

ابا جان کی وفات کی اطلاع ربوہ بذریعہ ٹیلیفون پہنچا دی گئی۔ چونکہ برادرم مکرم مرزا ناصر احمد صاحب (بعد میں خلیفۃ المسیح الثالث) اور عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب لاہور تشریف لائے ہوئے تھے۔ اس لئے رات کو سونے سے پہلے حضور کو ابا جان کی وفات کی اطلاع عمداً نہ پہنچائی گئی۔ صبح جب حضور ایدہ اللہ تعالیٰ اٹھے تو ابا جان کے متعلق دریافت فرمایا۔ ام متین نے وفات کی اطلاع دے دی۔ اور پھر بعد میں الفضل کا پرچہ بھی سامنے کر دیا۔ حضور کو اس کا بے حد صدمہ اور قلق تھا۔ لیکن پہلے دو روز بہت ضبط فرماتے رہے۔ ذکر کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ لیکن ضبط کی وجہ سے چہرے پر سرخی آ جاتی تھی۔ ان دنوں میں بے چینی اور گھبراہٹ بھی بہت رہی۔ میری بیوی سے فرمایا کہ مجھے بڑا کرب اور قلق ہے پھر فرمایا۔ ''مجھ سے چھوٹے تھے'' ایک مرتبہ فرمایا۔ ''دعا کرو قادیان واپس ملے تا یہ چکر ختم ہو''

اپنے بچپن کے واقعات کا بھی ذکر فرماتے رہے۔ مجھے ایک روز فرمانے لگے کہ تمہارے ابا جان بچپن کی عمر میں حضرت صاحب کو تو کہہ کر پکارتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک احمدی دوست نے سن لیا تو اس نے ڈانٹا کہ میاں تمہارے ابا ہوں گے۔ لیکن اگر پھر کبھی تم نے حضرت صاحب کو ''تو'' کہا تو میں ماروں گا۔ حضرت مسیح موعود کو اس کا علم ہوا تو فرمانے لگے: ''اسے ''تو'' کہنے دو۔ مجھے اس کے منہ سے اچھا لگتا ہے۔'' حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی وفات کا بھی ذکر فرماتے رہے اور بچپن کے بعض واقعات بھی بیان فرماتے رہے۔ ابا جان کی تدفین سے پہلے حضرت صاحب سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ چہرہ دیکھنا پسند فرمائیں گے۔ فرمانے لگے ''مجھے اب برداشت کی طاقت نہیں''

آخری بیماری کے حالات کے بیان کے بعد میں چاہتا ہوں کہ مختصراً آپ کی زندگی کے نمایاں شمائل کا بھی ذکر کروں۔ پھر کسی صاحب قلم کو توفیق ملی تو وہ آپ کی زندگی کے واقعات تفصیلاً محفوظ کر سکے گا۔

اہل اللہ سے عشق

میری طبیعت پر ابا جان کی زندگی کا سب سے گہرا اثر ہے وہ آپ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود سے عشق کی کیفیت ہے۔ آپ کا طریق تھا کہ گھر کی مجالس میں احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اور حضرت مسیح موعود کی زندگی کے حالات اکثر بیان فرماتے تھے میرے اپنے تجربہ میں یہ ذکر سینکڑوں مرتبہ کیا ہوگا۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ کبھی ایک مرتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت مسیح موعود کے ذکر سے آپ کی آنکھیں آب دیدہ نہ ہوئی ہوں۔ بڑی محبت اور سوز سے یہ باتیں بیان فرماتے تھے اور پھر ان کی روشنی میں کوئی نصیحت کرتے تھے۔ اسی عشق کے جذبہ میں آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''سیرت خاتم النبیین'' کی تین جلدوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات قلم بند فرمائے اور حضرت مسیح موعود کے متعلق روایات اپنی دوسری مشہور تصنیف ''سیرۃ المھدی'' میں جمع کیں جو تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ یہ ہر دو

تصانیف آپ نے محبت اور تحقیق کے علاوہ بڑی محنت سے لکھیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی سے محبت کمال وفاداری اور اطاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ سے بھی بے حد محبت کرتے تھے اور حضور کے خلافت پر فائز ہونے کے بعد اپنا جسمانی رشتہ اپنے نئے روحانی رشتہ کے ہمیشہ تابع رکھا۔ دینی معاملات کا تو خیر سوال ہی کیا تھا دنیاوی امور میں بھی یہی کوشش فرماتے تھے کہ حضور کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ حضور کی تکریم کے علاوہ کمال درجہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ میں نے اس کی جھلکیاں بہت قریب سے گھریلو ماحول میں دیکھی ہیں۔ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ نبض دل کے تابع ہو۔ عمر بھر اس تعلق کو کمال وفاداری سے نبھایا اور اس کیفیت میں کبھی کوئی رخنہ پیدا نہ ہونے دیا۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ میرے ایک بھائی پر حضور ناراض ہو گئے اور اس ناراضگی کا ''الفضل'' میں اعلان بھی فرمایا۔ ابا جان نے مشورہ کے لئے ہم سب کو اکٹھا کیا۔ بچوں کے علاوہ جو احباب اس وقت موجود تھے۔ ان میں ہمارے چچا جان (حضرت مرزا شریف احمد صاحب اور غالباً مکرمی درد صاحب بھی شامل تھے۔) میں نے پہلی مرتبہ روتے ہوئے ابا جان کو اس مجلس میں دیکھا۔ بڑا کرب اور قلق تھا۔ اور فرماتے تھے کہ مجھے اپنی اولاد کی دنیوی حالت کی نہ خبر ہے نہ فکر اور شائد میری طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ مجھے کبھی یہ دلچسپی نہیں پیدا ہوئی کہ مظفر کی تنخواہ کیا ہے۔ لیکن باوجود اس تکلیف کے خود حضور کی خدمت میں کوئی درخواست پیش نہ کی اور شائد اسی جذبہ سے نہ کی کہ آپ کی طرف سے ایسی تحریر انتظامی اور جماعتی معاملات میں مداخلت تصور نہ ہو۔ البتہ میرے متعلقہ بھائی کو بار بار اور تاکیداً تلقین کرتے رہے کہ حضور سے معافی کی درخواست اور استدعا کرتے رہو اور اس معاملہ میں خود بھی دعا فرماتے رہے اور اپنے دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں بھی دعا کے لئے باقاعدہ لکھتے رہے۔

حضور کا سلوک بھی ابا جان سے بہت شفقت کا تھا اور ہمیشہ خاص خیال رکھتے تھے اور اہم

معاملات میں مشورہ بھی لیتے تھے۔ضروری تحریرات خصوصاً جو گورنمنٹ کو جانی ہوتی تھیں۔ان کے مسودات ابا جان کو بھی دکھاتے تھے اور اس کے علاوہ اہم فیصلہ جات اور سکیم پر عمل درآمد کا کام اکثر ابا جان کے سپرد کرتے تھے اور اس بات پر مطمئن ہوتے تھے کہ یہ کام حسب منشاء اور خوش اسلوبی سے ہوجائیگا۔

حضرت اماں جان سے محبت اور ان کا احترام

حضرت اماں جان کا بھی ابا جان بہت احترام کرتے تھے اور ان کے وجود سے جو برکات وابستہ تھیں ان سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان میں آپ کا معمول تھا کہ شام کا کھانا قریباً روزانہ حضرت اماں جان کے ساتھ کھاتے تھے۔کھانا معاً مغرب کی نماز کے بعد کھایا جاتا تھا اور نماز سے فارغ ہو کر سیدھے اماں جان کے گھر جاتے تھے اور شام کا کھانا وہیں کھاتے تھے۔ برادرم مرزا ناصر احمد صاحب کے علاوہ جو ہمیشہ اماں جان کے ساتھ ہی رہے ہیں۔ میں بھی شامل ہوجایا کرتا تھا اور بعض دفعہ اور عزیز بھی۔کبھی کبھی ماموں جان (حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب) بھی ہوتے تھے اور اس موقع پر ابا جان اور ماموں جان میں کسی نہ کسی دینی موضوع پر گفتگو شروع ہوجاتی۔بعض مرتبہ حضرت اماں جان تنگ آ کر فرماتی تھیں میاں اب بس کرو کھانا ٹھنڈا ہورہا ہے۔

ایسے مواقع پر بعض مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بھی مغرب کی نماز کے بعد راستہ میں گھر جاتے ہوئے ٹھہر جایا کرتے تھے۔ایسے مواقع پر حضور بیٹھتے کم تھے بلکہ صحن یا کمرہ میں موسم کے مطابق جہاں کہیں کھانے کا انتظام ہو ٹہلتے رہتے تھے اور گفتگو فرماتے جاتے تھے۔

حضرت اماں جان کو بھی ابا جان سے بہت پیار تھا۔ میری نظروں کے سامنے اب بھی حضرت اماں جان ان سیڑھیوں کے اوپر جو ہمارے قادیان کے مکان کو حضرت صاحب اور حضرت اماں کے مکان سے ملاتی ہیں کھڑی دکھائی دیتی ہیں۔ ہاتھ میں پلیٹ ہوتی جس میں کوئی

کھانے کی چیز جوانہوں نے پکائی ہوتی تھی پکڑی ہوتی تھی اور ابا جان کو آواز دے کر بلاتی تھیں کہ میاں تمہارے لئے لائی ہوں۔ لے لو۔ ایسے وقت میں کبھی صرف میاں کہہ کر پکارتی تھیں۔ کبھی ''میاں بشیر'' اور کبھی صرف ''بشریٰ'' اسی محبت کے نام کی یاد میں ابا جان نے ربوہ کے مکان کا نام ''البشریٰ'' رکھا اور اسے گھر کے دونوں طرف نمایاں کر کے کندہ کروایا۔ اپنی آخری بیماری کے ایام میں ابا جان والدہ کو جاتے ہوئے کہہ گئے تھے کہ میری وفات کے بعد میری الماری میں ایک چھوٹا سا اٹیچی کیس ہے وہ مظفر کو کہنا خود کھولے۔ چنانچہ جب میں نے اسے کھولا تو اس میں بعض اور ذاتی کاغذات کے علاوہ کچھ حضرت مسیح موعود کے دستی لکھے ہوئے خطوط اور چند لفافوں میں کچھ روپے پڑے تھے اور ہر ایک کے ساتھ مختصر سا نوٹ تھا کہ یہ رقم حضرت اماں جان نے بطور عیدی کے ابا جان کو دی تھی۔ اور آپ نے تبرکاً اسے محفوظ رکھا ہوا تھا۔ عیدی کی بعض رقوم قادیان کی دی ہوئی تھیں اور ہندوستانی نوٹ میں تھیں۔ اس لئے ان کے لئے آپ نے اسٹیٹ بنک سے اجازت لے رکھی تھی۔ اور وہ اجازت نامہ نوٹوں کے ساتھ غیر معمولی اہتمام کے ساتھ نتھی کر کے رکھا ہوا تھا۔

حضرت اماں جان کے ابا جان کے ساتھ اس تعلق کا حضرت صاحب کو بھی احساس تھا۔ جب قادیان سے یہ خبریں آنی شروع ہوئیں کہ مقامی حکام کے ارادے اچھے نہیں اور وہ کسی نہ کسی بہانے ابا جان کو قید کرنا چاہتے ہیں۔ تو حضرت صاحب نے اس وجہ سے اور پھر جماعتی کاموں کی خاطر ابا جان کو حکم دیا کہ پاکستان چلے آئیں۔ ابا جان بڑے مخدوش حالات میں قادیان سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔ حضرت صاحب نے ابا جان کے لاہور بخیریت پہنچنے پر سجدہ شکر کیا اور پھر ننگے پاؤں شوق سے ابا جان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت اماں جان کے پاس لے آئے اور فرمایا ''لیں اماں جان آپ کا بیٹا آ گیا ہے۔''

رفقاء مسیح موعود سے لگاؤ اور ان کا احترام

رفقاء حضرت مسیح موعود سے بھی ابا جان کو بہت گہرا لگاؤ تھا اور ان کی بہت عزت اور احترام

کرتے تھے۔ان میں ہر طبقہ کے لوگ تھے اور ہر ایک کے ساتھ یکساں محبت اور مروت سے پیش آتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے اور بعض کو دعاؤں کے لئے باقاعدہ لکھتے رہتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ یہ پاکیزہ گروہ اب آہستہ آہستہ کم ہوتا جا رہا ہے اور اب تو خال خال رہ گئے ہیں۔ان سے ملتے رہنا چاہئے اور ان کی برکات سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور نوجوانوں کو چاہئے کوشش کریں کہ وہ اپنے اندر انہی کے خلوص فدائیت اور تعلق باللہ کا رنگ پیدا کریں۔

احمدیت کے مستقبل کے متعلق مکمل یقین

ایک اور چیز جو ابا جان میں نمایاں نظر آتی تھی وہ احمدیت کا مستقبل تھا۔اکثر احادیث اور حضرت مسیح موعود کی تحریرات اور الہامات کی روشنی میں اس کا گھر کی مجالس میں اور دوسرے دوستوں میں ذکر فرماتے تھے اور اس یقین سے بیان فرماتے تھے کہ احساس پیدا ہوتا تھا کہ گویا کسی واقعہ شدہ باب کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جماعت میں بہت سے اندونی اور بیرونی فتنے اٹھے لیکن جہاں آپ ان سے چوکس ضرور ہوتے وہاں ان کی مکمل ناکامی اور اس کے بالمقابل جماعت کی ترقی کے یقین سے پر ہوتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ایسی ہی کسی موقع پر مکرمی درد صاحب مرحوم نے مجھ سے بات کی۔فرمانے لگے کہ ان معاملات میں جماعت کے بعض چیدہ چیدہ لوگ بھی گھبرا اٹھتے ہیں۔لیکن میاں صاحب کا یہ حال ہے کہ جیسے کوئی مضبوط چٹان کھڑی ہو اور اس پر پانی کی لہریں اٹھ کر پڑتی ہوں۔لیکن وہ وہیں کی وہیں بغیر کسی تزلزل کے قائم ودائم کھڑی ہو۔جیسا کہ آگے چل کر بتاؤں گا کہ آپ کی طبیعت میں شفقت بہت تھی۔لیکن باوجود ایسی نرمی اور شفیق طبیعت رکھنے کے جہاں دین کا معاملہ آجائے وہاں دوستوں سے بھی سختی دکھانے میں اجتناب نہ کرتے۔اپنے عمر بھر کے ایک دوست سے جن سے ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آتے ان سے ایک مرتبہ حضور کسی جماعتی معاملہ میں ناراض ہوئے۔اس دوست نے ابا جان کو ایک ذریعہ سے پیغام بھجوایا کہ میں ملنے آنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا حضرت صاحب اس سے ناراض ہیں آپ کہہ دیں کہ پہلے حضرت

صاحب سے معافی لے پھر ملوں گا یوں نہیں مل سکتا۔

بنی نوع انسان سے ہمدردی اور شفقت

ابا جان کی زندگی کا ایک اور نمایاں پہلو بنی نوع انسان کی ہمدردی تھا۔ میں نے آپ جیسا شفیق انسان اور کوئی نہیں دیکھا۔ ہر آن اسی کوشش میں رہتے تھے کہ کسی نہ کسی رنگ میں لوگوں کے کام آسکیں۔آپ کا دروازہ ہر دردمند کے لئے کھلا رہتا تھا۔لوگوں کی تکالیف اوران کی پریشانیوں کے بیان کو بڑے تحمل سے سنتے تھے اور اپنی طاقت اور موقع کے مطابق امداد فرماتے تھے۔کسی کو اس کے بچوں کے تعلیم کے لئے مشورہ دے رہے ہیں کسی کو ملازمت کے لئے۔کسی کو علاج معالجہ کے لئے۔کسی کو مقدمات کی پریشانی کے بارے میں۔کسی کو کاروبار اور تجارت میں۔کسی کو رشتہ کے بارے میں۔ ہر ضرورت مند آپ کے پاس آتا تھا اور آپ بڑے اطمینان سے اس کی بات سنتے اور اس کی حتی المقدور امداد فرماتے تھے۔غربا کی طرف بالخصوص توجہ دیتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ایسے مواقع کوشش سے ڈھونڈتے تھے کہ میں کسی طور سے لوگوں کے بوجھ ہلکے کر سکوں اوران کی پریشانیوں میں ایک گھر کا فرد ہوکر شامل ہوسکوں۔ہم بچوں کو ہمیشہ نصیحت فرماتے تھے کہ انسان کو نافع الناس وجود بننا چاہئے۔ایسی زندگی جو صرف اپنی ذات کے لئے ہو وہ کوئی زندگی نہیں۔اپنی اس خصوصیت سے اپنے اوپر ہر تکلیف بخوشی قبول فرماتے تھے۔تعزیت کے لئے جو احباب تشریف لائے ان میں سرگودھا کے ایک غیر از جماعت دوست بھی تھے۔ وہ جس صاحب کے ساتھ آئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ جب سے انہوں نے حضرت میاں صاحب کے وصال کی خبر سنی ہے انہیں اس کا شدید صدمہ ہے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ یہ دوست کہنے لگے کہ میں ایک مقدمہ میں ماخوذ تھا اور بغیر کسی تعارف یا واقفیت کے ربوہ حضرت میاں صاحب کے مکان پر چلا آیا۔اندر اطلاع بھجوائی کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔خادم جواب لایا کہ میاں صاحب فرماتے ہیں میری طبیعت اچھی نہیں۔اگر پھر کسی وقت تشریف لائیں تو بہتر ہوگا۔وہ کہنے لگے میں

اپنی تکلیف میں تھا میں نے اصرار کیا کہ میں نے ضرور ملنا ہے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ میاں صاحب مکان سے باہر بڑی تکلیف اور مشکل سے دیوار کے ساتھ قریباً دونوں ہاتھوں سے سہارا لئے آہستہ آہستہ چلے آرہے ہیں۔ وہ دوست کہنے لگے میں بہت پشیمان ہوا کیونکہ مجھے اندازہ نہ تھا کہ آپ کو اس قدر تکلیف ہے۔ برآمدہ میں بیٹھ گئے اور میرے حالات بڑی توجہ سے سنے اور فرمایا میں آپ کے لئے ضرور دعا کروں گا۔ اپنی ایسی بیماری کی حالت میں ایک غیر معروف شخص کی خاطر اس طرح باہر چلے آنا آپ کی ہمدردی اور بنی نوع انسان کی خدمت کی ایک مثال ہے۔ میں نے بیسیوں مرتبہ یہی کیفیت دیکھی ہے۔ اپنے آپ کو مشقت میں ڈالتے تھے تا لوگوں کو سکھ نصیب ہو اور ان کے ہر قسم کے معاملات میں گہری دلچسپی لے کر ان سے پوری ہمدردی فرماتے تھے۔ مشورہ بھی دیتے تھے اور جہاں ہو سکے امداد بھی فرماتے تھے۔ یہ سلسلہ صرف ملاقات تک محدود نہ تھا بلکہ اس سلسلہ میں بے شمار خطوط آتے تھے اور آپ ہر ایک کو بغیر توقف جواب دیتے تھے۔ چنانچہ اس آخری بیماری میں بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ تعزیت کے خطوط میں ایک صاحب نے لکھا کہ میاں صاحب کا خط ان کی وفات کی خبر کے بعد انہیں ملا۔

دوستوں سے ہمدردی کرتے وقت بڑی شفقت اور نرمی سے اپنا ہاتھ دوسرے کے کندھے پر مخصوص انداز میں رکھتے اور دلاسا دیتے تھے اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں جنہیں اس کا تجربہ ہوا ہو۔

آپ کی بے پایاں شفقت جہاں دوسروں کے لئے تھی وہاں اپنے دوستوں کے لئے اور بھی زیادہ ہوتی تھی اور اس نیک سلوک اور مروت کا سلسلہ اپنے دوستوں کی اولادوں تک کے لئے قائم رکھتے تھے۔ ایک دوست نے مجھ سے بیان کیا کہ اپنی والدہ محترمہ (اہلیہ حکیم قطب الدین صاحب) کا جنازہ ربوہ لے کر گئے۔ رات کے ساڑھے تین بجے کے قریب پہنچے۔ حضرت میاں صاحب کو اطلاع ملی۔ اسی وقت رات کو تشریف لے آئے اور تجہیز و تکفین تک شامل رہے اور ہر طرح ان کے غم میں شریک رہے اور ہمدردی فرماتے رہے۔ اسی طرح صوفی عبدالرحیم صاحب

لدھیانوی نے بیان کیا کہ ان کی والدہ (میر عنایت علی شاہ صاحب کی اہلیہ) کا تابوت جب وہ تدفین کے لئے لائے تو اباجان نے کمال ہمدردی سے ان کے غم میں شرکت کی اور فرمانے لگے کہ میر صاحب کو تو ہم اپنے گھر کا فرد سمجھتے ہیں۔اسی طرح اپنے بچوں کے دوستوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک رکھتے تھے اور ان کا خاص خیال رکھتے تھے۔پچھلے ایام میں جب ہمارے دوست کرامت اللہ صاحب کراچی میں شدید بیمار ہوئے اور اپریشن کے لئے انگلستان گئے تو اباجان ان کے لئے بہت دعا کرتے تھے۔اور دوسروں کو بھی تاکید سے دعا کے لئے کہتے تھے۔خود کرامت اللہ صاحب کو خط میں لکھا کہ ''میں آج کل آپ کے لئے مجسم دعا بن گیا ہوں'' پھر دوبارہ جب کرامت اللہ صاحب علاج کی غرض سے انگلستان تشریف لے گئے تو پھر ان کی بیماری کا شدید احساس تھا اور جہاں خود بھی دعا کرتے تھے وہاں دوستوں کو بھی تحریک کرتے تھے اور بالکل ایسے رنگ میں اور اضطراب سے دعا کرتے تھے کہ جیسے کوئی اپنا بچہ بیمار ہو۔

بچوں سے سلوک

ہم بہن بھائیوں سے بھی بہت شفقت کا سلوک فرماتے تھے۔اولاد کا احترام کرتے تھے اور جب کبھی ہم باہر سے جلسہ وغیرہ اور دوسرے مواقع پر گھر جاتے تھے تو ہر ایک کے لئے بہت اہتمام فرماتے تھے۔خود تسلی کرتے تھے کہ سونے والے کمرہ میں بستر وغیرہ ہر چیز موجود ہے۔غسل خانے میں پانی صابن تولیہ موجود ہے۔یوں احساس ہوتا تھا جیسا کسی برات کا اہتمام ہو رہا ہے۔اور ہمیں شرم آتی تھی لیکن خود ذوقاً یہ اہتمام فرماتے تھے۔ہم واپس چلے جاتے تو کمرے میں آکر دیکھتے کہ کوئی چیز بھول کر چھوڑ تو نہیں گئے۔اگر کچھ ہوتا تو اسے حفاظت سے رکھوا دیتے اور ہمیں اطلاع ضرور دیتے کہ فلاں چیز تم یہاں چھوڑ گئے ہو۔میں نے رکھوالی ہے۔پھر آؤ تو یاد سے لے لینا۔

مجھے فرمایا کرتے تھے کہ بچوں کی تربیت کے معاملہ میں میرا وہی طریق ہے جو حضرت مسیح موعود کا تھا۔میں انہیں نصیحت کرتا رہتا ہوں۔لیکن دراصل سہارا خدا کی ذات ہے جس کے آگے

جھک کر دعا گو رہتا ہوں کہ وہ تم لوگوں کو اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما دے اور دین کا خادم بنا دے۔

ہمیں جب بھی نصیحت فرماتے تو اس میں اس بات کو ملحوظ رکھتے کہ سبکی کا پہلو نہ ہو۔ فرمایا کرتے تھا کہ اگر نصیحت ایسے رنگ میں کی جاوے کہ دوسرے کی خفت ہو تو وہ ٹھیک اثر پیدا نہیں کرتی بلکہ بعض دفعہ الٹا نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ مجھے یاد ہے بچپن میں جب بھی میری کوئی حرکت پسند نہ آتی تو اس کے متعلق تفصیل سے خط لکھتے تھے اور بڑے موثر اور مدلل طور پر نصیحت فرماتے تھے۔ کسی خادمہ یا چھوٹے بچے کے ہاتھ خط اس ہدایت سے بھیجتے کہ پڑھ کر اسے واپس کر دو۔ اس طریق میں ایک پہلو تو یہی ہوتا تھا کہ دوسروں کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ یا نصیحت کا اچھا اثر نہ پڑے گا اور دوسرے بعض مواقع پر شاید حجاب بھی مانع ہوتا ہو۔

ہم بہن بھائیوں کو دین کے کسی معاملہ میں دلچسپی لینے اور کام سے بہت خوش ہوتے تھے اور اپنی خوشی کا اظہار بھی فرماتے تھے اور یہی خواہش رکھتے تھے کہ دنیوی زندگی کا حصہ ایک ثانوی حیثیت سے زیادہ اہمیت حاصل نہ کرے۔

والدہ کی لمبی بیماری اور آپ کی تیمارداری

والدہ کی گذشتہ سات سالہ لمبی بیماری کے دوران میں جس میں بعض ایام میں بیماری کی شدت اور تکلیف بہت بڑھ جاتی تھی۔ آپ نے جس خوشی اور صبر و تحمل سے ان کی تیمارداری کی وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ باوجود اس کے کہ بیمار رہتے تھے۔ لیکن پھر بھی دن اور رات میں متعدد مرتبہ والدہ کے کمرہ میں تشریف لاتے۔ طبیعت پوچھتے اور ساتھ بیٹھے دعائیں کرتے رہتے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ سب نظارے اب بھی تازہ ہیں۔ بعض مرتبہ خود اتنی تکلیف میں ہوتے تھے کہ مشکل سے چل سکتے تھے لیکن اس حالت میں بھی کراہتے، سوٹی یا دیوار کا سہارا لیتے ہوئے آتے اور کافی دیر پاس بیٹھ کر تسلی دیتے اور دعائیں کرتے رہتے۔

سچ یہ ہے کہ باوجوداس کے کہ ہم بھائی بہن بھی والدہ کی خدمت کرتے رہے۔گوہم جوان تھے۔لیکن یہ ساری خدمت اباجان کی خدمت کا پاسنگ بھی نہ تھی اور میں تو کئی مرتبہ اس Contrast کا احساس کرتے ہوئے شرمندہ ہوجاتا تھا۔میرے خیال میں آپ کی اپنی بیماری میں زیادہ حصہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی علالت اور والدہ کی بیماری کے گہرے اثر کا تھا۔حضور کی بیماری سے بالخصوص بہت فکر مند رہتے اور اس کے جماعتی لحاظ سے بداثرات سے چوکس رہتے۔خود بھی دعائیں کرتے تھے اور اخبارات اور اپنی مجلس میں دوستوں کو بھی تحریک فرماتے رہتے تھے۔اپنی آخری بیماری میں بھی جب ایک روز خبر آئی کہ حضور کی ران پر زخم کے آثار ہیں تو اس پر بہت پریشان تھے۔اور آبدیدہ ہوکر مجھے فرمایا یہ بڑی فکر کی بات ہے۔

طبیعت کا رجحان اوراس کی کیفیت

طبیعت کے لحاظ سے آپ بہت حساس تھے اور لوگوں کے جذبات کا خاص خیال رکھتے تھے اور خود بھی اس معاملہ میں کسی لغزش کو محسوس فرماتے تھے۔

طبیعت میں نفاست تھی اور باریک بینی۔ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے رکھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی سے گھبراتے تھے۔میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ نظارہ آتا ہے کہ جب اپنی بیماری کی شدت کے آخری ایام میں غالباً 31۔اگست کی بات ہے۔میں پاس بیٹھا تھا۔چارپائی پر لیٹے ہوئے تھراتا ہوا آپ کا ہاتھ اٹھا اور اسے سرہانے میز کی طرف بڑھایا۔میں نے محسوس کیا کہ گھڑی جو میز پر پڑی تھی وہ کچھ ترچھی پڑی تھی اسے سیدھا کرنا چاہتے تھے۔میں نے جلدی سے اسے سیدھا کر کے رکھ دیا۔اس کے کچھ وقفہ کے بعد پھر کانپتا ہوا ہاتھ میز کی طرف بڑھایا اور دو قلم جو ترچھے پڑے تھے انہیں بڑی احتیاط سے سیدھا کر کے رکھ دیا۔اور پھر غنودگی کی سی کیفیت میں آنکھیں بند کرلیں۔اس میلان طبیعت کے لحاظ سے ہر چیز کو تحریر میں لے آتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملہ کی ایک علیحدہ فائل کھول کر اس میں تمام متعلقہ کاغذات اہتمام سے

رکھتے تھے۔خط لکھتے وقت یادداشتی نوٹ نمبروار لکھتے اورانہیں سرخ سیاہی سے نمایاں کرلیا کرتے تھے۔ایک سے زائد کاغذ پن کے ساتھ نتھی کرتے غرضیکہ نفاست اور باریک بینی کے اس میلان کا مظاہرہ ہرجگہ ہوتا تھا۔

انتظامی قابلیت خدا نے بہت دے رکھی تھی اور ہرانتظامی معاملہ میں بڑی تفصیل میں جاتے تھےاوراس کے کسی پہلوکونظرانداز نہ ہونے دیتے تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ موٹی موٹی باتیں توذہن میں آہی جاتی ہیں لیکن انتظامی ناکامی چھوٹی باتوں کی طرف سے غفلت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

طبیعت کے اس محتاط پہلو کا نتیجہ تھا کہ جہاں تحریر کو بڑی احتیاط سے دیکھتے اور درستی فرماتے وہاں زبانی ارشادکودوسرے سے دہروالیا کرتے تھے تا غلط فہمی کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔

معاملہ کے بہت صاف تھے ہر چیز کا باقاعدہ حساب رکھتے اوراس معاملہ میں کسی قسم کی کوتاہی نہ خودکرتے اور نہ دوسرے کی طرف سے پسند فرماتے۔قرض سے بہت بچتے تھے۔خودتنگی برداشت کر لیتے لیکن قرض سے حتی الوسع گریز کرتے اوراگرکبھی ناگزیرہوجائے تواس کی ادائیگی میں کمال باقاعدگی سے کام لیتے۔طبیعت کا یہ خاصہ صرف مالی لین دین تک محدود نہ تھا بلکہ ہر شعبہ میں نمایاں ہوتا۔سیدھی بات کوپسند فرماتے اورپیچدار بات سے بیزاری کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

لباس بہت سادہ پہنتے تھےاورتنگ لباس کو برداشت نہ کرتے تھے۔سفید قمیض اورشلوار۔کھلا لمبا کوٹ اور پگڑی پہنتے تھے۔کبھی کبھی خصوصاً غیر رسمی موقع پرٹوپی بھی پہن لیتے تھے۔شروع میں دیسی جوتی پہنا کرتے تھےلیکن بعد میں گرگابی طرز کا کھلا بغیرتسموں والا بوٹ۔یہی سادگی رہائش میں پسند فرماتے تھے۔اورنمائش کی چیزوں سے گھبراتے تھے۔رہائش میں مشقت پسند فرماتے تھے۔مجھے یاد ہے کہ جب شروع شروع میں Air Condition کارواج بڑھااورمیں نے ایک خریداتو میری طبیعت پر یہ بات گراں گزری کہ میں اپنے لئے کوئی ایسا آرام ڈھونڈوں جوابا جان کے استعمال میں نہ ہو۔چنانچہ میں نے اس کیفیت کے مدنظراورربوہ کی شدید گرمی کا احساس کرتے

ہوئے ایک Air Condition تحفۃً بھیجا اور آدمی بھیج کر اسے آپ کے کمرے میں لگوا دیا۔ اسے استعمال فرماتے رہے لیکن ایک مرتبہ خراب ہو گیا تو خفگی سے فرمایا کہ مظفر نے خواہ مخواہ مجھے اس کی عادت ڈال دی ہے۔ اور اس کے بند یا خراب ہونے سے اب مجھے تکلیف ہوتی ہے ورنہ میں اپنے لئے کسی ایسی سہولت کو مرغوب نہیں پاتا۔

طبیعت میں بلند پایہ مزاح بھی تھا اور بعض مرتبہ نصیحت کرتے وقت اس جوہر سے کام لیتے تھے۔ اپنے ایک پرانے رفیق (مکرمی درد صاحب) کا ایک بچہ باہر سے ربوہ آیا اور بغیر ملاقات واپس چلا گیا تو اسے لکھا کہ میں نے سنا ہے تم آئے تھے لیکن اغلباً تم نے اپنے بزرگوں سے تعلقات کو کافی سمجھا اور ملاقات کی ضرورت کو محسوس نہیں کیا۔

علمی ذوق اور تصانیف وطرز تحریر

علمی تحقیق کا ذوق رکھتے تھے اور نوجوانی کے زمانہ سے احمدیت کی خدمت میں اپنا قلم اٹھایا اور 24 کے قریب قیمتی کتب اور رسائل کا روحانی خزانہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ اس کے علاوہ وہ الفضل میں باقاعدگی سے ہر موقع پر مضامین لکھتے رہے۔ طرز تحریر بہت دلکش اور سادہ تھی اور مشکل سے مشکل مضامین کو سادگی سے نبھانے والی اور بڑی صاف تحریر تھی جو اپنے خلوص کی وجہ سے دل میں اترتی جاتی تھی۔ اپنی کتب میں سیرۃ خاتم النبیین اور سیرۃ المہدی کے علاوہ تبلیغ ہدایت کو بھی اس خیال سے پسند فرماتے تھے کہ یہ میری جوانی کے زمانہ کی یادگار ہے۔ جب آپ نے یہ مفید کتاب لکھی تو آپ کی عمر اس وقت 29 سال تھی۔

مرکز سے گہری وابستگی

مرکز احمدیت سے گہری وابستگی رکھتے تھے۔ شروع میں قادیان اور پھر ربوہ سے بھی وابستگی قائم رہی۔ مرکز سے باہر جانا آپ کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا اور سوائے خلیفہ وقت کے حکم یا اشد طبی ضرورت کے باہر نہ جاتے تھے۔ قادیان سے عشق قائم تھا اور درویشان کی خدمت بڑے ذوق

اورشوق سے کرتے تھے۔حضرت مسیح موعود کے الہامات اورتحریرات کی روشنی میں اس پختہ یقین پر قائم تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اپنے وقت پر مرکز احمدیت جماعت کوواپس دلائیگی اور کوئی دنیاوی تدبیراس میں حائل نہ ہو سکے گی۔فرمایا کرتے تھے کہ الہامات اور حضرت اقدس کی تحریرات میں وقت کاتعین نہیں بلکہ یہ اشارہ ہے کہ یہ واقعہ اچانک اور ایسے رنگ میں ہوگا کہ بظاہر ناممکن نظر آئے گا اوراس کی درمیانی کڑیاں نظر سے اوجھل رہیں گی۔

مرکز سے وابستگی کا یہ عالم تھا کہ اپنی آخری بیماری کے ایام میں جب گھوڑا گلی طبی مشورہ کے تحت تشریف لے گئے تو ایک منذرخواب کی بنا پرفرمایا کہ پروگرام سے پہلے واپس چلیں اور مجھے کہنے لگے کہ پرندہ اپنے گھونسلے میں خوش رہتا ہے۔میں تو ربوہ جانا پسند کرونگا لیکن چونکہ وہاں بجلی کا انتظام ناقص ہےاورشائدطبی لحاظ سے بھی لاہور سے گزرنا مناسب ہواس لئے لاہور جانا پڑتا ہے۔ ایسی کیفیت کے تحت میرے چھوٹے بھائی مرزا منیراحمد صاحب کوتاکیداً فرمایا کہ دیکھو میرا جنازہ ربوہ بغیر کسی توقف کے لے جانا۔چنانچہ اسی خواہش کے مدنظر ہم رات کو ہی لاہور سے چل پڑے اور رات ساڑھے تین بجے ربوہ پہنچے۔

دوذاتی دعائیں

مضمون میرے اندازہ سے کچھ لمبا ہو گیا ہے۔لیکن ایک دوامور کا ذکر کر کے اسے ختم کرتا ہوں۔ذاتی دعاؤں میں اباجان دو باتوں کے لئے بہت دعا فرمایا کرتے تھے۔اول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے اور دوئم انجام بخیر ہو۔اس آخری امر کے لئے بڑی تڑپ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس پر زور دیا کرتے تھے۔مجھے کئی بار فرمایا کہ ایک انسان ساری عمر نیکی کے کام کرتا ہےلیکن آخر میں کوئی ایسی بات کر بیٹھتا ہے جو خدا کی ناراضگی کا مورد ہو جاتی ہے اور جہنم کے گڑھے کے سامنے آ کھڑا ہوتا ہے۔ایک دوسرا انسان ساری عمر بداعمال میں گزارتا ہےلیکن آخر میں ایسا کام کر جاتا ہے جو خدا کی خوشنودی کا باعث ہو جاتا ہے۔سو اصل چیز انجام بخیر ہے اوراس

کے لئے ہمیشہ دعا کرتے رہنے چاہئے۔خود اپنے لئے اس کی ہمیشہ سے بہت دعا فرمایا کرتے تھے اور کسی سے کہا کہ میں نے ایک مرتبہ بڑے اضطرار سے یہ دعا کی اور خدا سے درخواست کی کہ اس بارہ میں مجھے کوئی تسلی دے دے۔اس دعا پر جو اغلباً قرآن شریف کی تلاوت کے دوران میں کر رہے تھے یکدم دائیں ورق پر موٹے الفاظ میں صرف یہ دو الفاظ لکھے نظر آئے ''بغیر حساب'' غرضیکہ تعلق باللہ۔عشق رسول۔مسیح زمان سے گہری روحانی وابستگی۔خلیفہ وقت کی بے مثال اطاعت اور فرمانبرداری۔خلق خدا سے بے پایاں شفقت۔غرباء سے ہمدردی۔مرکز سے گہرا لگاؤ اور احمدیت کے مستقبل پر کامل یقین۔آپ کی زندگی کے خصوصی پہلو تھے۔اپنی ساری عمر اپنی تمام تر طاقت اس کوشش میں صرف کی کہ خدا کا نام بلند ہو اور اس کی مخلوق کی بھلائی ہو۔عین جوانی میں وقف دین کا عہد باندھا اور آخری سانس تک اسے بڑے ذوق اور شوق سے نبھایا۔احمدیت کی یہ مایہ ناز شخصیتیں زمانہ کے لحاظ سے ہمارے بہت قریب کھڑی ہیں اور ہم ان کی قدر و منزلت اور مقام کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے۔لیکن احمدیت کا آنے والا مورخ ان کے خط و خال کو اجاگر کرے گا اور تاریخ کے اس دور سے نہیں گزر سکے گا جب تک وہ مسیح موعود کے ان پروانوں کو خراج تحسین نہ ادا کرے۔یہ خوش قسمت لوگ مسیح موعود کی فوج کے صف اول کے سپاہی ہیں جن کی زندگی کا مقصد ایک اور صرف ایک تھا کہ دین نبی (محمد ﷺ) کی پہچان ہو۔ان لوگوں نے اپنی تمام طاقتیں اور کوششیں اس مقصد کے حصول کے لئے بے دریغ خرچ کر دیں اور خدمت دین کا حق ادا کیا۔ احمدیت کے پودے کی اپنے خون اور قربانی سے آبیاری کی اور دنیا کی کوئی کشش اس کے راستہ میں حائل نہ ہونے دی۔دین سے باہر کسی چیز میں کبھی دلچسپی لی تو فروعی اور وقتی طور پر اور زندگی اور ہر توجہ کا مرکزی نقطہ ہمیشہ خدمت دین رہا۔اپنی تمام زندگی کا یہی Moto رہا کہ دین دنیا پر بہر حال مقدم رہے اور اپنے پر ہر موت اس لئے وارد کی تا دین زندہ ہو۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ایک بیماری کے حملہ کے دوران ڈاکٹروں نے ابا جان کو مشورہ دیا کہ

اب آپ کی صحت کی حالت ایسی ہے کہ آپ کام کم کیا کریں۔آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اورفرمانے لگے۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ دین کی خدمت کرتے کرتے انسان جان دیدے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کو یہ مشورہ دیا گیا کہ آپ ابا جان کو کام کرنے سے نہ روکیں۔ بلکہ یہ مشورہ دیں کہ آپ تھوڑے عرصہ کے لئے آرام فرمالیں تا پھر تازہ دم ہوکر پہلے کی طرح اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ چنانچہ یہ گرکارگر ہوااور کچھ عرصہ کے لئے آرام کا مشورہ آپ نے اس رنگ میں قبول فرمایا کہ کچھ دن کے لئے کام کو کچھ ہلکا کردیا۔

اے جانیوالے تجھ پر خدا کی ہزاروں رحمتیں ہوں کہ تو عمر بھر اپنے اور غیروں سب کے لئے ایک بے پایاں شفقت اور رحمت کا سایہ بن کر رہا۔ دیکھ میرا ہاتھ کانپ رہا ہے۔اور میری انکھیں اشکبار ہیں اور میرا دل تیری یاد میں بے قابو ہوا جاتا ہے۔اے اللہ رحم کر رحم۔ میرے مولا ہم کون؟ جو تیری قضا کے فیصلہ کے سامنے کسی قسم کی چون و چرا کریں۔تو گواہ ہے کہ باوجود اس کی تمام تلخیوں کے ہم نے تیری تقدیر کو بانشراح صدر قبول کیا ہے۔لیکن میرے مولا تیرے در کا سوالی تجھ سے ایک بھیک مانگتا ہے۔ میرے ابا کا خاکی جسم تو ہم سے جدا ہو گیا لیکن ان کی برکات ہمارے ساتھ رہنے دیجیئو اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سے وہ کام لے لے جس سے تو راضی ہو جائے اور جو ہمارے باپ کی روح کے لئے تسکین کا باعث ہو۔

شکریہ احباب

بالآخر میں تمام احباب کا ممنون ہوں جنہوں نے ابا جان کے لئے اور ہمارے لئے دعائیں کیں اور کر رہے ہیں۔اور آپ کے ان معالجوں کا جنہوں نے آپ کی بیماری میں کمال محبت اور محنت سے علاج کی تکلیف اٹھائی۔ان ڈاکٹروں میں ربوہ میں عزیزم ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور لاہور میں ڈاکٹر محمد یعقوب صاحب بالخصوص قابل ذکر ہیں۔مکرمی ڈاکٹر یعقوب صاحب نے اس آخری بیماری میں اوراس سے پہلے بھی ہر بیماری کے موقع پر بے حد محبت اور اخلاص سے علاج

کیا۔ لاہور میں صبح وشام کا آنا تو معمول تھا ہی۔ اس کے علاوہ بھی ضرورت کے موقع پر بلا توقف تشریف لاتے تھے اور دیر تک بیٹھے رہتے تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر مسعود احمد اور کرنل عطاء اللہ صاحب نے بھی بڑے اخلاص اور محبت سے علاج اور تیمارداری میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور جو آرام اور راحت انہوں نے میرے باپ کو پہنچانے کی کوشش کی ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو اور ان کی اولادوں کو پہنچائے۔ خادموں میں سے سب سے اول بشیر احمد نے خدمت کی نہ صرف بیماری میں بلکہ گزشتہ قریباً بیس برس سے اس نے حددرجہ وفاداری اور جاں نثاری سے خدمت کی ہے اور ابا جان بھی اس کا خیال رکھتے تھے اور اس سے بچوں کی طرح محبت کرتے تھے۔

جنازہ کے موقع پر بھی احباب جماعت کثیر تعداد میں شریک ہوئے اور ایک اندازہ کے مطابق کوئی 7۔6 ہزار لوگ باہر سے ربوہ تشریف لائے۔ بعض ان میں سے دور دور کے مقامات سے باوجودیکہ وقت بہت کم ملا تکلیف اٹھا کر آئے۔ مجھے شیخ فیض محمد صاحب نے سنایا کہ کراچی سے جنازہ میں شمولیت کے لئے آرہے تھے کہ ایک دیہاتی ملتان سے ہوائی جہاز پر سوار ہوا اور ان کے ساتھ لائل پور اترا۔ لائلپور اس نے دریافت کیا کہ آپ کہاں تشریف لے جارہے ہیں۔ جب انہوں نے کہا کہ ربوہ تو اس نے درخواست کی کہ وہ اس کو بھی Taxi میں ساتھ لیتے جائیں۔ ان کے پوچھنے اس نے کہا کہ مجھے اپنے گاؤں میں حضرت میاں صاحب کی وفات کی خبر ملی تو میں اسی وقت ریلوے سٹیشن گیا تو گاڑی نکل چکی تھی۔ بسوں کے اڈہ پر گیا لیکن وہاں سے بھی پہنچنے کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ میرے اس اضطراب پر کسی نے کہا کہ ہوائی جہاز سے جاؤ تو شائد پہنچ سکو۔ سو یہ بچارا ہوائی اڈہ پر پہنچا اور وہاں سے ٹکٹ خرید کر لائل پور آیا۔ شیخ صاحب کہتے تھے کہ اس کی حالت یہ تھی کہ شائد وہ اپنی کسی دنیوی ضرورت کے لئے اتنی رقم کبھی خرچ کرنے کو تیار نہ ہوتا جو اس نے تکلیف اٹھا کر جنازہ میں شمولیت کی خاطر برداشت کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

تعزیت کے پیغامات

تعزیت کے پیغامات اور خطوط بھی سینکڑوں کی تعداد میں دنیا بھر سے آچکے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے جنہوں نے غم میں شریک ہوکر اس کے ہلکا کرنے کی کوشش کی بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اسے اپنا سمجھا۔بعض دوست یہ کہہ رہے تھے ہم تعزیت کس سے کرنے جائیں۔ ہم تو کہتے ہیں لوگ ہم سے تعزیت کریں۔متعدد احباب نے اپنے خطوط میں یہ لکھا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم آج یتیم ہوگئے۔بعض دوستوں نے یہاں تک لکھا کہ ہمیں حضرت میاں صاحب کی وفات کا صدمہ اپنے والد کی وفات کے صدمہ سے زیادہ ہوا ہے اور ایک مخلص دوست نے مجھے بتایا کہ بیماری کے شدت کے ایام میں وہ خدا کے حضور یہ دعا کرتے رہے کہ اے اللہ تو میری زندگی بھی حضرت میاں صاحب کو دیدے کیونکہ میری موت سے ایک خاندان پر مصیبت آتی ہے لیکن حضرت میاں صاحب کی وفات جماعت کے لئے صدمہ کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم سب کو محبت اور اخوت کے اس رشتہ میں منسلک کردیا ہے کہ دوسرے کی تکلیف اپنی اور بعض حالات میں اپنے سے بڑھ کر محسوس ہوتی ہے۔

محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کا تعزیتی خط

ان تعزیت کے خطوط میں ابا جان کی وفات سے ایک روز بعد کا امریکہ سے لکھا ہوا خط مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کی طرف سے بھی ملا۔جناب چوہدری صاحب نے اپنے خط میں ابا جان کی سیرت کا بڑا صحیح نقشہ کھینچا ہے اس لئے اس خط سے ایک اقتباس درج ذیل کرتا ہوں۔”میں ابھی تک اس قابل نہیں ہوا ہوں کہ اپنے خیالات کو پورے طور پر مجتمع کر کے آپ کو ایک مربوط خط لکھ سکوں۔آپ کے واجب الاحترام والد کی وفات نے میری زندگی میں خلاء پیدا کردیا ہے۔جیسا کہ آپ کو بخوبی علم ہے ہماری بہت قریبی اور گہری اور جہاں تک ان کا تعلق ہے ان کی جانب سے بہت ہی مشفقانہ وابستگی 53 سال سے بھی زائد عرصہ تک جاری رہی۔اس تمام عرصہ میں کبھی

اختلاف یا غلط فہمی کا شائبہ بھی پیدا نہیں ہوا۔فیض کا چشمہ ایک ہی سمت بہتا رہا یعنی ان کی جانب سے میری طرف۔ان کی محبت اور نوازشات کی کوئی انتہا نہ تھی۔ان محبتوں اور شفقتوں کا سلسلہ اختتام پذیر ہوا تو صرف ان کی وفات پر۔ان کے لئے اور ان کے عزیزوں کے لئے مخلصانہ دعاؤں کے سوا میں ان کی کوئی خدمت بجا نہ لا سکتا تھا اور کسی لحاظ سے بھی ان کی پیہم نوازشات کا بدلہ نہ اتار سکتا تھا۔میں اس خیال سے کسی قدر تسلی پاتا ہوں کہ مخلصانہ دعاؤں میں مجھ سے کبھی کوتاہی سرزد نہیں ہوئی۔اب وہ رحلت فرما گئے ہیں اور انہوں نے اپنے پیچھے جو خلاء چھوڑا ہے اس سے آپ سب کی زندگیاں اور میری زندگی ہی متاثر نہیں ہوئی بلکہ پاکستان میں بھی اور پاکستان سے باہر بھی ہر جگہ جماعت پر اس کا اثر پڑا ہے۔

حضرت صاحب کی علالت ان کے لئے مسلسل دکھ اور ملال کا موجب رہی۔اس کی وجہ سے ان کے کندھوں پر عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آپڑا اور بسا اوقات انہیں پریشان کن اور بہت کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑتا۔انہوں نے اس بار عظیم اور مشکلات ومصائب کو بڑی سنجیدگی و وقار، کامل وفاداری اور بڑی جواں ہمتی اور مستقل مزاجی سے اٹھایا۔ہر لمحہ انہوں نے اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کو خدا تعالیٰ اور اس کی دین کی راہ میں وقف کئے رکھا اور اس راہ میں کئی موتیں اپنے پر وارد کیں۔ان کی جسمانی وفات ان کے لئے اس کمر جھکا دینے والے بوجھ سے جسے انہوں نے شکایت کا ایک لفظ بھی زبان پر لائے بغیر بطیب خاطر دن رات اٹھائے رکھا خوش آئند رہائی کا درجہ رکھتی ہے۔خواہ دل نے کتنے ہی آنسو بہائے ہوں اور کتنا ہی خون ہو گیا ہو ان کی زبان سے اپنے خالق و مالک کے لئے محبت اطاعت، وفاداری تسلیم و رضا اور تحمید و تمجید کے الفاظ کے سوا کوئی لفظ نہیں نکلا۔وہ ہم سب کے لئے ایک عظیم الشان اور درخشندہ تابندہ اسوہ تھے۔“

میرے لئے یہ امر قدرے اطمینان کا باعث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی اور میرے بھائی بہنوں کو بھی اپنے اپنے رنگ میں ابا جان کی خدمت کی توفیق بخشی۔میری کسی خدمت کی توفیق میں

سب سے بڑا حصہ اور دخل میری بیوی امتہ القیوم بیگم دختر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ہے جنہوں نے ہر موقع پر خود تکلیف اٹھا کر ابا جان اور والدہ کی بڑے شوق اور محبت سے خدمت کی۔ میرا دل ان کے لئے شکر کے جذبات سے لبریز ہے۔ ابا جان کی ایک امانت ہمارے سپرد ہے۔ دوست جہاں ہم سب کے لئے اور دینی دنیاوی امور کے لئے دعا کریں وہاں یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو والدہ محترمہ کی ایسی خدمت کی توفیق بخشے کہ وہ ہماری کسی حرکت سے غمگین نہ ہوں اور ابا جان کی بے مثال تیمارداری کی کمی کسی رنگ میں محسوس نہ کریں۔ (الفضل 20۔اکتوبر 1963ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کا ورثہ بیش قیمت ہے اور محفوظ کئے جانے کے لائق ہے

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

یہ میرے لئے نہایت ہی اعزاز واکرام کی بات ہے کہ مجھے ڈاکٹر عبدالسلام کی تکریم اور یاد میں شائع ہونے والے ''النحل'' کے خصوصی نمبر کا پیش لفظ لکھنے کو کہا گیا ہے۔ یہ بات کہ وہ اپنے خصوصی میدان میں ایک عبقری تھے ہر شک وشبہ سے بالا ہے۔ نوبیل پرائز اور ان بیشمار اعزازات کے علاوہ جو انہیں دنیا کی شہرہ آفاق یونیورسٹیوں کی طرف سے دیئے گئے۔ جو چیز انہیں منفرد بناتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دنیا کے پہلے دینِ اسلام کے پیروکار تھے جنہیں یہ بیش بہا امتیاز حاصل ہوا۔

افسوس کی بات ہے کہ ان کے اعزاز پر جہاں بے شمار لوگوں نے دل کھول کر داد دی وہاں پاکستان نے اسے بڑی تنگ دلی سے قبول کیا ان میں سے بعض نے یہاں تک جسارت کی کہ انہوں نے پاکستان کے ایٹمی توانائی کے راز ''نابلد'' یہودیوں کو مہیا کئے جن کو ایٹمی توانائی کے متعلق گویا کچھ علم نہیں تھا!

یہ ظالمانہ الزام اس شخصیت پر دھرا گیا۔جس نے اس کوشش میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا کہ اس کا وطن سائنس اور ٹیکنالوجی کی جدید دنیا میں قدم رکھنے لگے۔

جس نے دوسرے ملکوں کی طرف سے وہاں کا دورہ کرنے کے دعوت ناموں کا جواب اس لئے مؤخر کر دیا کہ پہلے اس کو اپنے ملک کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہو جائے۔

جس نے بہت سے ملکوں کی طرف سے شہریت کی پیشکش مسترد کر دی اس لئے کہ وہ شخص نہایت سختی سے اس بات پر مصر تھا کہ اس کا یہ اعزاز (نوبیل پرائز) اس کی پاکستان کے ساتھ وفاداری اور حب الوطنی کی ایک عاجزانہ علامت کے طور پر پاکستان کے لئے ہے اور پاکستان کے لئے رہے گا۔

مجھے اس بارہ میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ کا فیصلہ ان اصولوں کے حق میں بلند آہنگ اور ظاہر و باہر ہو گا جن کا ڈاکٹر سلام اپنی ایثار و وفا والی زندگی میں برابر پرچار کرتے رہے۔

ایک واقعہ جو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے ان کی اس سکیم سے متعلق ہے جو انہوں نے راجہ صاحب آف محمود آباد کے ساتھ مل کر بنائی تھی۔ یہ کہ سب مسلمان ممالک امیر و غریب مل کر اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کو سپانسر کریں۔ یہ ممالک مسلمانوں میں اعلیٰ تعلیم اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لئے ایک ٹرسٹ قائم کرنے کی غرض سے اپنے زرمبادلہ کی کم سے کم مقرر شدہ فی صد شرح کے حساب سے رقوم مہیا کریں۔اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف مسلم ممالک کی یونیورسٹیوں میں مختلف مضامین کی بین الاقوامی معیار کی چیئرز (پروفیسرز کی آسامیاں) قائم کی جائیں گی جن کے اخراجات مجوزہ ٹرسٹ برداشت کرے گا نیز یہ ٹرسٹ ہر مسلم ملک سے منتخب شدہ ذہین طلباء کو وظائف دے گا۔سکیم یہ تھی کہ راجہ صاحب آف محمود آباد مڈل ایسٹ کے کچھ مسلم ممالک کا دورہ کر کے اس مہم کا آغاز کریں۔ بدقسمتی سے راجہ صاحب کی دل کے عارضہ کے باعث اچانک وفات اس سکیم کے بارآور ہونے میں روک بن گئی۔ عالمی بینک کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی حیثیت میں جبکہ

پاکستان کے ساتھ ساتھ بہت سے مڈل ایسٹ کے ممالک کی نمائندگی بھی میرے سپرد تھی۔ بعض تیل سے مالا مال ممالک میں شوق اجاگر کرنے کی میری عاجزانہ کوشش کسی قسم کا مثبت جواب پیدا کرنے میں ناکام ثابت ہوئی۔ اس سکیم کی خاطر ڈاکٹر سلام نے جو پمفلٹ تیار کیا تھا وہ ان کی اس شدید خواہش پر گواہ ہے کہ مسلم دنیا علم اور اعلیٰ ٹیکنالوجی حاصل کر کے اپنی پسماندگی سے نکل کر جدید ترقی یافتہ دنیا میں شامل ہو جائے اور خوب پھولے پھلے۔

ایک اور مثال جو بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں ہے قارئین کرام کی دلچسپی کا باعث ہوگی۔ وزیر اعظم برطانیہ نے (غالباً ان کے کیمبرج یونیورسٹی کے چانسلر ہونے کی حیثیت میں) وزیر اعظم پاکستان کے نام ایک خط میں یہ درخواست کی کہ ڈاکٹر سلام کی خدمات برطانیہ کے سپرد کر دی جائیں۔ کیونکہ ان کے اندر موجود صلاحیتیں ایسی ریسرچ کی مناسب سہولیات کے بغیر پنپ نہیں سکتیں جو پاکستان میں دستیاب نہیں ہیں۔ اور جو انہیں یو کے میں مہیا ہونگی۔ وزیر اعظم برطانیہ نے مزید کہا کہ انہیں اس بارہ میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ جب ساری دنیا سے لوگ پاکستان میں ڈاکٹر سلام کے پاس آئیں گے اور ان کے علم سے فیض حاصل کریں گے۔

وزیر اعظم پاکستان نے یہ خط پنجاب گورنمنٹ کو بھجوا دیا کیونکہ اس وقت ڈاکٹر سلام گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور پروفیسر کے کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر سلام خوش تھے اور کیمبرج یونیورسٹی جانے پر رضامند تھے۔ لیکن انہوں نے ایک درخواست کی کہ چونکہ وہ اپنے والدین کے کفیل ہیں اس لئے ان کا یہ مسئلہ اس طرح آسان ہو سکتا ہے کہ تھوڑے عرصہ کے لئے انہیں اپنے والدین کے اخراجات کے لئے ایک صد پچاس روپے ماہانہ الاؤنس دیا جائے۔ محکمہ تعلیم نے اس درخواست کی حمایت کی لیکن نوکر شاہی کے معمول کے طریق کار کے مطابق مالیات کے محکمہ نے اس بنیاد پر اس تجویز کی مخالفت کر دی کہ: ''یہ ایک بری مثال قائم ہو جائے گی'' مجھے محکمہ مالیات کے انڈر سیکرٹری کی رائے کو نظر انداز کر دینے میں کوئی مشکل یا ہچکچاہٹ درپیش نہ تھی۔ میں نے اس پر یہ اضافہ کیا

کہ پاکستان کے لئے ایسی بہت سی نئی مثالیں قائم کرنا خوشی اور خوش بختی کی بات ہوگی۔ لہٰذا اس درخواست کو اس قسم کی پر مسرت مثالوں کے خوف سے ہرگز رد نہ کرنا چاہیئے۔

جب ڈاکٹر سلام کو نوبیل انعام کا اعزاز دیا گیا تو میں نے انہیں اس مضمون کا تار بھیجا کہ وہ حضرت مسیح موعود کی دعاؤں اور پیش خبری کے اولین اثمار میں سے ایک ہیں۔ خوشخبری یہ ہے

''خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے فرقہ کو غالب کرے گا اور میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم و معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔''

یہ حقیقت کہ تقریباً ایک ارب اسلام کے پیروکاروں میں سے وہ واحد شخص جو نوبیل پرائز کا مستحق قرار پایا ایک احمدی تھا۔ اپنے آپ کو خود آشکار کر رہی ہے۔ ان کا عالمی منظر پر ابھرنا ہمارے لئے کسی حیرانی کا باعث نہیں تھا۔

ڈاکٹر سلام کا ورثہ بیش قیمت اور محفوظ کئے جانے کے لائق ہے۔ جو شمع انہوں نے روشن کی اور پاکستان کے لئے بڑے فخر سے لے کر چلے وہ لازماً اس وقت جگمگائے گی جب ہم تعصّبات کو جھٹک دیں گے اسلام کی علم اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں عظمت رفتہ کو واپس لے آئیں گے۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیا ہم جاہلوں کی بات سنیں گے جنہوں نے (خواہ آپ مانیں یا نہ مانیں) یہ اعلان کیا تھا کہ چاند پر اترنے کا امریکی دعویٰ جھوٹا تھا۔'' کیونکہ ہلال اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ آدمی اس پر قدم نہیں رکھ سکتا!!!۔''

ہمیں یہ انتخاب کرنا ہوگا کہ کیا ہم ایسے لوگوں کی اندھا دھند تقلید کریں گے یا تندہی سے علم

حاصل کرنے میں لگ جائیں گے۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی کو پورے انہاک سے ترقی دیں گے جیسا کہ درحقیقت اسلام نے تلقین فرمائی ہے۔ ایسا کرنے سے ہمارا شمار دنیا کے ترقی یافتہ خوشحال ممالک میں ہونے لگے گا۔

(سہ ماہی النحل ڈاکٹر عبدالسلام نمبر صفحہ 8-9) (بحوالہ الفضل 29 اپریل 98ء)

ایم ایم احمد صاحب کا اختتامی خطاب (ترجمہ) مسیحا بین المذاہب سمپوزیم 12 اگست 2000ء

مہمانان گرامی، معزز خواتین اور حضرات!

مقررین نے آپ کے سامنے حضرت مرزا غلام احمد کی شہرہ آفاق عظیم الشان پیشگوئی کے ظہور جو ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی کے متعلق ہے کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس موقعہ پر کچھ کتابچے بھی ہال میں بک سٹال پر رکھے گئے ہیں جن میں اس موضوع پر پوری تفصیلات دی گئیں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک سو سال قبل کے ان اخبارات کے تراشے بھی رکھے گئے ہیں جن میں ''مقابلہ دعا'' اور حضرت مسیح موعود کی ڈاکٹر ڈوئی سے متعلق پیشگوئی اور اس کے ذلت آمیز اور شرمناک انجام کے بارے میں بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ قیمتی تاریخی شواہد قارئین کی خصوصی دلچسپی کا باعث ہوں گے۔ میری رائے میں جن کو آخری زمانے کے مصلح کی آمد کا بے قراری سے انتظار ہے خواہ وہ عیسائی، یہودی یا مسلمان یا دوسرے مسالک سے تعلق رکھنے والے ہوں انہیں اس بیش بہا مواد کا خدائی صداقت کی شناخت کے لئے حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنا چاہئے۔

کچھ مقررین نے صبر و برداشت اور رواداری کی ضرورت کے بارے میں باتیں کی ہیں۔ جن کے فقدان سے دشمنی کی فضا پیدا ہوتی ہے جو مختلف عقائد کے حاملین کے درمیان تلخی پیدا کرتی

ہے جس کا انجام تباہ کن ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں مَیں آپ کی خدمت میں فلسفہ تعلیمات اسلامی کے چند بنیادی عناصر پیش کرتا ہوں جن پر احمدیہ مسلم معاشرہ کاربند ہے اور ان کے فروغ کے لئے کوشاں ہے تاکہ انسانیت اور بین المذاہب امن وہم آہنگی کی فضا پروان چڑھ سکے۔

قرآن شریف صاف صاف دعویٰ کرتا ہے کہ:

خدا تعالیٰ نے ہر قوم میں تعلیم کیلئے اپنے فرستادہ بھیجے (سورۃ ۱۶ آیت ۳۷)

اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کا نذیر نہ آیا ہو (سورۃ ۳۵ آیت ۲۵)

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام مذاہب کا بنیادی منبع ایک ہے۔ اس لئے ہم اس کا دعویٰ نہیں کرتے کہ سچائی پر اسلام کی اجارہ داری ہے اور دیگر مذاہب کو نکال باہر کریں۔ ہم احمدی خدا کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء جیسے حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰؑ، حضرت لوطؑ اور دیگر خدا تعالیٰ کے فرستادوں پر یقین رکھتے ہیں جو اپنے اپنے وقت پر مختلف قوموں کی روحانی ترقی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس وقت تک صحیح مسلمان نہیں کہلا سکتے جب تک ہم تمام انبیاء کی نبوت پر یقین نہیں رکھتے۔

اس لئے اسلامی تعلیم بین المذاہب امن وسلامتی کی فضاء کے لئے ایک زبردست قوت اتحاد رکھتی ہے۔ فی الواقع اسلام ہی اکیلا مذہب ہے جو نبوت کے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

قرآن کریم آگے بیان کرتا ہے کہ وہ ایک نبی کو دوسرے نبی پر کوئی فوقیت نہیں دیتا۔ جہاں تک فرستادہِ خدا کی صداقت کا تعلق ہے۔ یہ متفق علیہ عقیدہ ہمارے دعاوی سے متصادم نہیں ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خاتم النبیین) رسولوں کی مہر ہیں۔ آپؐ کی تصدیق سے تمام دوسرے انبیاء کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔ آپؐ افضل الانبیاء ہیں۔ آپؐ کا پیغام مختص القوم اور مختص الزمان نہیں تھا۔ آپ کا پیغام عالمگیر اور تمام انسانیت کے لئے اور تمام زمانوں کے لئے تھا۔ دنیا ذرائع

مواصلات کی ترقی سے اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے کہ ایک عالمگیر پیغام دینا ممکن ہو گیا ہے۔اس سے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری کے اس طریقے سے اظہار سے کسی دوسرے کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچتی۔آپؐ بیان کرتے ہیں۔''مجھے حضرت موسیٰ پر برتری نہ دو''

بدقسمتی سے اسلام کے بارے میں کچھ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔یہ تو ایک امن وسلامتی کا مذہب ہے اور بڑے واضح انداز میں بیان کرتا ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے(سورۃ ۲ آیت ۲۵۷)اسلام جبراً اپنے پیغام کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتا۔تلوار علاقوں پر فتح حاصل کرسکتی ہے لیکن دلوں پر حکومت نہیں کرسکتی۔قوت و جبر سروں کو تو جھکا سکتا ہے ذہنوں کو نہیں۔اگرچہ یہ موقعہ نہیں ہے کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالوں لیکن اشارۃً میں نے ضروری سمجھا کہ اسلام کے بارے میں اشاعت پذیر خیالات کی تغلیط کی طرف اشارے کرتا چلوں۔ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے جماعت احمدیہ کے افراد نے 1930ء سے مشترکہ مذہبی کانفرنسوں کے انعقاد کی بنیاد ڈال رکھی ہے۔ان کا انعقاد ہر سال دیگر عقائد کے نمائندوں کے ساتھ بین المذاہب امن و سلامتی کی فضاء کو پروان چڑھانے کے لئے ہوتا ہے۔

آج میں آپ تمام کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے ڈاکٹر الیگزنڈر ڈوئی کے ساتھ''مقابلہ دعا'' کے بتفصیل مطالعے کی دعوت دیتا ہوں اور اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے اس دعویٰ کے مطالعہ کی بھی دعوت دیتا ہوں۔جس میں آپ نے دعویٰ فرمایا کہ آپ آخری زمانے کے مصلح ہیں جن کے ظہور کے بارے میں دنیا کے تمام مذاہب میں بشارتیں اور پیش گوئیاں موجود ہیں۔واقعہ یہ ہے کہ اس کے ظہور فرمانے کے وقت سے ایک عرصہ بیت گیا اور کب کا گذر چکا ہے۔اس موضوع سے متعلق لٹریچر کی بھی نمائش کی جارہی ہے اور آپ تمام کو صداقت کی تلاش میں اس لٹریچر کو پڑھنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

میں اپنے خطاب کو مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد کی ایک اور پیشگوئی پر ختم کرتا ہوں۔جو اس

غلط العام خیال وعقیدہ سے متعلق ہے کہ مسیحؑ اپنی آمد ثانی میں اصالتاً آسمان سے فرشتوں کے پروں پر سوار ظہور فرمائیں گے (اتریں گے)

''مسیح کا آسمان سے اترنا محض جھوٹا خیال ہے۔ یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواب زندہ موجود ہیں (یہ 1903ء میں لکھا گیا۔ ناقل) وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰؑ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے کوئی آدمی عیسیٰ ابن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آ گئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰؑ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا .... اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے''

(تذکرہ الشہادتین صفحہ 67)

یہ عظیم الشان پیش گوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے 1903ء میں فرمائی تھی۔ جس کو اب ایک سو سال گذر چکا ہے۔ اور 1903ء سے ان 35405 دنوں میں سے ہر دن میں حضرت مسیح موعود کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور سچی نکلی۔ اس پر ہمارا یقین وایمان ہے کہ کسی ذرہ بھر شک و شبہ کے بغیر بقیہ دو صدیاں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر قوت و وضاحت کے ساتھ شہادت دیں گی کہ مسیح موعود کی پیش گوئی سچی نکلی۔

یہ اس لئے ہے کہ مسیح کا آنا جسم عنصری کے ساتھ نہیں ہے بلکہ مسیح کا آنا اس کی روح اور حلیے

میں ہے۔اور وہ حضرت مرزا غلام احمد کے وجود باجود میں خدا تعالیٰ کی تائیدات کے ساتھ 1989ء میں ظاہر ہو گیا ہے۔آپ کی یک و تنہا آواز جو قادیان کے گمنام دیہات سے بلند ہوئی تھی اب احمدیہ............معاشرے سے ایک سوساٹھ (160) ملکوں میں گونج رہی ہے۔یہ اسی کی بنیاد رکھی ہوئی ہے روز افزوں رفتار سے باوصف شدید مخالفت کے چیلنجوں کے (جو اس کے خطرناک مخالفوں کے طرف سے ہیں) بڑھ رہی ہے۔یاد رہے کہ یہ سال جو ابھی اختتام پذیر ہوا ہے اس میں چار کروڑ دس لاکھ افراد حلقہ بگوش احمدیت ہوئے ہیں۔ابھی جن دوستوں (ساتھیوں) نے اس دعوے کا دلجمعی سے مطالعہ نہیں کیا انہیں چاہئے کہ وہ ان اصولوں کے مطابق اس دعوے کو پرکھیں جن پر انبیاء اور مصلحین خدا کے ہمیشہ سے دعاوی کی شناخت ہوتی آئی ہے۔

میں آخر میں تمام مقررین، سامعین اور اس بین المذاہب کانفرنس کے منتظمین بالخصوص جناب اور محمود خان اور حسام حکیم اور ان کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ تمام نے کانفرنس میں شمولیت سے فائدہ اٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکات نازل کرے۔

(ماہنامہ انصاراللہ ستمبر 2001ء)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا ایک انٹرویو

سوال: پاکستان کے سابق جنرل محمد ایوب خان کا دورِ حکومت کا سنہری دور تصور ہوتا ہے۔ان کے عہد حکومت میں پاکستان میں تعمیر و ترقی کا غیر معمولی کام ہوا۔آپ بھی اس نظام کا حصہ تھے اور سابق صدر کے اعلیٰ صلاح کاروں میں شامل تھے۔میں آپ سے یہ جانا چاہوں گا کہ کیا یہ صدر ایوب کی ذاتی اور شخصی خوبیاں تھیں، ان کی ٹیم کی خوبیاں تھیں یا اس نظام کی

خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے ان کے دور میں اس قدر قابل تعریف کام ہوا۔غرض یہ کہ اس عہد میں ترقی کا اتنا زیادہ کام ہونے کے پس پردہ کیا عوامل کارفرما تھے؟

جواب: ابتداء میں تو مَیں صوبائی حکومت میں شامل تھا۔ مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقعہ اس وقت ملا جب میں 1962ء میں پہلی مرتبہ مرکزی حکومت میں بحیثیت فنانس سیکرٹری شامل ہوا۔ اس وقت حکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل ہو چکی تھی۔ مجھے ان کی جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ ان کا ملک وقوم کے لئے گہرا درد تھا۔ وہ بڑے محب وطن تھے۔ وہ ملک کی ترقی اور تعمیر کے لئے مستقل طور پر کوشاں رہتے اور قوم کو ترقی یافتہ قوموں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کرنے کے لئے ہمیشہ سوچتے رہتے۔ وہ پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لانا چاہتے تھے۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ اپنے سرہانے کے نیچے ایک کاپی اور پنسل رکھتے اور اگر کوئی مفید بات ذہن میں آ جاتی تو اسے اس کاپی میں لکھ لیتے اور کابینہ کی میٹنگ میں زیر بحث لے آتے بے شک وہ ایجنڈے میں شامل ہو یا نہ ہو۔

وہ بہت سادہ زندگی گزارتے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ وطن کے لئے وقف تھا۔ جب تک بیماری نے ان پر حملہ نہیں کیا وہ بہت توانائی کے ساتھ ملک وقوم کے لئے کام کرتے رہے۔ البتہ بیمار ہونے کے بعد انہیں کمزوری نے آلیا۔ اوپر سے مشرقی پاکستان کے حالات نے بڑی خرابی پیدا کی۔ پھر کچھ وزراء کے باہمی اختلافات نے بھی حالات پر اثر ڈالا۔ بھٹو صاحب اور نواب آف کالا باغ کے مابین کچھ اختلافات تھے اس سے بھی وہ پریشان تھے مگر اصل کمزوری ان کی بیماری کی وجہ سے آئی۔ ورنہ بیماری سے پہلے وہ ہر چیز پر مکمل طور پر حاوی تھے اور حالات پر ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ دوسرے مسائل بھی اس طرح پیدا ہوئے کہ بیماری کی وجہ سے ان کا کنٹرول کمزور ہو گیا۔

مجھے کبھی کبھی بیرون ملک ہونے والی پرائم منسٹرز کانفرنس میں ساتھ لے جایا کرتے تھے۔

ایک دن پرائم منسٹرز کانفرنس میں کشمیر کے موضوع پر بحث ہو رہی تھی۔ دو گھنٹے تک بحث ہوتی رہی۔ بھارتی وفد کی قیادت مرار جی ڈیسائی کر رہے تھے۔ وہ کانفرنس کی کارروائی میں سے کشمیر کے ذکر کو گول کر جانا چاہتے تھے لیکن صدر پاکستان نے پورا دباؤ ڈال کر کارروائی میں اسے شامل کرایا۔ ان کا موقف تھا کہ جب اس موضوع پر دو گھنٹے تک بحث ہوتی رہی ہے تو پھر اسے کاروائی میں شامل نہ کرنے کا کیا جواز ہے؟ صدر مملکت نے کہا ہم یہ نہیں چاہتے کہ صرف ہمارا موقف دیا جائے آپ نہ ہمارا موقف دیں نہ بھارت کا بلکہ اسے اس طرح شامل کریں کہ پرائم منسٹرز کانفرنس میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ اس پر دو گھنٹے تک بحث ہوتی رہی اور کانفرنس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دونوں ممالک اس مسئلے کو باہمی افہام و تنظیم کے ساتھ خوش اسلوبی سے طے کر لیں۔

آخر میں کانفرنس کے صدر نے کہا کہ بہت بحث ہوگی اور ایک چھوٹا سا ڈرافٹ بنا کر صدر کو پیش کیا۔ مَیں ان کے پیچھے بیٹھا تھا وہ انہوں نے مجھے دیا کہ میں بھٹو صاحب کو دکھاؤں۔ اس ڈرافٹ کا پہلا فقرہ تھا

Disputes between India and Pakistan came under discussion

بھٹو صاحب نے ''S'' کاٹا اور Disputes کی بجائے dispute کر دیا۔

صدر صاحب کہا کرتے تھے کہ ہمیں پروگریسو انڈسٹری لگانے کی ضرورت ہے جس میں مزدوروں کا استحصال نہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ زراعت کو بھی ترقی یافتہ بنانا چاہتے تھے۔

انسانی ہمدردی کا جذبہ بھی ان میں بہت زیادہ تھا۔ سکندر مرزا ملک سے باہر تھے جب انہیں ہارٹ اٹیک ہوا صدر صاحب کو پتہ چلا تو شعیب صاحب سے کہا کہ انہیں پانچ ہزار ڈالر بیماری کے اخراجات کے لئے بھیج دیں۔ شعیب صاحب نے کہا کہ ان کی بیگم یہاں پاکستان میں موجود ہیں میں انہیں کہتا ہوں کہ وہ روپے جمع کرا دیں تا کہ ان کے عوض سکندر مرزا صاحب کو ڈالر بھیجے جا سکیں۔ یہ بات صدر صاحب کو کچھ ناگوار گزری۔ وہ کہنے لگے نہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان

سے روپے لے کر ڈالر بھجیں بلکہ اپنی طرف سے بھیج دیں کیونکہ بیماری کے دوران انہیں اخراجات کی شدید ضرورت ہوگی۔

اسی طرح جنرل نذیر تھے جو فیض صاحب والے سازش کیس میں ملوث رہے تھے ان کے بارے میں جب انہیں پتہ چلا کہ ان کے مالی حالات خراب ہو چکے ہیں تو انہوں نے پنجاب حکومت میں شیخ فضل الٰہی صاحب جن کے پاس زمینوں کے معاملات سے متعلقہ وزارت تھی سے کہا کہ انہیں آٹھ مربعے زمین الاٹ کر دی جائے۔ ان لوگوں کے ساتھ اختلافات بھی آئے اور لوگ بھی تھے لیکن انہوں نے ہر ایک کے ساتھ بے حد انسانی ہمدردی کا سلوک کیا۔

سوال: اس زمانے میں بہت سے بڑے بڑے لوگوں نے پرائیویٹ سیکٹر میں کارخانے لگائے اور سرمایہ کاری کی۔ یہ فرمایئے کہ وہ کون سی وجوہات تھیں اور وہ کون سی بنیاد تھی جس کے حوالے سے ان لوگوں نے اس وقت کی حکومت کی پالیسیوں پر اعتماد کیا اور نجی شعبے میں بلا جھجک وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری کی؟

جواب: اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں یقین تھا کہ حکومت کی پالیسیاں مستقل بنیادوں پر استوار ہیں اس لئے وہ کتنی بھی سرمایہ کاری کریں ان کا سرمایہ محفوظ رہے گا۔ پالیسیوں میں تبدیلی یا تنزلی کا تصور ہی کوئی موجود نہیں تھا۔ سیاسی استحکام کی وجہ سے سرمایہ کار حوصلے اور اعتماد کے ساتھ سرمایہ کاری کرتے تھے اور انہیں یقین ہوتا تھا کہ حکومت کی طرف سے انہیں ضروری تعاون ضرور حاصل ہوگا۔ اور پھر انہوں نے منصوبوں پر یقینی عملدرآمد کے لئے ''چیرمین پلاننگ کمیشن'' کا عہدہ قائم کیا۔ اس کے قیام کا مثبت نتیجہ یہ ہوا کہ منصوبہ بندی کا تمام تر عمل چونکہ صدر کے نام پر ہوتا اور تمام کام کے پیچھے ایک توانا قوت کارفرما رہتی اس لئے نتائج ہمیشہ غیر معمولی حاصل ہوتے اور حکومتی پالیسیوں پر اعتماد مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہتا۔

سوال: کیا اس وقت کی حکومت کے پاس مستقبل کے بارے میں اس طرح کا کوئی تصور

موجود تھا کہ آئندہ پانچ سال دس سال یا چند سال میں پاکستان کہاں پہنچے گا۔ آنے والے سالوں میں پاکستان کی کیا شکل صورت ہوگی۔ کیا حکومت کے سامنے ایسا کوئی ٹارگٹ تھا کہ پاکستان کو کہاں پہنچانا ہے؟

جواب: یقیناً تھا۔ نہ صرف ان کے سامنے اس بارے میں ایک واضح تصور موجود تھا بلکہ ورلڈ بینک کے سامنے بھی تھا۔ جب انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تو ورلڈ بینک کے صدر نے انہیں فوراً تار بھیجا اور تار میں لکھا کہ مجھے آپ کی بیماری سے بہت فکر لاحق ہوگیا ہے اگر آپ پانچ سال مزید اس نظام کو چلا سکتے تو پاکستان یقینی طور پر ترقی یافتہ ملک بن جاتا اور اپنے قرض اتارنے کے قابل بن جاتا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آتی تھی کہ اگر پاکستان کو اس نظام کو چلانے کے لئے صرف پانچ سال مزید مل جاتے تو پاکستان کی معاشی صورت حال بہت مضبوط ہو جاتی۔

سوال: میاں صاحب آپ صدر ایوب کے دور کی روشنی میں پاکستان کی موجودہ معاشی صورت حال کو کس طرح دیکھتے ہیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ کہ "احتساب" بالکل نہیں رہا۔ لوگ جو کچھ مرضی کرتے رہیں ان کا محاسبہ کوئی نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ ڈسپلن کی کمی ہے۔ کام کرنے کے جو قواعد ہیں ان کے مطابق کام کرنے کی اہلیت نہیں رہی۔ تیسری یہ کہ سروسز میں نظم وضبط نہیں رہا۔ ہمارے وقت میں جو فیصلے ڈپٹی سیکرٹری کر لیتا تھا اب وہ سیکرٹری بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح جو فل سیکشن آفیسر کر لیتا تھا اب نہیں کرتا۔ اسی طرح کام کے کسی ایک جگہ مرتکز ہو جانے سے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہوتے۔ پھر کرپشن کی موجودہ صورت حال نے بھی بہت بگاڑ پیدا کیا ہے۔ المختصر کرپشن، احتساب کا فقدان اور امن وامان کی مایوس کن کیفیت وغیرہ کی وجہ سے موجودہ معاشی صورت حال تسلی بخش نہیں۔

سوال: یہ تو ٹھیک ہے کہ اس وقت انفراسٹرکچر اور امن وامان کا مسئلہ تو ہے لیکن کچھ ایسا تاثر بھی محسوس ہوتا ہے جیسے ہمارے منصوبہ ساز ذہنوں کے پاس کوئی باقاعدہ منصوبہ ہی نہیں کوئی پلاننگ

نہیں کوئی ٹارگٹ نہیں۔اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ آخر ہمارے ہاں بڑے پیمانے پر صنعت کیوں نہیں گئی؟

جواب: بھٹو صاحب نے جب صنعت کے بارے میں اپنی پالیسی مرتب کی تو ایک دفعہ مجھ سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا آدمی دے دیں جو اس پالیسی کو اچھے طریقے سے چلا سکے کامیاب کر سکے۔

سوال: کہاں سے آدمی دیں؟

جواب: ورلڈ بینک سے تو میں نے کہا کہ محبوب الحق صاحب کو لے لیں۔

سوال: آپ ان دنوں ورلڈ بینک میں تھے؟

جواب: جی۔ میں وہاں ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھا تو محبوب الحق یہاں سے چلے گئے۔ استعفیٰ دے کر اس سے پہلے بھٹو صاحب یہاں آئے ہوئے تھے۔ ایران کے سفیر اردشیر نے کھانے پر بلایا ہوا تھا۔ وہ کھانے کے بعد ایمبیسی سے ہمیں اپنے گھر لے گئے۔ وہاں بھی یہی بحث ہوتی رہی۔ پیرزادہ بھی ساتھ تھے۔ پیرزادہ نے ان سے کہا کہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہ تجویز کریں جو ہماری فلاسفی سے ہم آہنگی نہ رکھتا ہو وہ کہنے لگے کہ آپ مجھے اپنے معاشی نظریات کے حوالے سے اپنے معاشی ڈھانچے کے بارے میں آئیڈیا دیں۔ جب محبوب الحق آیا اور یہ تجویز آئی تو اس پر وزیرخزانہ مبشر حسن نے بہت بڑا تنقیدی نوعیت کا Critical نوٹ لکھا کہ

This is entry from back door into economic policy at the level of deputy chairman planning commission, this will not be acceptable.

تو بھٹو صاحب اس پر تھوڑے سے پیچھے ہٹے۔ میں جا کے ملا۔ میں نے کہا کہ جس Understanding پر وہ آیا تھا اس کو بتا دیا تھا۔اس نے کہا کہ میں چیئرمین نہیں ہوں گا بلکہ فنانس منسٹر چیئرمین ہوگا۔میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ مَیں نہیں چاہتا کہ اگر مَیں چیئرمین

ہوں اور کل کو کوئی خرابی ہو تو لوگ مجھے مورد الزام ٹھہرائیں۔ مَیں نے کہا کہ آپ کو تو بہر حال مورد الزام ٹھہرایا جائے گا لیکن اگر آپ چیئرمین نہیں بننا چاہتے تو نہ بنیں لیکن اس کا فنانس منسٹری کے ماتحت کام کرنے کا خیال بھی درست نہیں۔ معیشت میں خاطر خواہ کامیابی کے لئے ان کا آزادانہ طور پر کام کرنا ضروری ہے۔ تو وہ کہنے لگے اچھا۔ وقار سے کہو کہ وہ مجھ سے بات کریں۔ مَیں نے محبوب کے بارے میں پتہ کیا تو وہ لاہور سے جا چکا تھا۔ واپسی پر مجھے محبوب نے بتایا کہ مبشر مجھ سے کہتے تھے کہ آپ نے دو کام کرنے ہیں ایک تو ٹیکسٹائل کی صنعت کو قومیانہ ہے اور دوسرے یہ کہ مڈل کلاس کو ختم کر دینا چاہتا ہوں۔

سوال: مڈل کلاس کو ختم کرنے کے ان کا کیا مقصد تھا؟ جواب: مبشر کا خیال تھا کہ غریب طبقے کو آگے لایا جائے اور مڈل کلاس کو درمیان میں سے یکسر ختم کر دیا جائے۔ یہ صورت حال تھی۔

سوال: نیشنلائزیشن سے قومی معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

جواب: روپے کی قیمت میں کمی کر دی گئی اس سے پہلے ڈالر کے مقابلے میں ساڑھے سات تھی۔ انہوں نے گیارہ کر دی۔ تو جب گیارہ ہوئی تو صدر صاحب نے مجھے بلایا۔ آئی ایم الف ٹی کے ساتھ اس سلسلے میں غلام اسحاق خان اور آفتاب قاضی نے بات کی تھی تو صدر صاحب نے مجھے بلایا اور کہا یہ بہت زیادہ ہے۔ میں اس سلسلے میں بات کروں۔ میں نے آئی ایم ایف ٹی سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ یہ تو پاکستان کی جانب سے بذات خود کمی کی گئی ہے اور اب تو کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں نے غلام اسحاق خان سے بات کی کہ یہ آپ نے کیوں کیا۔ اتنی زیادہ کمی کیوں کر دی یہ تو بہت زیادہ ہے۔ کہنے لگے ہاں میں مانتا ہوں کہ یہ بہت زیادہ ہے لیکن یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ اگر ڈی ویلیوایشن کو کامیاب کرنا ہے تو اس میں ایک ڈسپلن اور مخصوص پالسی کا اپنانا ضروری ہو تا ہے اور یہ گورنمنٹ نے نہیں کرنا تھا تو مَیں نے سمجھا کہ بہتر یہی ہے کہ ایک ہی جمپ میں ایسے لیول پر لے جاؤ کہ پھر وہ دوبارہ مستقبل قریب میں جلد ہی روپے کی قیمت میں کمی نہ کر سکیں۔

سوال: لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ بھٹو صاحب کی نیشنلائزیشن سے ملکی معیشت کو دھچکا لگا؟

جواب: یقیناً۔ کیونکہ اس سے نہ ڈسپلن رہا اور جو فرد کا مقام ہوتا ہے وہ بھی غائب ہو گیا۔ پریشر یہ تھا کہ یہ کام کرلو وہ کام کرلو افرادی قوت کا جو صنعت کے لئے تناسب ہوتا ہے وہ بھی وجود برقرار نہ رہ سکا اور نہ ہی کسی قسم کے محاسبے کی کوئی شکل رہی۔

سوال: اب آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان معاشی طور پر دوبارہ اپنے پاؤں پر کسی طرح کھڑا ہوسکتا ہے۔ نیز یہ کہ محبوب الحق صاحب نے جو زرعی اصطلاحات تجویز کی تھیں ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: پہلی زرعی اصطلاحات غالباً ایوب خان کے دور میں ہوئیں۔ انہوں نے ایک کام یہ کیا تھا کہ انہوں نے ہر سکیٹر کا جائزہ لیا۔ انہوں نے لینڈ ریفارم کے لئے ایک کمیشن بٹھایا تا کہ جو جو نقائص اور خامیاں ہیں ان کا جائزہ لے کر انہیں دور کرنے کے لئے اقدام کیا جاسکے۔ اس میں تھوڑی سی گڑبڑ یہ تھی کہ زرعی اصلاحات کو جس حد تک جانا چاہئے تھا اس حد تک نہیں ہوئیں۔ اور ہاریوں یا کسانوں کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا کیونکہ بڑے زمینداروں نے اپنی زمینوں کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کرلیا اور ان زرعی اصطلاحات سے وہ فائدہ نہ ہوسکا جس کے لئے وہ کی گئی تھیں۔

سوال: کیا آپ کوئی ایسا فارمولا پیش کرنا چاہیں گے کہ پاکستان کس طرح ترقی کی راہ میں گامزن ہوسکتا ہے؟

جواب: میرا خیال ہے کہ فارمولا تو یہی ہوسکتا ہے کہ نمبر ایک ملک کے اندر سیاسی استحکام ہو پھر پالیسیوں میں شامل ہو اور اخراجات پر کنٹرول ہو جس طرح ہر محکمے میں ہر سطح پر قومی دولت کا ضیاع ہو رہا ہے وہ کم ہو اور دفاع اور قرضوں کی صورتحال کو کم از کم کنٹرول میں لایا جائے۔ بے جا اخراجات ختم کئے جائیں اور سب سے اہم بات یہ کہ محاسبے کی کوئی شکل لازماً موجود ہوا گر یہ کچھ کرلیا جائے تو شاید کوئی بہتری کی صورت نکل آئے۔

سوال: ہمارے ہاں سیاسی حکومتیں تو تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔کیا کوئی ایسی صورت ممکن ہیں کہ جو معاشی پالیسیاں مرتب ہوں۔ ان کا تسلسل برقرار رکھنے کے لئے ان پالیسیوں کو آئینی تحفظ حاصل ہو جائے تاکہ بیرونی سرمایہ کاروں کا اعتماد بھی بحال رہے۔

جواب: یہ تو بہت ضروری ہے بیرونی سرمایہ کاروں کو یقینا یقین دہانی ہونا چاہئے کہ وہ پر اعتبار ہو کر سرمایہ کاری کر سکتے ہیں۔ دیکھئے ناورلڈ بینک نے بھی اس قسم کا یقین دہانی کا نظام قائم کر رکھا ہے کہ جو لوگ نجی سطح پر سرمایہ کاری کرتے ہیں انہیں تحفظ کی یقین دہانی کرائی جاتی ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ اس کے بغیر نہ تو حکومت کے اندر اعتماد پیدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ملک کے باہر اعتمار ہو سکتا ہے۔

سوال: آپ کا کیا خیال ہے جس طرح ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے جال میں جکڑے گئے ہیں اس سے کیا ہمارا اقتدار اعلیٰ یرغمال بن کر نہیں رہ گیا؟

جواب: ایک حد تک تو یہ بات درست ہے کیونکہ جب ہم قرضہ لیتے ہیں تو اس سلسلے میں جو ان کے نظریات (Concept) ہیں ان کو انہیں اقدار اور اپنے نقطہ نظر کو آپ پر جبرا نافذ (Enforce) کرتے ہیں چاہے آپ کے حالات درست ہوں یا نہ ہوں۔ دوسرے ان کا اپنے مقاصد کے آپ پر نفاذ کا جو طریقہ کار ہوتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جس سے آپ کی سیاسی آزادی یقین متاثر ہوتی ہے اس لئے اصل یہ ہے کہ قرضے حاصل نہ کئے جائیں۔ قرضوں کے بغیر بھی کئی ممالک نے ترقی کی۔ چین نے بڑی حد تک ترقی کی لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ خود پر ہم لوگ جبر کریں۔ قربانی دیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں۔ جب تک یہ نہیں کریں گے ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ترقی نہیں کر سکتے۔

سوال: آپ کافی عرصہ سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وطن عزیز کو تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں آپ کوئی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کیا آپ ایسا محسوس نہیں کرتے۔

جواب: یقیناً محسوس کرتا ہوں۔ اور اس بارے میں مَیں تو کیا سبھی محسوس کرتے ہیں۔ اس میں

تو کوئی شک ہی نہیں ۔ہم ملک سے باہر آکر کچھ خوش نہیں ہیں ۔ ہمارے دل اور ہماری تمام تر توجہ پاکستان میں مرتکز ہے ۔مگر میں حالات نے ملک سے باہر آنے پر مجبور کر دیا ہے ۔کم از کم ہماری کمیونٹی کی قیادت کے لئے ملک میں رہنا ناممکن بنا دیا گیا۔ جو آرڈیننس جاری ہوا اس کے مطابق ایک احمدی کی ہر حرکت جرم کے زمرے میں شامل ہوگئی ۔ وہ معصوم بھی ہو اس نے کوئی قابل اعتراض حرکت نہ کی ہو مگر اسے دھر لیا جائے گا کہ تم غیر مسلم ہو کر مسلمانوں کی طرح کیوں رہتے ہو۔اس بات کی چھ مہینے کے لئے سزا ہے آپ کہیں ''السلام علیکم'' یا آپ اپنے گھر یا دفتر یا کہیں بھی ''اللہ'' ''محمد'' یا اس نوعیت کی کوئی پلیٹ نہیں لگا سکتے ۔ وہاں اذان پر پابندی ہے میرے خیال میں یہ آرڈیننس نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ آئین کی روح کے بھی خلاف ہے جس میں تمام اقلیتوں کی مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے ۔خود قائداعظم کا جو گیارہ ستمبر 1947ء کا فرمان ہے کہ اس کے بھی خلاف ہے ۔اس کا کوئی جواز نہیں ۔ اور پھر ملک میں ایک ایسی فضا پیدا کی گئی ہے کہ بجائے اس کے کہ لوگوں کو متحد کیا جائے لوگوں کو منتشر کرنے اور ایک دوسرے سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

ہماری قومی زندگی کے پچاس سال گزر گئے ہیں ۔مگر ابھی تک ملک کے اندر نہ تو آئینی استحکام آیا ہے اور نہ ہی لوگوں کے درمیان اتحاد کی کوئی صورت بھی ہے ۔ جہاں تک ہماری جماعت کا تعلق ہے کہ اپنی خوشی سے باہر نہیں آئی ۔ اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ہمیں جب بھی کوئی موقع ملتا ہے ہم پاکستان کے لئے ضرور کام کرتے ہیں اور جو کچھ ممکن ہوتا ہے وہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ مَیں ذاتی طور پر تین چار مثالیں دیتا ہوں ۔ ہماری تعلیم ہماری رگوں میں اور ہمارے خون میں سرایت کر چکی ہے وہ یہ کہ ملک کے ساتھ ہر صورت میں وفاداری کو نبھانا ہے ۔تو ایک دفعہ لندن میں ایک کانفرنس ہوئی تھی اس کے بعد پریس کانفرنس ہوئی جس میں ایک امریکی ڈاکٹر تھے ۔ ڈاکٹر مظفر احمد وہ (احمدی) ہو گئے تھے یہ ان کا (احمدی ہونے کے بعد کا) نام تھا انہوں نے سوال کیا کہ اب جبکہ پاکستان میں اس کمیونٹی کے خلاف اقدام ہو چکا ہے تو کیا آپ یہ

مناسب نہیں سمجھیں گے کہ اپنے ایم این اے اور سینیٹرز حضرات سے کہیں کہ وہ پاکستان کی ایڈ بند کرنے کیلئے تجویز دیں تو اس کا انہوں نے بڑا خوبصورت جواب دیا۔ اس نے کہا کہ ہم پاکستان کے خلاف نہیں ہیں۔ ہم پاکستان کے حق میں ہیں۔ ہم صرف اس پالیسی کے خلاف ہیں جو ہمارے نزدیک اسلام کے خلاف ہے۔ آئین کے خلاف ہے ملک کے بانی کے خلاف ہے۔ اور جو انسانی حقوق کے خلاف ہے۔ ہم اس پالیسی کے خلاف کوشاں رہیں گے۔ لیکن ہم ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ جو پاکستان یا پاکستان میں رہنے والوں کے لئے کسی طرح سے ذرا بھی نقصان کا باعث ہو۔ یا پھر حال ہی میں پریسلر ترمیم کے خلاف جو براؤن ترمیم کے لئے کوشش ہوتی تھی تو اس وقت مجھے ایمبیسی نے کہا کہ مَیں بھی اس سلسلے میں کوشش کروں۔ تو مَیں نے اس وقت بڑی بھرپور کوشش کی تھی یہاں تک کہ یہاں پاکستانی کمیونٹی اور تمام متعلقہ حلقوں میں کافی دھاک بیٹھی اور حیرت سے لوگوں نے کہا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ یہ ملک کے خلاف ہیں لیکن انہوں نے تو ملک کے لئے بڑا کام کیا ہے اور جان کی بازی لگا کے جدوجہد کی ہے۔

سوال: آپ نے ذاتی طور پر اس میں کوئی کردار کیا ہو؟

جواب: جی ہاں! ذاتی طور پر بھی کیا۔ اور ہماری جماعت کی یہاں کوئی چالیس کے قریب کمیٹیاں ہیں۔ ان سب کو لکھا کہ اپنے اپنے ایم این اے حضرات کو اور سینیٹرز کو کہیں کہ وہ اس سلسلہ میں اپنا اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں اور کام کریں۔ خاص طور پر 14 ممبرز کو جن کی کمیٹی تھی۔ ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ اس سلسلے میں بھرپور کوشش کریں۔ میرے اپنے امریکن دوست تھے گورنر ریٹائرڈ۔ ان سے میں نے بات کی ان کی میں نے پریسلر سے بات کرائی۔ اس حوالے سے جو سب سے زیادہ مؤثر آدمی تھا وہ ری پبلکن تھا اور یہ بھی ری پبلکن تھے۔ میں نے ان سے بھی کہلوایا۔ تو اس نے کہا کہ تم فون کر کے آجانا اور میں اس سلسلے میں بھرپور کوشش کا وعدہ کرتا ہوں۔ اسی طرح میرے ایک اور پروفیسر دوست تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ تم کیوں کرتے ہو جب تمہارے خلاف اس

قدر زہر اگلا جاتا ہے تو پھر تم کیوں اس قدر کوشش کر رہے ہو تو میں نے ان سے کہا کہ ہماری مخالفت کا کوئی بھی اور ذرا سا بھی حصہ پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔ ہم ملک کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنا کسی محب وطن کو ہونا چاہئے۔

ہم ملک کے مفاد کے لئے ہمیشہ سے کام کرتے آئے ہیں اور جہاں بھی ضرورت پڑے گی ہم کام کریں گے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ فیلڈ مارشل ایوب خان مجھے کہنے لگے کہ اگر کوئی شخص چیخ چیخ کر سو دفعہ کہے کہ یہ جو احمدی ہیں یہ ملک کے خلاف ہیں تو میں اس پر ایک سیکنڈ کے لئے بھی یقین نہ کروں گا۔ کہنے لگے کہ 1965ء کی جنگ کے دوران میں نے ایک بہت ہی خطرناک مشن پر بھیجنے کے لئے دس آدمیوں کو بلایا اور کہا کہ جس مشن پر آپ کو بھیجا جا رہا ہے وہ اتنا خطرناک ہے کہ اس میں زندہ بچ کر واپس آنے کا امکان صرف دس فیصد ہے جبکہ 90 فیصد امکان یہی ہے کہ وہ واپس نہیں آئیں گے تو پہلا آدمی جس نے اثبات میں فوراً ہاتھ اٹھایا وہ احمدی تھا۔

سوال: کون صاحب تھے وہ۔ جواب: منیب نام تھا اس شخص کا۔ وہ پائلٹ تھا۔ تو کہنے لگے کہ ایسی صورت حال میں میں کیسے یقین کرلوں کہ احمدی ملک کے دشمن ہیں۔ اسی 1965ء کی جنگ میں بہت سے احمدیوں نے اپنی جانیں دیں۔ الزامات کا کیا ہے وہ تو لوگ لگاتے ہی رہتے ہیں۔ کبھی کسی کا ایجنٹ بنا دیتے ہیں کبھی کسی کا۔ لیکن احمدیوں نے ہمیشہ ملک کے لئے قربانیاں دیں۔ آپ ڈاکٹر عبدالسلام کو لے لیجئے۔ انہیں جو اعزاز ملا انہوں نے وہ ملک کے لئے وقف کر دیا اور حکومت سے کہا کہ اسے تعلیم کی ترقی اور دوسرے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ مجھے ایک دن کہتے ہیں کہ مجھے اعزاز ملا ہے اور مجھے بھارت کی طرف سے بار بار پیغام آ رہے ہیں کہ تم یہاں آؤ ہم تمہیں ہر طرح سے نوازیں گے لیکن میں پاکستان میں جب تک نہ جاؤں گا یہ مجھے بڑا ناگوار گزرتا ہے کہ میں کسی اور ملک کی دعوت قبول کرلوں اور ساتھ ہی انہوں نے اپنی وفات تک پاکستانی شہریت قائم رکھی۔ انگریزوں نے بھی انہیں بار بار اس طرح کی شہریت دینے کی دعوتیں

دیں لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنے ہی ملک کا شہری رہنے کو ترجیح دی۔ ہمیشہ اپنے ملک کا مفاد عزیز رکھا۔ یہ ایک قومی جذبہ ہی تھا جس کا انہوں نے ہمیشہ پاس رکھا۔

سوال: میاں صاحب ہمارے ہاں احمدی حضرات تقریباً ہر ادارے میں بہت اچھے معیار کے ساتھ نہایت آرام دہ زندگی گزار رہے ہیں حکومت میں بھی ہیں۔فوج میں بھی ہیں اور کاروبار میں بھی بہت سے لوگ ہیں مگر ایسا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ ان کا دائرہ حیات تنگ ہوتا جارہا ہو اور پاکستان میں ان کے لئے زندگی گزارنا مشکل کر دیا جائے۔

جواب: خیر ایسا کبھی نہیں۔ بہت سی کہانیاں ایسی موجود ہیں جیسے میں نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگوں میں نہ ہو لیکن ان پڑھ لوگوں میں اور جو ملاؤں کے زیر اثر آتے ہیں ان میں شدید تعصب موجود ہے ابھی پچھلے دنوں انہوں نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ یہ صوبہ سرحد میں واقعہ رونما ہوا۔اسی طرح تین چار ہزار کیس مقدمات کے ہیں۔کوئی 21,22 احمدی شہید کئے گئے ہیں۔ایک کیس اس طرح ہوا کہ ایک ڈاکٹر تھا حیدرآباد میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا سخت بیمار ہے آپ اسے گھر جا کر دیکھ لیں۔ڈاکٹر نے موجود اپنے مریضوں سے معذرت کی کہ میں اس کے بیٹے کو دیکھ آؤں کیونکہ اس کی حالت زیادہ خراب ہے۔ واپس آکر آپ کو دیکھتا ہوں۔اس طرح وہ بندہ ڈاکٹر کو اپنے ساتھ گھر لے گیا اور گھر جا کر اسے شوٹ کر دیا۔اس قسم کے بہت سے واقعات ہوئے ہیں۔

میں نے تو انہیں تجویز دی تھی کہ اس آرڈیننس کو اگر ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا ضرور کریں کہ پینل کوڈ میں جو پروویژن ہے اس قسم کے مقدمات کے اندراج کی جن کا تعلق مذہب سے ہو وہ براہ راست تھانے میں درج نہ کرائے جائیں بلکہ وہ ہوم سیکرٹری دیکھے کہ کیا درج کرائے گئے مقدمے میں اتنی قوت ہے کہ اسے عدالت میں سماعت کے لئے پیش کیا جائے۔اس سے کم از کم یہ تسلی تو ہوگی کہ وہی مقدمات زیر سماعت آئیں گے جن میں واقعتاً کچھ حقیقت ہوگی۔ کچھ مقدمات

ایسے ہیں جو دس دس سال سے پڑے ہوتے ہیں اور پیشیاں پڑتی رہتی ہیں۔ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کا صرف وقت اور پیسہ ضائع ہو اس طرح کے مقدمات ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ بھٹو صاحب سے میں ملا۔ انہوں نے مجھے 7 جنوری کو بلایا میں پاکستان گیا ہوا تھا کہنے لگے کہ دیکھو میں نے الیکشن کا اعلان کر دیا ہے ہم سے یقیناً کچھ غلطیاں ہوئی ہیں لیکن اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ملک میں بڑا ہنگامہ ہوتا۔

سوال: یہ کب کی بات ہے؟ جواب: 1977ء میں جنوری کی سات تاریخ تھی۔

سوال: اسلام آباد میں ملے تھے؟

جواب: جی ہاں اسلام آباد میں کہنے لگے کہ جب یہ ہوا تو اس وقت موقع ہی ایسا پیدا ہو گیا تھا کہ مجبوری تھی لیکن میں اب نہیں چاہتا کہ مزید اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا جائے۔

سوال: کیا انہوں نے پچھتاوے کا اظہار کیا؟

جواب: ان کا معذرت خواہانہ انداز تھا کہ یہ جو کچھ ہوا دراصل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ یہ غلطی ہو گئی۔ بلکہ انہوں نے مجھ سے باقاعدہ معذرت چاہی اور آئندہ انتخابات میں ان کی مدد کرنے کی اپیل کی۔ ایک شخص رفیع رضا تھے کراچی کے۔ انہوں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ دیکھئے انہوں نے آپ کے الیکشن کے لئے اتنا کام کیا ہے اگر آپ نے اب بھی ان کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو آپ سے بڑا احسان فراموش اور کوئی نہیں ہوگا۔

سوال: میں سمجھتا ہوں کہ ریکارڈ کے مطابق دو تین حوالوں سے آپ کی جماعت نے انہیں سپورٹ تو کیا۔ جواب: لیکن ہم ووٹ نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلے اپنے آپ کو غیر مسلم کہو پھر تم سے ووٹ لیں گے۔

سوال: آپ کا عالمی ہیڈ کوارٹر پر جو ہے وہ برطانیہ میں ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پاکستان سے آنے کے بعد کام کرنے کے حوالے سے برطانیہ کی فضاء آپ کے لئے موزوں اور موافق ہے یا

نہیں؟

جواب: یہ درست ہے کہ برطانیہ میں عارضی ہیڈکوارٹرز ہونے کی وجہ سے جو رابطے کی سہولتیں ہیں وہ فائدہ مند ثابت ہو رہی ہیں اور جماعت نے جو ایک پروگرام شروع کر رکھا ہے وہ ساری دنیا میں دیکھا جاتا ہے اب 24 گھنٹے پر پروگرام جاری رہتا ہے۔

سوال: اس پروگرام کا نام کیا ہے؟ جواب: ''ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل'' اس وجہ سے اس جانب بیعتوں کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے پچھلے سال 16 لاکھ بیعتیں ہوئیں۔ پہلے سال 2 لاکھ پھر 4 لاکھ پھر 8 لاکھ اور اب 16 لاکھ ہیں۔ اور سینی گال میں تو پارلیمنٹ کے 26 ممبران (احمدی) ہیں اور گھانا میں کوئی 8 ملین لوگ ہیں اور وزیر وغیرہ ہیں۔

سوال: کیا یہ درست ہے کہ برطانیہ اور امریکہ وغیرہ آپ کی جماعت کی مالی طور پر سرپرستی کرتے ہیں۔ جواب: قطعاً نہیں۔ کوئی سرپرستی نہیں۔ تمام اخراجات جماعت کے لوگ خود برداشت کرتے ہیں۔ عارضی طور پر ہمارا ہیڈکوارٹر ضرور برطانیہ میں ہے لیکن دنیا بھر کے لئے ہماری ساری خط وکتابت ربوہ ہی کے نام پر ہوتی ہے۔ کیونکہ بہرحال ہمارا اصل ہیڈکوارٹر تو وہی ہے۔ سنی گال میں ہمارا سنٹر 1989ء میں قائم ہوا تھا۔ وہاں ہم نے 20 مارچ 1989ء کو جماعت کی ایک تقریب منعقد کی۔ اس وقت تک سو سال مکمل ہو چکے تھے جو ہمارے بانئ ہیں انہوں نے 23 مارچ 1989ء کو بیعت لی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ 23 مارچ کی تاریخ ہماری زندگی میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔

بہرحال ہم جہاں بھی ہوں ہمارا دل پاکستان کے لئے دھڑکتا ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں اپنے وطن کی خدمت کرتے رہیں گے۔ غلط فہمیاں بالآخر دور ہو جائیں گی۔

(ہفت روزہ حرمت اسلام آباد 27 دسمبر 1996ء تا 2 جنوری 1997ء)

ایم ایم احمد کے انکشافات

AN Interview With HISTORY

تنویر قیصر شاہد

باعث تاخیر

یہ اپریل 1996ء کی ایک خوشگوار شام تھی۔ مَیں نیویارک کے سب سے قدیم علاقے ''بروکلین' میں اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھا اور یونیورسٹی کے ممتاز ترین استاد اور بین الاقوامی شہرت یافتہ دانشور پروفیسر سیموئل ہنسٹنگٹن کی تازہ ترین تصنیف CLASH OF CIVILISATIONS کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ چونگا اٹھایا تو دوسری طرف واشنگٹن ڈی سی سے متصلہ ریاست ورجینیا سے شیخ مبارک احمد صاحب کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی ان کی معروف ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کی گونج میرے چھوٹے سے کمرے میں چاروں طرف پھیل گئی۔ انہوں نے سلام دعا کے ابتدائی کلمات کے بعد یہ مژدہ سنایا کہ میاں صاحب (ایم ایم احمد) مفصل انٹرویو دینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔

گزشتہ کچھ عرصے میں مجھے جتنی بار بھی امریکہ جانے کے مواقع میسر آئے، صحافی جبلت سے مجبور ہو کر میں نے ہر بار یہ کوشش کی کہ جناب ایم۔ایم۔احمد سے ملاقات کی کوئی سبیل نکل آئے، ان سے گفتگو کے لمحات دستیاب ہو جائیں تا کہ ان سے پاکستان کی گزشتہ نصف صدی پر پھیلی مختصر تاریخ کے مختلف واقعات وسانحات کے حوالے سے باتیں کی جائیں۔ لاریب جناب ایم۔ایم۔ احمد پاکستان کی مستحکم اور اعلیٰ تعلیم یافتہ بیوروکریسی کے انتہائی اہم اور وقیع رکن بلکہ رکنِ رکین رہے ہیں۔ ان کا سینہ بیش بہا سیاسی یادوں اور واقعات کا خزینہ اور دفینہ ہے۔ وہ ان گنت واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ ان کی ذات اور شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ ان پر مختلف نوعیت کے اور مختلف زاویوں سے الزامات بھی لگائے گئے۔ ان کے سامنے پاکستان بنا اور پھر بن کر ٹوٹ بھی گیا مگر اس دل خراش اور جاں سوز واقعہ کے ملزمان سے کوئی باز پرس نہ کی گئی اور نہ ہی قومی دار و گیر کا کوئی ذمہ دار اور قوی ہاتھ حرکت میں آسکا۔ زبانی باتیں تو بہت کی گئیں، الزمات کے طومار بھی دل کھول کر

باندھے گئے مگر اس سانحہ کے ذمہ داروں کو کٹہرے میں لانے کا منظر عمل کا لباس نہ پہن سکا۔ اس دوران مارشل لاء نے بار بار پاکستان کو ڈنک مارا۔ اس کے جسد نحیف کو طالع آزماؤں نے اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لئے متعدد بار جھنجھوڑا اور اس کی ہڈیوں کو نچوڑا گیا۔ سیاسیات و سماجیات کے میدانوں میں غداری اور کفر کے جدید ''فتاوائے عالمگیری'' لکھے گئے۔

اردو ادبیات کے انتہائی معزز اور معتبر نقاد جناب مشفق خواجہ، جو ادبی حلقوں میں خامہ بگوش کے قلمی نام سے بھی جانے پہچانے جاتے ہیں، نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انگریزوں نے غیر منقسم ہندوستان کے باشندوں کو طویل عرصے تک نہایت کامیابی کے ساتھ اپنا غلام بنائے رکھا۔ اس کامیابی کا سہرا انڈین سول سروس (آئی سی ایس) کے سر جاتا ہے جس کے ارکان کی تعداد ایک وقت میں ہزار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ بھی نہیں رہی۔ یہ ہزار ڈیڑھ ہزار افراد ہندوستان کے کروڑوں عوام کی قسمت کے مالک تھے۔ اس سروس میں زیادہ تر انگریز ہوتے تھے لیکن ایک خاص تعداد میں ہندوستانیوں کو بھی لیا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ سول سروس کے لئے منتخب کئے جاتے تھے، وہ لیاقت و صلاحیت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھے۔ یہ سول سروس برطانیہ اور ہندوستان کے بہترین دماغوں پر مشتمل تھی۔ آزادی کے بعد سول سروس کا یہی ڈھانچہ پاکستان کو ورثے میں ملا۔ جو آئی سی ایس افسر پاکستان کے حصے میں آئے، وہ کچھ زیادہ تعداد میں نہیں تھے۔ چونکہ ایڈمنسٹریشن کا برا بھلا تجربہ صرف انہیں کو تھا، اس لئے نئی حکومت اور نئی مملکت پر یہ افسر چھا گئے۔

سابق آئی سی ایس جناب ایم۔ ایم۔ احمد کا شمار مملکت خداداد کے ایسے ہی بڑے دماغوں اور اعلیٰ منتظموں میں ہوتا تھا۔ ممکن ہے بعض لوگ ان کے نظریات سے اختلاف کریں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے پاکستان کی انتظامی اور مالی تشکیل اور استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ وہ مختلف اوقات میں پاکستان کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ مرکزی سیکرٹری خزانہ رہے۔ محکمہ بحالیات کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں رہیں۔ پلاننگ کمیشن ایسے انتہائی مشکل اور حساس

شعبے کی سربراہی پر وہ فائز رہے۔ انہوں نے سکندر مرزا، ایوب خان، یحییٰ خان اور زیڈ اے بھٹو کی حکومتوں میں بھرپور طریقے سے متعینہ فرائض کی ادائیگی کی۔ ان حکمرانوں کے ذاتی اور سرکاری کردار کا انتہائی قریب سے مشاہدہ کیا۔ وہ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کے آخری لمحات کے نہ صرف عینی شاہد ہیں بلکہ وہ بنفس نفیس ان اہم ترین اور حساس مذاکرات میں شامل رہے جب مشرقی پاکستان کے مقدر کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ بھٹو سے شیخ مجیب الرحمن اور تاج الدین ایسے اہم مشرقی پاکستانی سیاستدانوں کی گفتگوؤں کے وہ امین ہیں۔ ورلڈ بینک ایسے بین الاقوامی شہرت یافتہ مالیاتی ادارے میں بھی وہ طویل عرصہ تک فرائض انجام دیتے رہے۔ پاکستان کی طاقتور اور کہنہ مشق بیورو کریسی کا ایک معروف ترین نام غلام اسحاق خان صاحب کا ہے جو ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے آخرکار پاکستان کے صدر بن گئے۔ جناب غلام اسحاق، ایم ایم احمد صاحب کے نہ صرف معاصرین میں شامل رہے ہیں بلکہ ان کے قریبی دوست بھی تھے۔ قدرت اللہ شہاب اور الطاف گوہر ایسے بیوروکریٹ بھی ان کے ساتھی رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق دور کے وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق اور آج کے وفاقی وزیر خزانہ جناب سرتاج عزیز ماضی میں جناب ایم ایم احمد کے نائبین ہوا کرتے تھے۔ ان سب کا احوال اگلے صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکے گا۔ پاکستان کے پہلے مارشل لاء کے نفاذ، اینٹی احمدی تحریک کے آغاز اور آخرکار احمدیوں کو آئینی طور پر اقلیت قرار دینے کی مبادیات اور وجوہات کو بھی اندازِ دگر میں بے نقاب کیا گیا ہے۔

ایم ایم احمد صاحب بہت سے خفیہ معاملات سے آگاہ ہیں۔ حقیقت کو کھوجنے کے لئے میں ذاتی حیثیت میں، ایک غیر جانبدار اخبار نویس کے طور پر، امریکہ میں ان سے رابطہ کے لئے کوشاں تھا مگر کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی کہ اچانک ایک روز ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے مدیر اعلیٰ جناب امجد روف خان کے دفتر میں شیخ مبارک احمد سے ملاقات ہوگئی۔ سفید شلوار، سیاہ اچکن اور دھاری دار عمامہ میں ملبوس جناب مبارک احمد مذکورہ جریدے کے دفتر میں معروف تاریخ دان

آسٹرین پادری کونسٹن وریژل کی تحریر کردہ سیرتِ رسول (جسے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے) خریدنے آئے تھے۔ یوں ان کی معرفت جناب ایم ایم احمد سے ملاقات کی ایک مناسب سبیل نکل آئی جس کے لئے میں جناب شیخ مبارک احمد کا شکر گزار ہوں۔ اس ملاقات کی لفظی رونمائی میں خاصی تاخیر ہوئی ہے مگر ہوگئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا، والا معاملہ بھی ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

جناب ایم ایم احمد (میاں مظفر احمد) سے کی گئی یہ طویل نشست، جس کا مفصل احوال قارئین کرام اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، امریکی ریاست ورجینیا کے خوبصورت علاقہ پوٹامک میں معرضِ عمل میں آئی۔ میاں مظفر احمد صاحب کا یہ انٹرویو اپنی نوعیت کا پہلا (اور غالباً آخری) مصاحبہ ہے جس میں پاکستان کی تاریخی، اقتصادی، سیاسی اور جغرافیائی تبدیلیوں کے بہت سے انکشافات پہلی بار منظر عام پر آرہے ہیں جو ممکن ہے بہت سے لوگوں کے لئے پریشانی اور حیرت کا باعث بنیں۔ مَیں نے کوشش کی ہے کہ جناب ایم ایم احمد کی باتیں اسی طرح قارئین کے سامنے پیش کردی جائیں جس طرح انہوں نے تسلسل کے ساتھ ریکارڈ کروائیں۔ اس میں اپنی طرف سے مَیں نے کوئی کمی کی ہے نہ اضافہ۔ تصنع، بناوٹ اور دانستہ جدت طرازی سے پرہیز کیا گیا ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ایک سچے اور غیر جانبدار اخبار نویس کی بنیادی اور اخلاقی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ جس شخصیت سے مکالمہ کر رہا ہے، اس کے خیالات ونظریات کو من وعن صفحہ قرطاس کے سپرد کر دیا جائے۔ اس ضمن میں فرانس کی جری اخبار نویس اوریانا فلاسی کا صحافی کردار ہمیشہ میرے پیش نگاہ رہا ہے۔ ممکن ہے اپنی اس کوشش میں مَیں نے بہت سے مقامات پر ٹھوکر کھائی ہو۔ اس کے لئے مَیں اپنے قارئین سے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

امید کی جانی چاہیے کہ یہ طویل مصاحبہ تحمل رواداری اور بُردباری کے جذبات کے تحت پڑھا جائے گا۔

تنویر قیصر شاہد

9 مئی 1998ء نیو یارک/لاہور

چرچ ایونیو نیو یارک کے علاقے ''بروکلین'' کا ایک چھوٹا سا مگر صاف ستھرا ریلوے اسٹیشن ہے۔تقریباً دوسوگز کے فاصلے پر ایل بیمار لے روڈ کی وہ چار منزلہ عمارت ہے جس کی دوسری منزل پر میرا چھوٹا سا اپارٹمنٹ ہے۔اپریل کی ایک صبح جب کہ نیو یارک کا آسمان سیاہ بادلوں کے لحاف میں ڈھکا تھا، مَیں نے چرچ ایونیو سے ایف ٹرین پکڑی جو تقریباً نصف گھنٹے میں مجھے مین ہٹن اسٹیشن کے اندر داخل ہوا تو ایم ٹریک کی گاڑی واشنگٹن جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔کوئی بھی آواز پیدا کئے بغیر گاڑی مین دروازہ سے سٹیشن سے باہر نکلی تو بونداباندی کا آغاز ہو چکا تھا۔ریل گاڑی کی رفتار میں اضافے کے ساتھ ساتھ بارش کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ مَیں کھڑکی کے شیشے سے ناک چپکائے باہر دوڑتے دلکش مناظر کو آنکھوں میں محفوظ کر لینے کی کوشش کر رہا تھا مگر بارش کی دبیز چادر سبز و شاداب مناظر اور میری آنکھوں کے درمیان بار بار حائل ہو رہی تھی۔میرے ڈبے میں سب مسافر اپنی اپنی نرم و گداز سیٹوں میں دھنسے ہوئے تھے۔کوئی اخبار کے صفحات سامنے پھیلائے بیٹھا تھا اور کوئی کتاب کے صفحات پر جھکا تھا۔بعض ایسے بھی تھے جو کمپارٹمنٹ کی خواب آور گرمی سے مغلوب ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کی وادی میں ہچکولے کھا رہے تھے۔

انتہائی سرعت سے دوڑتی ہوئی گاڑی چند ہی گھنٹوں میں واشنگٹن ڈی کے کسی مرکزی ریلوے اسٹیشن میں پہنچ گئی۔واشنگٹن کا یہ اسٹیشن قابل دید مقامات میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔اس کی بلند اور پرشکوہ رنگین چھتیں، جن پر مختلف انداز میں تصویر کشی بھی کی گئی ہے، اپنے اندر بڑی جاذبیت رکھتی ہیں۔حیرت کے دائروں میں الجھتا ہوا باہر نکلا تو شیخ مبارک احمد کو انتظار کرتے پایا۔وہ عصا کے سہارے میرا انتظار کر رہے تھے۔ان کی معیت میں آرام دہ کار پوٹامک کی طرف روانہ ہو گئی جہاں ایم ایم احمد سے میری ملاقات طے تھی۔

بارش ابھی تک پورے زوروں سے برس رہی تھی۔آسمان سے چھاجوں پانی موسلا دھار برس رہا تھا۔یوں لگ رہا تھا جیسے واشنگٹن اور ورجینیا کی ریاستوں میں پاکستان کے ساون بھادوں کا موسم اپنے پورے شباب پر ہو۔کار کا وائپر بڑی وحشت سے حرکت کر رہا تھا اور گاڑی بارش کی دبیز چادر کو زناٹے سے چیرتی ہوئی سیاہ سڑک پر بھاگ رہی تھی۔اِردگرد بلند و بالا اور گھنے درخت کھڑے تھے۔مجھے یوں لگا جیسے میں ایوبیہ اور نتھیا گلی کے سمن زاروں میں پہنچ گیا ہوں کہ اچانک دائیں طرف درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ مبارک احمد نے کہا:”میاں صاحب کا گھر آ گیا ہے“۔

روح افزا سبز وگل اور دلفریب شادابی میں گھرے اس علاقے، پوٹا مک، میں واقع ایم ایم احمد کا گھر نسبتاً بلندی پر واقع ہے۔اسے اگر چھوٹے سے ٹیلے سے مشابہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ گاڑی پورچ میں جا کر رک گئی۔بارش سے بچنے کے لئے بغلی دروازے سے گزر کر ہم اس کوریڈور میں پہنچ گئے جس کی ایک دیوار کے ساتھ ایم ایم احمد کا گزرا ہوا ماضی بڑی بڑی تصاویر اور اسناد کی شکل میں مجسم ہو کر رہ گیا تھا۔ان تصویروں میں ایم ایم احمد جدید دنیا کے بادشاہوں، وزرائے اعظم اور صدور کے ساتھ کھڑے نظر آ رہے تھے۔وہ بادشاہ، وزیر اعظم اور صدر جواب قصۂ ماضی بن چکے تھے مگر جنہوں نے تاریخ کے صفحات پر ان گنت اور انمٹ نقوش چھوڑے۔حکمران جو مختلف قوموں، ملتوں اور ملکوں کی تقدیروں کے بننے، بگڑنے اور سنورنے کا باعث بنے۔اس دیوار پر محنت سے بنائے گئے بورڈ پر پاکستانی کرنسی کے وہ پرانے نوٹ بھی چسپاں کئے گئے تھے جن پر ایم ایم احمد کے دستخط ثبت تھے۔

کوریڈور سے مُتصل ڈرائینگ روم تھا جو فراخ تو ضرور تھا مگر اس میں پرانی طرز کا فرنیچر بچھا تھا۔سردیاں جا چکی تھیں مگر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہماری نشست گاہ میں خنکی منجمد ہو کر رہ گئی ہو۔ سارا گھر سکوت کی چادر میں لپیٹا ہوا تھا۔یہ سنّاٹا غیر محسوس طور پر ڈرائینگ روم میں بھی دَر آیا تھا کہ

اچانک برتنوں کے کھنکنے کی آواز نے خاموشی کا قفل توڑ دیا۔ ملازم چائے لے کر آ گیا تھا۔ وہ جس خاموشی کے ساتھ آیا تھا، پیالیوں میں چائے انڈیل کر اسی خاموشی کے ساتھ دوسرے کمرے میں گم ہو گیا۔ چائے کا گرم اور سُکھ آور گھونٹ حلق کے نیچے اترا ہی تھا کہ ایم ایم احمد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ سنجیدہ، متین اور تجربہ کار ایم ایم احمد!! اور میانے قد کے حامل! بڑھاپے کی بیماری نے جن کے کندھوں کو مزید جھکا دیا تھا۔

اپنے مولد، والدین اور ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے جناب ایم ایم احمد نے بتایا: ''میری پیدائش 28 فروری 1913ء کو قادیان (بھارتی صوبہ پنجاب کا ایک معروف قصبہ) میں ہوئی۔ میرے والد گرامی کا نام حضرت مرزا بشیر احمد تھا اور والدہ کا نام سرور سطان۔ میرے والد مسیح موعود علیہ السلام کے منجھلے بیٹے تھے۔ وہ ''احمدیت'' کے اوّلین لوگوں میں شامل تھے۔ دراصل ہم لوگ معاشی اعتبار سے زمیندار فیملی سے تعلق رکھتے تھے مگر اس کے باوجود میرے والد صاحب نے اپنی ساری زندگی جماعتی کاموں کے لئے، اسلام کی خدمت کیلئے وقف کردی تھی۔ وہ زیادہ تر کام وہیں قادیان ہی میں کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سی کتابیں لکھیں جو زیادہ تر اسلام اور اسلامی تاریخ پر مبنی تھیں۔ ان کی ایک معروف تصنیف ''سیرت خاتم النبیین'' ہے۔ اپنے اسلوب، تحقیقی معیار اور عقیدے کے اعتبار سے یہ اتنی بلند پایہ کتاب ہے کہ جب یہ شائع ہو کر اوّل اوّل منصۂ شہود پر آئی تو ڈاکٹر علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی ایسے صاحبان علم و فضل نے اس کی زبردست تحسین کی اور اس پر شاندار ریویو کئے۔

''قادیان میں جماعت کے زیر انتظام ایک ہائی سکول چل رہا تھا جو اردگرد کے علاقوں میں ''تعلیم الاسلام ہائی اسکول'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسی ہائی اسکول سے میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا جب کہ میرا بچپن بھی زیادہ تر قادیان ہی میں گزرا ہے۔ میٹرک کرنے کے بعد کالج کی تعلیم حاصل کرنے کا مرحلہ آیا تو میں نے والد گرامی کی تجویز پر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ

لے لیا جواس زمانے میں برصغیر کے نامور اور اعلیٰ معیار کے تعلیمی اداروں میں سرفہرست گردانا جاتا تھا۔ میں 1929ء میں اس کالج میں داخل ہوا تھا۔ تقریباً چھ سال اس کالج میں زیر تعلیم رہا۔ اسی کالج سے میں نے تاریخ میں ماسٹر ڈگری کی''۔ بیسویں صدی عیسوی کی تیس کی دہائی کے دوران جب کہ ایم ایم احمد گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک ہونہار طالب علم تھے، جی سی کے اساتذہ کا تذکرہ بڑی محبت سے کرتے ہوئے بتانے لگے: ''جب میں نے گورنمنٹ کالج میں داخلہ لیا، اس زمانے میں ہمارے پرنسپل مسٹر گیرٹ ہوا کرتے تھے۔ اردو ادب کے نامور طنز نگار اور انگریزی ادبیات کے معروف استاد جناب احمد شاہ بخاری پطرس طلباء کو انگریزی پڑھاتے تھے، سوندھی صاحب بھی تھے جن کی ایک بیٹی نے ایک ایسے صاحب سے شادی کی جو خود بعد میں گورنمنٹ کالج کے پرنسل ہو گئے تھے۔ ایک اور پروفیسر ڈکنسن بھی ہوا کرتے تھے۔ وہ بھی انگریزی کے استاد تھے۔ عربی قاضی فضل حق صاحب پڑھایا کرتے تھے۔ فارسی کے نامور استاد اور شاعر صوفی صاحب (صوفی غلام مصطفی تبسم) بھی وہیں ہوتے تھے۔ غرضیکہ گورنمنٹ کالج لاہور میں علم و ادب کے علماء کی ایک کہکشاں اتر آئی تھی''

گورنمنٹ کالج لاہور سے ماسٹر ڈگری کے حصول کے بعد ایم ایم احمد نے مزید اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے انگلستان جانے کی ٹھانی۔ ابتدائی اقدامات کر لئے گئے مگر اس کے باوجود دل میں ایک شک سا تھا کہ نہ جانے وہاں داخلہ ملتا ہے کہ نہیں۔ چنانچہ اس دوران انہوں نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا تا کہ وقت کا بہاؤ مثبت سمت میں جاری رہے۔ ایم ایم احمد نے مجھے بتایا:

''1933ء میں میں لندن چلا آیا۔ آئی سی ایس کرنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ لندن کے سکول آف اورینٹل اسٹڈیز میں داخلہ لے لیا تا کہ بی اے آنرز کر لیا جائے۔ ساتھ ہی مڈل ٹیمپل میں لاء کی ڈگری کیلئے بھی داخلہ لے لیا۔ لندن یونیورسٹی سے میں نے بی اے آنرز پاس کر لیا تھا، وہاں سے بھی میں نے پارٹ ون پاس کر لیا مگر قانون کی تعلیم کا پارٹ ٹو کرنے کا مرحلہ نہ آ سکا کیونکہ میں نے آئی

سی ایس کرلیا تھا۔آئی سی ایس کرنے کے بعد ایک سال کی پروبیشن ملتی تھی۔ چنانچہ میں نے یہ عرصہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں گزارا۔انگلستان کی معروف عالمی درسگاہوں میں چھ سال کا عرصہ گزارنے کے بعد میں 1938ء میں واپس ہندوستان پہنچ گیا''۔

آئی سی ایس کرنا ایک کاردشوار مرحلہ ہوا کرتا تھا۔متحدہ ہندوستان کے ایک مردِحُر مولانا محمد علی جوہر بھی آئی سی ایس کرنے ہی انگلستان سدھارے تھے۔ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے زندگی بھر کی جمع پونجی ان پر نچھاور کردی مگراس کے باوجود مولانا جوہرآئی سی ایس کے جوہر مراد سے ہمکنار نہ ہوسکے۔ بہرحال انگلستان سے واپسی کے بعد جناب ایم ایم احمد کی پہلی پوسٹنگ ملتان میں بحیثیت اسسٹنٹ کمشنر ہوئی۔

یہ وہ دور تھاجب تحریک پاکستان زوروں پرتھی اورتشکیل پاکستان کا مرحلہ قریب ہی آپہنچا تھااور تھوڑے سے عرصے کے بعد پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ان دنوں ایم ایم احمد صاحب کہاں تھے؟ انہوں نے بتایا:''پاکستان بننے کے بالکل آخری دنوں میں پاکپتن میں Settlement Officer کی حیثیت سے کام کررہا تھا۔انہیں دنوں مجھے چیف سیکرٹری صاحب (یوپی کے اختر حسین) کا فون آیا کہ گوڑگاؤں میں بڑی گڑبڑ ہے۔ ہندو جاٹوں نے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام کردیاہےاورقتل وغارت گری بڑھتی جارہی ہے،اس لئے ہم تمہیں وہاں بھیج رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ عام حالات میں تو سیٹلمنٹ آفیسر کواس وقت تک تبدیل نہیں کیا جاتا جب تک سیٹلمنٹ مکمل نہ ہوجائے مگر چیف سیکرٹری نے کہا کہ گورنر صاحب کا اصرار ہے کہ تمہیں وہاں بھیجا جائے۔ اس شدید ضرورت کے تحت ہم لاہور سے ہوائی جہاز بھی بھیجنے کو تیار ہیں تاکہ تم پاکپتن سے لاہور آؤ اور جہاز میں بیٹھ کر گوڑگاؤں چلے جاؤ۔ میں نے کہا کہ جہاز کی ضرورت نہیں۔ میں پاکپتن سے لاہور پہنچا۔کار میں مختصر سامان رکھااور براستہ حصار گوڑگاؤں پہنچ گیا۔راستے میں میں دہلی میں اپنی بیوی کو چھوڑ گیا تھا۔

''گوڑ گاؤں پہنچا تو وہاں حالات واقعی بہت خراب تھے۔مسلمان دیہاتوں کا تقریباً محاصرہ کیا جا چکا تھا۔ وہاں کے ہندو جاٹوں (جو دراصل میوٗ ذات کے ضدی اور خوں آشام ہندو تھے) نے مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کر دی تھیں۔مسلمانوں کے قتل کی ان گنت وارداتیں ہو چکی تھیں۔ لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال دگرگوں ہوگئی تھی۔ میں نے وہاں پہنچتے ہی انگریز ڈپٹی کمشنر کے ساتھ ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کی حیثیت میں کام کرنا شروع کر دیا۔اس دوران ایک روز انبالہ سے انگریز کمشنر کا مجھے فون آیا کہ چند روز بعد گورنر صاحب (مسٹر جنکنز) آ رہے ہیں۔تم ان کو ناشتہ دو اور تفصیل کے ساتھ ان سے ڈسکشن کرو کیونکہ وہ گاؤں کی ابتر صورتحال کا تفصیلی جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ میں نے کمشنر صاحب سے کہا کہ حضور، میرے پاس تو رہنے کے لئے ڈھنگ کی جگہ بھی نہیں ہے، گورنر کو کہاں بٹھاؤں گا؟ کمشنر صاحب کہنے لگے اس کی پروانہ کرو۔ گورنر صاحب کو آپ اور وہاں کے دگرگوں حالات کے بارے میں بریف کر دیا گیا ہے۔ بہرحال گورنر صاحب آئے تو میں نے ان کے ساتھ تفصیلی بات چیت کی مگر لاء اینڈ آرڈر کے موضوع پر لگتا تھا کہ وہ براہ راست اردگرد کے لوگوں سے معلومات لینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اکیلے میں ہندوؤں اور مسلمانوں سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کے اختتام پر انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں قوموں نے تم پر اعتماد کا اظہار کیا ہے اور سب نے اقرار کیا ہے کہ تم بغیر کسی تعصب کے سب کے ساتھ یکساں اور عادلانہ سلوک کر رہے ہو۔ازاں بعد گورنر جنکنز نے مجھے کہا کہ میں تمہیں اس علاقے کا مکمل اختیار کا حامل ڈپٹی کمشنر نامزد کرتا ہوں اور تم فلاں تاریخ سے ڈی سی کا چارج سنبھال لینا''۔

ایم ایم احمد بتاتے ہیں کہ گوڑ گاؤں کے علاقے میں مسلمانوں کی سلامتی اور انہیں ہندو جاٹوں کے دست استحصال اور ظلم کے شکنجے سے نجات دلانے کے لئے انہوں نے دن رات ایک کر دیئے۔ ان کی موجودگی سے خون آشام ہندو جاٹوں کو ایک بار یقین ہو گیا کہ جب تک یہ شخص ایم ایم احمد نامی

یہاں موجود ہے، وہ مسلمانوں کے خون کے ساتھ ہولی نہیں کھیل سکیں گے۔ اس دوران گوڑ گاؤں ہی میں ان کی ملاقات ممتاز دولتانہ سے ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''میں نے انگریز ڈپٹی کمشنر سے ابھی چارج نہیں لیا تھا۔ ایک دفعہ ہم آس پاس کے علاقوں کا دورہ کرنے کیلئے باہر نکلنے کو کھڑے تھے۔ اس اثناء میں دولتانہ صاحب (جو پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے) مجھے ملنے آ گئے۔ وہ اس وقت مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل تھے۔ وہ آئے تو میں ان سے خاصی دیر باتیں کرتا رہا اور علاقے کے مسلمانوں کے بارے میں تمام سوالات کا جواب دیتا رہا۔ اس دوران انگریز ڈی سی میرا انتظار کرتا رہا۔ دولتانہ صاحب میرے کلاس فیلو بھی رہے تھے۔ اس لحاظ سے بھی میں ان سے تفصیلی باتیں کرتا رہا۔ جب وہ چلے گئے تو انگریز ڈی سی مجھ سے بڑے ناراض ہوئے کہ تم نے اس شخص کو اتنا وقت کیوں دیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ دیکھئے دولتانہ صاحب مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل ہیں اور اس علاقے میں مسلمانوں پر خاصا ظلم ہوا ہے اور وہ ان کے بارے ہی میں سوالات پوچھ رہے تھے اور ایک سول سرونٹ ہونے کی حیثیت میں میرا یہ فرض بنتا تھا کہ میں ان کو محصور مسلمانوں کی حالت زار کے بارے میں پوری معلومات فراہم کروں تا کہ وہ ان معلومات کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل مرتب کر سکیں۔ انگریز ڈپٹی کمشنر میری اس منطق پر چیں بہ جبیں تو بہت ہوا مگر وہ کچھ نہ بولا لیکن اس کے باطنی غصے سے میں باخبر تھا۔ اس سے یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ وہ کس نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ میں اور بھی چوکنا ہو گیا''

آزادی کے ان خون آشام ایام کی ایک اور حکایت خونچکاں کا ذکر چھیڑتے ہوئے ایم ایم احمد نے کہا: ''میری سرتوڑ کوششوں کے باوجود ہندوؤں کی بھی انتہائی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح زک پہنچائی جائے۔ انہیں قتل کر دیا جائے۔ ان کو لوٹ لیا جائے یا ان کے گھروں کو نذر آتش کر دیا جائے۔ وہ ہمہ وقت شکار کی تلاش میں رہتے تھے۔ ایک رات مجھے اطلاع ملی کہ ایک مسلمان گاؤں شاہ پور کا ہندوؤں نے محاصرہ کر لیا ہے اور وہ جلد ہی حلہ بولنے والے ہیں۔ میں اس

وقت پولیس کی بھاری نفری لے کر وہاں پہنچ گیا اور سات سو کے قریب بلوائیوں کو گرفتار کرلیا۔ میں دلی طور پر ان کو سخت سزا دینا چاہتا تھا تا کہ اردگر بسنے والے مزید بلوائیوں کو بھی خبر ہو جائے کہ مسلمانوں کے خلاف یہ دھاندلی نہیں چلے گی۔مگر چونکہ یہ ایک Judiciary کیس تھا، اس لئے اس سے نبٹنا میرے لئے دشوار ہو رہا تھا۔ ان دنوں صورت یہ تھی کہ جن افراد کو چھ ماہ سے زائد عرصے کی سزا ہوتی تھی انہیں لوکل جیل کی بجائے ڈویژنل جیل میں بھیجنا پڑتا تھا اور ڈویژنل جیل انبالہ میں تھی۔ بہرحال میں نے مقامی ایس ڈی او کے تعاون سے جسے مجسٹریٹ کے اختیارات مل گئے تھے، ان زیر حراست سات سو بلوائیوں کو ایک ایک سال قید کی سزا دی۔ اس سزا کی بازگشت کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کے بعد بڑے پیمانے پر اور اجتماعی سطح پر ہندوؤں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ مقامی مسلمانوں کے دیہاتوں اور محلوں کا محاصرہ کر کے ان کو تہ تیغ کرنا شروع کردیں، ان کا مال واسباب لوٹ لیں یا ان کے گھروں کو آگ لگا دیں۔ اگرچہ مجھے اس کام کیلئے دن اور رات اپنے آرام پر قربان کرنے پڑے مگر میرا ضمیر مطمئن رہا کہ مجھ پر جو فرض عائد کیا گیا تھا، اس پر میں پورا اترا اور ہندو اکثریت کے رحم وکرم پر چھوڑ دیئے گئے مسلمانوں کی میں مقدور بھر خدمت کرنے کے قابل ہوسکا''

تقسیم ہند نے عجیب وغریب حالات پیدا کر دیئے تھے۔ مجموعی حیثیت میں مسلمانوں کو خسارے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مسلمان سول سرونٹس کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی۔ انگریزوں کی طرف سے بھی مسلمان ایک خاص طرح کے رویے کا شکار تھے۔ گوڑ گاؤں میں حالات قدرے نارمل ہوئے تو ایم ایم احمد کا تبادلہ امرتسر کر دیا گیا۔ حالات کی بے ثباتی اپنے عروج پر تھی۔ کل کیا ہوگا؟ کسی کو کچھ معلوم نہ تھا۔ امرتسر آنے کا قصہ ایم ایم احمد یوں سناتے ہیں:۔'' یہ اگست 1947ء کے پہلے ہفتے کی بات ہے جب میں امرتسر پہنچا ہوں۔ ان دنوں امرتسر، گورداسپور اور فیروز پور ان متنازعہ علاقوں میں شامل تھے جن کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ یہ

پاکستان میں شامل ہوں گے یا بھارت میں۔ انتظامی صورت یہ تھی کہ امرتسر میں انگریز ڈپٹی کمشنر تھا اور اس کے ساتھ ایک ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر پاکستان کی اتھارٹی میں لگایا گیا تھا اور ایک ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر بھارت کی اتھارٹی میں نامزد کیا گیا تھا۔ مجھے پاکستان اتھارٹی کی طرف سے سامنے لایا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جس طرف بھی اس علاقے کی Allocation ہوگی، اسی طرف کا ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر فوری طور پر وہاں کا انتظام وانصرام سنبھال لے گا۔ میں جب امرتسر پہنچا تو وہاں کے انگریز ڈی سی نے مجھے کہا کہ بھئی میں تمہیں اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا کیونکہ ایک تو میرے گھر میں مہمان بہت آئے ہوئے ہیں، دوسرے اگر میں تمہیں رکھوں گا تو پھر بھارت کی طرف سے آنے والے ڈی سی کو بھی اپنے ہاں ٹھہرانا پڑے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم اپنا بندوبست خود کرو۔ اس نے مجھے مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ کسی ہوٹل میں نہ ٹھہرنا بلکہ کسی دوست یا واقف کار کے گھر میں انتظام کرو۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک مسلمان مجسٹریٹ کے گھر کا انتخاب کرلیا۔

''خاصے دن گزر گئے مگر انگریز ڈی سی نے مجھے کوئی کام تفویض نہ کیا۔ ایک روز میں ان کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ کوئی ڈیوٹی متعین کریں۔ کہنے لگے تمہیں اگر کوئی ڈیوٹی دوں گا تو بھارتی اتھارٹی میں آنے والے ایڈیشنل ڈی سی کو بھی دینی پڑے گی۔ میں نے کہا کہ اس کے ذمے بھی کوئی نہ کوئی ڈیوٹی لگا دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کہا کہ تم کورٹ میں میری پیشیاں سن لیا کرو اور شہر کی انتظامیہ کے بھی چھوٹے موٹے کام کر دیا کرو۔ میں نے یہ دونوں فرائض سنبھال لئے۔ میں نے امرتسر شہر کا قریب سے جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ مسلمان خوف زدہ بھی ہیں اور نہتے بھی اور دوسری طرف ہندو اور سکھ مسلح بھی ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں ان کا رویہ Hostile بھی ہے اور جارحانہ بھی۔ اس مشاہدے کی روشنی میں میں نے امرتسری مسلمانوں کو اسلحے کے لائسنس جاری کرنے شروع کر دیئے تاکہ وہ کم از کم اپنی حفاظت آپ تو کرسکیں۔ امرتسر میں کام کرتے ہوئے انہیں زیادہ دن نہیں گزرے تھے جب انہیں ایک خوفناک حادثے کا سامنا کرنا پڑا: ''ایک روز

میں کورٹ میں بیٹھا تھا‘‘۔ایم ایم احمد نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:’’میں پیشیاں سن رہا تھا اور کام میں مگن تھا۔اچانک کسی نے ہم پر بم پھینکا۔میرے ساتھ ہی لاہور والے سید وحیدالدین فقیر کے ایک قریبی رشتہ دار بیٹھے تھے جو اے ڈی ایم تھے۔خوش قسمتی سے بم کاغذات کے ایک بڑے سے ڈھیر پر پڑا۔اگرچہ وہ پھٹ گیا مگر اس کا اثر قدرے زائل ہوگیا۔بم کے پھٹنے سے ایک پولیس والا مارا گیا اور وہاں بیٹھا ایک منشی شدید زخمی ہوگیا۔ہم وہاں دبک کر بیٹھ گئے تاکہ اگر کوئی دوسرا بم بھی ہے تو پھٹ ہی جائے مگر کوئی دوسرا دھماکہ نہ ہوا اور بم پھینکنے والے لوگوں کی دھما چوکڑی اور بھگدڑ کا فائدہ اٹھا کر فرار ہوگئے۔اس صورتحال میں اگرچہ میں نے کام جاری رکھا مگر اس سے یہ اندازہ لگانے میں اور زیادہ آسانی ہوگئی کہ عنقریب حالات مزید کتنے بگاڑ کا شکار ہوجائیں گے اور حالات کی سنگینی میں اور اضافہ ہوجائے گا۔ہم کام کے دوران اور گھر سے کورٹ آتے وقت اور سہ پہر کے وقت گھر کی طرف جاتے وقت اور زیادہ محتاط ہوگئے‘‘۔

برصغیر کی تقسیم اور یہاں سے رخصت کے حوالے سے حکمران انگریز طبقہ چیں بہ جبیں تھا۔اگرچہ آزادی کے لئے ہندو بھی پیش پیش تھے مگر وہ سب کے سب تقسیم ہند کے خلاف تھے جب کہ اسلامیان ہند پاکستان کی شکل میں ایک علیحدہ وطن کے طلبگار تھے اور یہ مطالبہ ہندو اور انگریز دونوں کے لئے ناگوار تھا۔انگریز اور ہندو کی اس ناگواری نے تقسیم کے دوران متعدد بار اور کئی جگہوں پر مسلمانوں کے خلاف اقدامات کئے اور تقسیم کے لئے جو فارمولا طے پایا تھا،جگہ بہ جگہ اس کی خلاف ورزی کی۔کچھ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ایم ایم احمد یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ ان سب معاملات کے عینی شاہد ہیں۔وہ کہتے ہیں:’’امرتسر کے انگریز ڈپٹی کمشنر ایک روز میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے گورداسپور بھارت میں شامل کیا جائے گا۔میں حیرت زدہ رہ گیا۔اسی حیرانی کے عالم میں میں نے ڈی سی صاحب سے جو کہ لاہور سے تبدیل ہوکر آئے تھے،کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیونکہ گورداسپور تو مسلم اکثریت کا علاقہ ہے اور دوسرا یہ کہ پاکستان

سے زیادہ متصل ہے۔اس صورت میں اگر اسے بھارت میں شامل کیا جاتا ہے تو یہ پارٹیشن فارمولا کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس پر ڈی سی صاحب گڑ بڑا گئے اور اچانک کہنے لگے کہ نہیں نہیں، یہ افواہیں ہیں اور میں چونکہ لاہور سے آیا ہوں، وہاں اس قسم کی افواہیں گردش کرتی رہتی ہیں۔انہیں سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے تم مت گھبراؤ۔

''یہ گرمیوں کا موسم تھا۔ہم لوگ چھتوں پر سوتے تھے۔ مجھے دوسرے روز انگریز ڈی سی نے پھر اپنے پاس بلایا اور کہا کہ حالات زیادہ خراب ہورہے ہیں۔بہتر ہے تم قادیان چلے جاؤ،اور اگر امرتسر پاکستان کو ملا تو میں تمہیں فون کر کے بلالوں گا تا کہ تم امرتسر کا چارج سنبھال لو۔ میں اسی رات ڈی سی کی زیر ہدایت قادیان چلا گیا۔اس وقت جماعت کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود احمد تھے۔ میں نے ان کے سامنے سارے حالات رکھے۔ یہ سن کر حضرت صاحب نے فرمایا: مجھے ابھی ابھی الہام ہوا ہے کہ تم لوگ جہاں بھی جاؤ گے،جس حالت میں بھی ہو گے، آخر کار ایک جگہ اکٹھے ہو جاؤ گے۔ میں قادیان میں چار دن رہا پہلے دو دن تک گورداسپور پاکستان کا حصہ معلوم ہوتا تھا مگر 17 اگست 1947ء کو اعلان ہو گیا کہ یہ بھارت میں شامل کر لیا گیا ہے۔ گویا انگریز ڈی سی نے مجھے جو باتیں چند روز پہلے بتائی تھیں، اس کا واقعی علم اسے تھا۔ بہر حال اس اعلان کے ساتھ ہی قادیان بھی مشرقی پنجاب یعنی ہندوستان کا حصہ بن گیا۔ ہماری جماعت نے دو سیسنا طیارے اور ایک ہیلی کاپٹر حاصل کئے اور ہم نے ان طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کے ذریعے قادیان کے اردگرد بسنے والے تمام مسلمانوں کو جو انتہائی کسمپرسی اور بھوک کے عالم میں دن گزار رہے تھے، زندگی کی ممکنہ ضروریات فراہم کیں۔انہیں خوراک،لباس اور سواری مہیا کی۔اگر آپ ان دنوں کے پرانے اخبارات نکال کر دیکھیں تو تقریباً سبھی اخبارات ہماری ان خدمات کی تحسین کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نے جو ایک ہیلی کاپٹر حاصل کیا تھا، وہ چند روز تک گورداسپور کی پولیس کے سربراہ نے بھی عاریتاً اپنے زیر استعمال رکھا۔اس کی بدولت گورداسپور کے آس پاس کے وہ علاقے جہاں سکھوں اور

ہندوؤں نے مسلمانوں اور ان کے گھروں کو گھیرے میں لے رکھا تھا، انگریز سربراہ پولیس ہیلی کاپٹر کی مدد سے فوراً وہاں پہنچا اور مسلمانوں کو محاصرین سے نجات دلائی۔ہم نے اس ہیلی کاپٹر کے استعمال کی ان لوگوں سے کوئی فیس بھی وصول نہ کی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ یہ دراصل مسلمانوں ہی کی خدمت میں استعمال ہورہا ہے''۔

اس ہنگامہ کارزار کے دوران میں ایم ایم احمد نے اپنی اہلیہ کو قادیان میں چھوڑا اور ایک سیسنا طیارے میں سوار ہو کر لاہور آ گئے جہاں پنجاب سیکرٹریٹ میں انہیں ڈپٹی سیکرٹری کالونیز متعین کر دیا گیا۔ گورنر جنکنز کی جگہ گورنر موڈی آ گئے تھے۔ اختر حسین چیف سیکرٹری نے ایم ایم احمد کو بتایا کہ گورنر جنکنز نے جاتے جاتے تمہاری گونر موڈی سے بڑی تعریف کی ہے اور سفارش کی ہے کہ وہ تمہیں اپنا سیکرٹری رکھ لیں: ''مگر مجھے سیکرٹری، جو ذاتی قسم کی نوکری ہوتی ہے، کا عہدہ پسند نہ تھا'' ایم ایم احمد بولے ''مگر میں نے اختر حسین صاحب سے کہا کہ چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں، اگر وہ آرڈر کریں گے تو میں گورنر کے سیکرٹری کی بھی نوکری کرلوں گا۔ میرا یہ پیغام اختر حسین نے گورنر موڈی تک پہنچا دیا۔ گورنر نے کہا کہ ٹھیک ہے اگر وہ پسند نہیں کرتا تو ہم اسے سیکرٹری نہیں لگاتے''۔ ایک مختصر سے وقفے کے بعد ایم ایم احمد نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا: ''ان دنوں سیالکوٹ میں راجہ صاحب نامی ڈپٹی کمشنر تھے۔ مقامی مسلم لیگ نے ان کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور کہا کہ راجہ صاحب تقسیم کے بعد سیالکوٹ میں الجھے ہوئے معاملات کو دانستہ صحیح طرح نمٹا نہیں رہے ہیں۔ مظاہروں میں ان کے خلاف اور بھی الزام عائد کئے گئے۔ چونکہ سیالکوٹ جموں و کشمیر سے متصل علاقہ تھا اور کشمیر میں لڑائی ہورہی تھی، اس لئے بھی یہ علاقہ زیادہ حساسیت کا حامل تھا اور مسلم لیگ کا کہنا تھا کہ راجہ صاحب جہاد کشمیر سے متعلقہ معاملات میں معاون ثابت نہیں ہورہے۔ چیف سیکرٹری اختر حسین نے مجھے طلب کیا۔ کیبنٹ میٹنگ ہوئی جس میں میں بھی حاضر تھا۔ وہاں دولتانہ صاحب، نواب ممدوٹ صاحب اور سکندر حیات صاحب موجود تھے۔ ان کی

متفقہ رائے اور حکم کے تحت مجھے سیالکوٹ میں راجہ صاحب کی جگہ ڈپٹی کمشنر لگا دیا گیا۔

''سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے کرتا دھرتا خواجہ صفدر اور ایک شاہ نامی آدمی تھے۔ خواجہ صفدر دراصل اسی شاہ صاحب کے نائب تھے۔ بعد میں خواجہ صاحب ایم این اے بھی بنے اور قومی اسمبلی کے سپیکر بھی بننے کی کوشش کرتے رہے۔ بہت برسوں بعد وہ جنرل ضیاء الحق کی ناک کا بال تک بن گئے تھے۔ بہرحال، خواجہ صفدر اور شاہ صاحب ایسے افراد کو مہاجرین اور دوسرے لوگوں کے لئے میری طرف سے جس قسم کی مدد کی ضرورت تھی، وہ میں نے فراہم کی۔ مسلم لیگ سے وابستہ افراد سے ہر سطح پر تعاون کرنے سے بعض لوگ میرے خلاف بدظن بھی ہو گئے۔ مثلاً ہمارے ایریا کمانڈر فوجی تھے اور انگریز تھے۔ انہوں نے مجھے ایک روز شاکی لہجے میں کہا کہ تم بارڈر تک مہاجرین کی مدد کے لئے جن افراد کے دستوں کو بھیجتے ہو وہ زیادہ تر مسلم لیگی کیوں ہوتے ہیں؟ اس طرح تو تم اپنی غیر جانبداری مجروح نہیں کر رہے؟ میں نے کہا دیکھئے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم لیگی افراد پر ایک تو لوگ زیادہ اعتماد کرتے ہیں، دوسری ان لوگوں کی بارڈر تک آسانی سے رسائی ہے۔ اس طرح مسلمانوں کے ساتھ ساتھ سکھ اور ہندو کمیونٹی کے لوگوں کو بھی آگے تک بھیجوں گا تو ہوسکتا ہے گڑبڑ ہو جائے۔ مگر میری وضاحت کے باوجود میرے خلاف ان کا دل صاف نہ ہوا''۔

قائداعظم کی طبیعت نڈھال تھی۔ مہاجرین کی غیر متوقع بھاری تعداد نے ان کو زیادہ پریشان کر دیا تھا اور ادھر کشمیر میں جنگ چھڑ گئی تھی۔ کشمیر کو قائداعظم پاکستان کی شہ رگ قرار دے چکے تھے۔ جہاد کشمیر کا میدان کارزار گرم ہو گیا تھا۔ ان نازک لمحات کی کہانی ایم ایم احمد یوں سناتے ہیں:

''سیالکوٹ سے جموں و کشمیر قریب پڑتا ہے۔ کیبنٹ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہر ممکنہ سطح پر مجاہدین کشمیر کی مدد کرو اور جہاد کشمیر میں زیادہ سے زیادہ تعاون کرنے کا وسیلہ بنو۔ اس سلسلے میں مجھے جنرل شیر محمد اور بعدازاں جنرل موسیٰ بھی ملے۔ میں نے ان سے بھی گزارش کی کہ یہاں کا ایریا کمانڈر انگریز ہے اور اسے شک ہے کہ کشمیر کے بارے میں امداد فراہم کر رہا ہوں۔ ممکن ہے یہ کبھی کوئی

رکاوٹ کھڑی کر دے، اس لئے اس کا علاج کیا جانا چاہئے۔ اس دوران ایک روز عجیب واقعہ پیش آیا۔ سیالکوٹ سے باہر ایک Limb Centre بنایا گیا تھا۔ اس سنٹر میں ان افراد کا علاج کیا جاتا تھا جن کے اعضاء سکھوں اور ہندوؤں نے ہجرت کے دوران کاٹ دیئے تھے۔ یہاں میڈیکل کا بہت زیادہ سامان پڑا ہوا تھا۔ ایک دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مجھے پیغام ملا کہ ایک شخص مجھ سے ملنا چاہتا ہے مگر وہ اندر نہیں آسکتا۔ میں خود باہر نکلا تو دیکھا وہ معذور ہے۔

اس نے مجھے بتایا کہ لیڈی ماؤنٹ بیٹن، جو ریڈ کراس کی چیئر پرسن تھیں Limb Centre میں آئی ہوئی ہیں اور سنٹر کا سامان چودہ ویگنوں (ریلوے کی) میں بھروا چکی ہیں اور وہ اس سامان کو انڈیا بھجوانے کا آرڈر کر چکی ہیں۔ میں نے اسی وقت ریلوے کے ہیڈ، (سیالکوٹ میں) اسٹیشن ماسٹر کو فون کیا کہ میں تمہیں ڈی سی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے حکم دیتا ہوں کہ وہ چودہ ویگنیں جنہیں لیڈی ماؤنٹ بیٹن لوڈ کروا کر انڈیا بھجوانے کا آرڈر دے چکی ہیں، بالکل ریلوے اسٹیشن سے نہیں ہلیں گی۔ اس نے میرے حکم پر عمل کیا۔ بعد میں مجھے ایک جرنیل کا فون آیا کہ تم لیڈی ماؤنٹ بیٹن اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ میں نے جواب دیا کہ اس وقت میں صرف پاکستانی گورنمنٹ کا ملازم ہوں، لیڈی ماؤنٹ بیٹن یا لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے احکامات کا پابند نہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ سامان بچ گیا۔ اگر مجھے بروقت اطلاع نہ ملتی تو ہم بڑے نقصان سے دو چار ہو جاتے اور یہ خسارہ کسی جگہ سے بھی پورا نہ ہوسکتا۔ انہی دنوں لیڈی ماؤنٹ بیٹن سیالکوٹ آئیں تو انہوں نے ویگنوں کا تذکرہ تک نہ کیا۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ سراسر ایک غیر قانونی حرکت کا ارتکاب کر رہی تھیں''۔

سیالکوٹ میں تعیناتی کے دوران ایم ایم احمد کو بہت سے عجیب وغریب واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے مشاہدے میں مختلف انسانی رویوں کا اضافہ ہوا۔ وہ دَور ہی عجیب تھا۔ ہندو کے چلے جانے کے بعد ان کی چھوڑی گئی وسیع جائیدادوں اور خوبصورت مکانوں کو قبضے میں لینے کے ان

گنت واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ وہ بتاتے ہیں: ”سیالکوٹ کے بارڈر پر ایک چوکی سچیت گڑھ نام کی تھی۔ ایک روز وہاں پر متعین پولیس والوں کی طرف سے مجھے فون آیا کہ ہمارے پاس ایک صاحب آئے ہیں اور اپنا نام چوہدری غلام عباس (معروف کشمیری راہنما اور سیاستدان) بتاتے ہیں، ان کا کیا کریں؟ مَیں نے اپنے ایک مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ کار میں جا کر غلام عباس صاحب کو میرے گھر لے آئیں۔ غلام عباس آئے تو مَیں نے ان کی خدمت کی جتنی مجھ سے ممکن ہو سکی۔ بعد میں مَیں نے ان سے کہا کہ آپ کو کسی مکان وغیرہ کی ضرورت ہو تو مجھے بتایئے۔ مَیں ان کو ساتھ لے کر سیالکوٹ کی مال روڈ (مین روڈ) پر لے گیا اور غلام عباس وہاں کھڑے انتہائی خوبصورت مکانوں کو بغور دیکھتے رہے جو ہندوؤں کے تھے اور اب خالی پڑے تھے۔ ایک پُرشکوہ اور شاندار مکان ان کی نظر میں آ گیا اور وہ کہنے لگے کہ یہی مجھے الاٹ کر دیں۔ چنانچہ مَیں نے ان کو وہ مکان جو کہ سیالکوٹ کے ایک دولت مند ہندو مسٹر اوبرائے کا تھا، الاٹ کر دیا۔

ایک روز چوہدری غلام عباس پھر میرے پاس آئے اور مجھے کہنے لگے کہ باہر میں چار پانچ آدمیوں کو بٹھا کر آیا ہوں۔ یہ لوگ شیخ عبداللہ کے ایجنٹ ہیں اور ہم نے ان کو بارڈر کراس کرتے ہوئے گرفتار کیا ہے، آپ انہیں جیل میں بند کر دیں۔ مَیں نے ان سے کہا کہ مَیں ان افراد کو بغیر کسی وجہ کے کیسے گرفتار کر کے جیل میں ڈال سکتا ہوں؟ اگر یہ کورٹ میں چلے گئے اور وہاں ثابت ہو گیا کہ یہ بے قصور تھے تو؟ غلام عباس کہنے لگے آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں؟ میں نے کہا کہ بات اعتبار کی نہیں، ایشو کی ہے۔ اصول کی ہے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں رولز آف انڈیا جو کہ ابھی پاکستان میں بھی لاگو ہیں، کے تحت ان پر نظر رکھوں گا۔ ان کی انکوائری کرواؤں گا اور اگر وہ قصوروار ثابت ہو گئے تو جیل میں ڈال دوں گا۔ غلام عباس غصے میں کہنے لگے کہ آپ کی انکوائری ہوتی رہے گی، ان کو پہلے جیل میں ڈالیں، ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ فرار ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ انکوائری ضرور ہو گی اور اگر اس دوران یہ بھاگ گئے تو اس کی ذمہ داری مجھ پر ہو گی اور اس اعتبار سے آپ میرے خلاف عدالت

کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے ہیں۔ یہ سُن کر چوہدری غلام عباس غصے میں آ گئے اور مجھے گالیاں دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔ مَیں خاموشی سے ان کا یہ رویہ دیکھتا رہا۔ اس دوران مَیں نے اپنے ایک مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگائی کہ یہ فلاں فلاں لوگ ہیں جنہیں جیل میں ڈالنے کے لئے غلام عباس اصرار کر رہے تھے اور ان کے یہ یہ نام ہیں۔ ان کی انکوائری کریں اور دھیان رکھیں کہ یہ بھاگنے نہ پائیں۔

''دوسرے روز غلام عباس پھر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کل میں نے آپ کی جو بے ادبی کی اور جس طرح کا سخت رویہ اپنایا، میں اس کے لئے معذرت کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا کہ اس میں معذرت کی کوئی بات نہیں۔ آپ نے جو مناسب سمجھا، وہ زبان استعمال کر لی۔ اب معذرت کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے کہ نہیں نہیں، مجھے معافی دے دیں۔ آپ نے تو میرا دھیان رکھا۔ مجھے بہت سی سہولتیں دیں۔ مکان الاٹ کر کے دیا۔ چونکہ مجھے ہائی بلڈ پریشر ہے، اس لئے غصہ جلد آ جاتا ہے۔ مجھے آپ معاف کر دیں۔ میں خاموش رہا۔ پھر اچانک غلام عباس کہنے لگے: میں تو آپ کا اور آپ کے حضرت صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے کشمیر کمیٹی میں ہماری اتنی مدد کی کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اسی اثناء میں غلام عباس نے ایک واقعہ سناتے ہوئے کہا کہ ہمیں انگریز گورنر کی طرف سے کشمیر کے حوالے سے ایک میمورنڈم آیا۔ ہمیں اس کا کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ ہم نے وہی میمورنڈم آپ کے حضرت صاحب کے پاس قادیان بھیج دیا۔ حضرت صاحب نے اس کا جواب راتوں رات تیار کر کے اپنے ایک معتمد آدمی کے ہاتھ میں پہنچا دیا۔ جب ہم نے یہ ڈرافٹ جسے آپ کے حضرت صاحب نے تیار کیا تھا، گورنر صاحب کے سامنے پیش کیا تو اس نے پڑھتے ہی کہہ دیا کہ یہ ڈرافٹ آپ لوگوں نے تو ہرگز نہیں لکھا۔ ہم نے کہا کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اسے ہم نے یا کسی اور نے لکھا ہے، اب یہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ آپ اس کے حوالے سے بات نمٹائیں۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد غلام عباس دوبارہ حضرت صاحب کی تعریفیں کرنے لگے۔''

1947ء میں تقسیم ہند عمل میں تو آ چکی تھی لیکن ہجرت کا عمل ابھی جاری تھا۔طرفین میں انسانی خون پانی کی طرح بہایا جارہا تھا اور لاوارث انسانی لاشیں ساون بھادوں کے منہ زور پانیوں کی سیٹ پر مردہ جانوروں کی طرح تیرتی پھر رہی تھیں ۔ یہ منظر دونوں قوموں کے غصے اور انتقام کے لئے عمل انگیز کا کام دے رہا تھا۔ایم ایم احمد کہتے ہیں : مَیں سیالکوٹ کا ڈپٹی کمشنر تھا۔اس ضلع میں نارووال اور شکر گڑھ ایسی دوردراز تحصیلیں بھی شامل تھیں اور انہی علاقوں میں ہجرت کا عمل بھی زور شور سے جاری تھا۔ایک روز مَیں نارووال تک دورہ کرنے گیا اور بارڈر تک چلا گیا۔مَیں نے دیکھا کہ سڑک اور کچے راستوں کے دونوں طرف لاشوں کے انبار لگے تھے۔ان میں مسلمان بھی تھے، ہندو بھی تھے اور سکھ بھی ۔مَیں نے اور اپنے سیکرٹری کو ایک آرڈر لکھوایا کہ ان لاشوں کو فوراً اٹھواؤ مگر سب سے پہلے سکھوں کی لاشیں اٹھا کر دفن کرو۔ پھر ہندووں کی اور پھر آخر میں مسلمانوں کی ۔ میرے سیکرٹری نے آرڈر لکھتے لکھتے کہا سر،سب سے پہلے مسلمانوں کی لاشیں دفن کی جانی چاہئیں ۔ میں نے کہا کہ تم اپنی جگہ ٹھیک کہتے ہو لیکن میں نے آرڈر جس حکمت کے تحت لکھوایا ہے، وہ بھی سنو۔میں نے کہا کہ سکھوں کی لاشیں اپنی وضع قطع کے اعتبار سے فوری پہچانی جاتی ہیں۔اگر یہ مردہ سکھ یہاں پڑے رہے اور جو سکھوں کے قافلے یہاں سے گزر رہے ہیں، وہ انہیں دیکھ کر جب بھارت میں پہنچیں گے تو جاتے ہی انتقام کے جذبے سے مغلوب ہو کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیں گے ۔اس لئے ان کو اٹھانا سب سے پہلے بہتر ہوگا۔ چنانچہ بعد میں اسی حکمت کے تحت تیزی سے حکمنامے پر عمل کیا گیا۔

''ایک روز گورنر پنجاب (موڈی) نے مجھے اپنے ہاں لاہور بلایا اور سیالکوٹ میں میری تعیناتی اور خدمات کی تعریف کی ۔ پھر کہنے لگے کہ میں نے تمہارا سابقہ ریکارڈ دیکھا ہے جو مجھے اچھا لگا ہے اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تم سرگودھا،حویلیاں اور پاکپتن میں سیٹلمنٹ کے شعبے میں بحسن وخوبی کام کر چکے ہو۔اب میرا خیال ہے کہ تم تھل (میانوالی) چلے جاؤ اور وہاں کی ویران زمینوں کو مشرقی

پنجاب کے مہاجروں کی مدد سے آباد کرواؤ۔ اس طرح یہ لوگ وہاں آباد بھی ہو جائیں گے اور اندرون پنجاب مہاجروں کا بوجھ ہلکا بھی ہو جائے گا۔ گورنر صاحب کہنے لگے تم ڈی سی میانوالی کا چارج سنبھال لو۔ اگرچہ وہاں زندگی بڑی سخت ہے مگر تم ہر دوسرا ہفتہ ساتھ سکیسر کے ٹھنڈے پہاڑ پر گزار آیا کرو۔ یوں میں ڈی سی میانوالی بن کر وہاں چلا گیا اور اس طرح تھل سیٹلمنٹ کا شعبہ بھی معرض وجود میں آیا جس کے چیئرمین ظفر الحسن نامزد کئے گئے تھے۔ میانوالی اور تھل میں زندگی بڑی سخت تھی۔ گرمی کا کوئی انت نہیں تھا۔ بجلی تو تھی مگر وہ صرف پانچ گھنٹوں کے لئے آتی تھی۔ بہرحال میں نے اگلے دوسال میانوالی میں گزارے۔''

جناب ایم ایم احمد سے جب سوال کیا گیا کہ انہوں نے تو تحریک پاکستان کو بڑے قریب سے دیکھا ہے، کیا اس دوران ان کی بھی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا: ''نہیں۔ میری ان سے بھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں شہروں سے دور دور رہا اور جن علاقوں میں مَیں متعین تھا، وہاں وہ بھی تشریف نہ لائے۔ ہاں میانوالی اور سیالکوٹ میں ملازمت کے دوران جب خواجہ ناظم الدین اور سردار عبدالرب نشتر گورنر جنرل کی حیثیت میں تشریف لائے تو میری ان سے ملاقاتیں ہوئیں''۔ پھر انہوں نے کچھ دیر سوچتے ہوئے کہا: ہاں جناب لیاقت علی خان سے بھی ایک طویل ملاقات ہوئی''۔

وہ کس سلسلے میں تھی؟ میں نے پوچھا۔

بارڈر ایریا ڈسٹرکٹ کے حوالے سے''۔ ایم ایم احمد نے نقاہت پر قابو پاتے ہوئے بھاری لہجے میں جواب دیا ''وہ تمام اضلاع جن کی سرحدیں کشمیر سے ملتی تھیں، ان اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں کو لیاقت علی خان صاحب نے ایک میٹنگ میں بلایا۔ سیالکوٹ، گجرات اور راولپنڈی ایسے اضلاع کے ڈی سی اس میٹنگ میں شریک ہوئے۔ یہ میٹنگ راولپنڈی میں ہوئی تھی۔ سٹیٹ گیسٹ ہاوس میں۔ وہاں ممدوٹ صاحب بھی تھے اور قیوم خان بھی شریکِ مجلس تھے۔

اسی میٹنگ میں غلام اسحاق خان صاحب سے میری پہلی ملاقات ہوئی۔ میں ڈی سی سیالکوٹ کی حیثیت میں شریک تھا۔ دراصل اس میٹنگ کے انعقاد کی وجہ یہ تھی کہ پطرس صاحب (معروف ادبی شخصیت اور ماہر تعلیم احمد شاہ بخاری پطرس۔ گورنمنٹ کالج لاہور کی پرنسپل شپ سے فراغت کے بعد وہ اقوامِ متحدہ چلے گئے تھے) کی طرف سے، یو این او سے ایک خط حکومت پاکستان کو ملا جس میں کشمیر سے منسلکہ پاکستانی سرحدوں کی صورتحال اور جغرافیائی نوعیت کے بارے میں استفسار کیا گیا تھا۔ لیاقت علی خان نے ہمیں اسی لئے بلایا تھا۔ میں نے سیالکوٹ کے حوالے سے ایک طویل رپورٹ پیش کی جسے میں نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا۔ ان تمام رپورٹوں کو بخاری صاحب نے ایڈٹ کرنا تھا اور پھر تدوین کے مراحل سے گزار کر اسے یو این او کی متعلقہ کمیٹی کو پیش کیا جانا تھا۔ خاصے دنوں بعد گورنر پنجاب نے مجھے بتایا کہ تمہاری رپورٹ کو بخاری نے من وعن یو این او کی متعلقہ کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ یہ بات یقیناً میرے لئے اطمینان اور خوشی کا باعث تھی۔"

اس زمانے میں سر ظفر اللہ خان بھی پاکستانی سیاست و اقتدار میں پیش پیش تھے۔ وہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ تھے۔ میَں نے سوال کیا آپ کی ان سے ملاقاتیں ہوئیں؟ کشمیر کے حوالے سے انہوں نے یو این او میں پاکستان کا مقدمہ جس طرح لڑا، اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

"سر ظفر اللہ خان سیاست دان کیسے تھے، اس پر میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ ایم ایم احمد بولے مگر ایک مدبر کی حیثیت میں، ایک انتہائی ذہین اور عقل مند وزیر خارجہ کی حیثیت میں، ایک ماہر قانون کے ناطے سے، خدا نے ان کو ایسی ذہانت سے نوازا تھا کہ بہت کم لوگ ان کے پائے کے ملیں گے۔ یو این او میں کشمیر کا مقدمہ انہوں نے جس شاندار لیاقت سے لڑا، اس کی داد ان کے دشمنوں نے بھی دی۔ مجھے سوکارنو (انڈونیشیا کے سابق سربراہ) نے بتایا کہ جس سال انہوں نے یو

این او میں کشمیر کا مقدمہ آرگو کیا ہے، اس کا امپیکٹ پورے عالم اسلام پر انتہائی مثبت ثابت ہوا۔ سوکارنو نے بتایا کہ اس سال جتنے بھی بچے انڈونیشیا میں پیدا ہوئے، تقریباً اکثریت کے نام ظفر اللہ رکھے گئے۔ مگر آج اگر ایک طبقہ کسی مخصوص تعصب سے مغلوب ہو کر ان کی شاندار خدمات کو دبانے کی کوشش کر رہا ہے تو ہمیں اس سے کوئی گلہ نہیں کہ تاریخ اس طرح کے ہتھکنڈوں سے کبھی نہیں دبتی۔ پھر ایم ایم احمد ایک توقف کے بعد کہنے لگے: مَیں جب ورلڈ بنک میں یہاں (امریکہ) آیا تو ہمارے ایک سینئر آفیسر تھے۔ ان کا نام کوچ مین تھا۔ وہ ایک روز مجھے اپنے گھر لے گئے اور بڑے فخر سے ایک پرانی تصویر دکھانے لگے جس میں وہ سر ظفر اللہ خان کے ساتھ کھڑے نظر آرہے تھے۔ میرے استفسار پر انہوں نے کہا کہ جس سال سر ظفر اللہ خان یو این او میں کشمیر کا مقدمہ پاکستان کے وزیر خارجہ کی حیثیت میں لڑ رہے تھے، مَیں ان کے علم اور بین الاقوامی مسائل پر گہری گرفت رکھنے سے اتنا متاثر ہوا کہ ان سے درخواست کر کے یہ تصویر کھنچوائی۔ اگر ظفر اللہ خان کے مقدمے کو ان کے چلے جانے کے بعد بھی انہی کی طرح سنجیدگی سے پیش کیا جاتا تو مسئلہ کشمیر کب کا حل ہو چکا ہوتا۔ مگر بعد میں آنے والے حکمرانوں نے اقتدار کے ہوس میں مبتلا ہو کر ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ایم ایم احمد تھکان کے باعث ہانپ رہے ہیں۔ وہ باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئے۔ باہر بارش کا طوفان امڈ آیا تھا۔ اور امریکی ریاست ورجینیا کا یہ خاموش اور خوبصورت علاقہ (پوٹامک) اور بھی پراسرار ہو گیا تھا۔ میرے علاوہ کمرے میں چار آدمی اور بھی بیٹھے تھے جن میں شیخ مبارک احمد نمایاں تھے۔ وہ ایم ایم احمد سے ملحقہ صوفے پر بیٹھے تھے اور ان کی سیاہ اچکن کے اوپر والے دو بٹن آرام کی خاطر کھول دیئے گئے تھے۔ کمرے میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ اچانک اس سناٹے کے تالاب میں ایم ایم احمد کی بھاری بھرکم آواز کا پتھر گرا۔ وہ کہنے لگے: تحریک آزادی میں سر ظفر اللہ خان ہراول دستے کا کردار ادا کر رہے تھے۔ وہ قائداعظم کے معتمد

ترین ساتھی تھے۔لندن میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں میں بار بار شریک ہوئے۔ان دنوں مَیں لندن میں طالب علم کی زندگی گزار رہا تھا۔وہ جب بھی لندن آئے، میں ان سے ضرور ملا۔ان ملاقاتوں میں زیادہ باتیں جماعت اور دینی ہوا کرتی تھیں۔چوہدری سر ظفر اللہ خان نے لندن میں قیام کے زمانہ، جبکہ وہ بھی وہاں طالب علم ہوا کرتے تھے، کے دو دلچسپ قصے سنائے۔ کہنے لگے جب ہمارے خلیفہ اوّل زیادہ بیمار ہو گئے تو جماعت (جماعت احمدیہ) میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ ان کی وفات کے بعد ان کی جگہ کون سنبھالے گا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے کہ ہمارے جماعت کے ایک بزرگ خواجہ کمال الدین ہوتے تھے جو لندن میں جماعت کے سلسلہ کا کام سنبھالے ہوئے تھے۔ چوہدری صاحب زمانہ طالب علمی میں ان سے اکثر ملتے جلتے رہتے تھے۔تو جب خلیفہ اوّل زیادہ بیمار ہو گئے تو ان کے جانشین کا مسئلہ چھڑ گیا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے کہ ایک روز مجھے کمال الدین کہنے لگے کہ اب حضرت خلیفہ اوّل کے جانشین کا ایشو کھڑا ہو گا۔کون جگہ سنبھالے گا؟ پھر وہ جماعت کے اہم لوگوں کے نام گنوانے لگے۔ بتانے لگے کہ ایک تو جماعت کے مولوی محمد احسن ہیں مگر ان کی عمر ستر سال ہے، ان کو منتخب کر بھی لیا گیا تو دو چار سال کے بعد دوبارہ مسئلہ اٹھ کھڑا ہو گا۔ایک مولوی محمد علی صاحب ہیں جماعت احمدیہ کے معروف سکالر جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا مگر ان کی طبیعت میں بڑا اکھڑ پن ہے۔وہ ضدی طبیعت اور کھردرے مزاج کے مالک ہیں۔ پھر اپنے بارے میں کمال الدین) کہنے لگے کہ ایک میں ہوں مگر میری طبیعت کا بڑا عنصر یہ ہے کہ میں سچی بات منہ پر کہہ دیتا ہوں اور میاں ہے (مرزا غلام احمد کے صاحبزادے جو بعد میں ان کے جانشین ہوئے۔ ان کو بچپن ہی میں لوگ میاں صاحب کہا کرتے تھے)اور وہ بچہ ہے (دراصل کمال الدین صاحب ان کی بھی مخالفت کر رہے تھے) چودھری صاحب کہنے لگے کہ میں نے ذہن میں یہ تجزیہ کیا کہ کمال الدین صاحب نے دو آدمیوں کو تو عمر اور ضدی پن کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے اور اپنے بولنے کی خوبی کو بطور محبت پیش کر کے بظاہر

مسترد کر رہے ہیں۔ اور میاں صاحب کو کمسنی کے اعتبار سے مسترد کر رہے ہیں گو یا وہ دراصل خود کو جانشین کے طور پر سامنے پیش کر رہے تھے۔ ایسے میں مَیں نے ان سے کہا کہ خواجہ صاحب، میاں صاحب کی عمر کا جہاں تک نقص ہے تو یہ نقص جلد دور ہو جائے گا اور اس ضمن میں میاں صاحب اگر نہ چاہیں بھی تو یہ نقص پھر بھی خود بخود دور ہو جائے گا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے کہ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ جانشینی کے سلسلے میں اگر الیکشن کا کوئی مرحلہ آیا تو میں تو میاں صاحب کے حق میں فیصلہ دوں گا۔

چوہدری صاحب نے مجھے دوسرا قصہ بھی خواجہ کمال الدین کا سنایا۔

کہنے لگے ایک روز مَیں ان کے ساتھ لندن کے ایک سینما میں فلم دیکھ رہا تھا۔ فلم کے ایک منظر میں جب گلوٹین (پرانے طرز کی پھانسی جس میں ملزم کا سر بلندی سے گرائے گئے ایک تیز دھار کلہاڑے سے کاٹا جاتا تھا۔ سزائے موت کا یہ طریقہ انگلستان اور فرانس میں بہت عرصہ تک رائج رہا ہے۔ فرانس کی آخری ملکہ، ملکہ این، کا سر بھی باغی انقلابیوں نے اسی گلوٹین سے قلم کیا تھا) کا سین آیا تو کمال الدین نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھسیٹتے ہوئے سینما ہال سے باہر لے آئے۔ میں نے دیکھا کہ کمال الدین کا رنگ زرد پڑ گیا ہے اور ان کا سارا بدن پسینے سے شرابور ہے۔ میں پریشان ہو گیا اور میں نے پوچھا کہ کمال صاحب کیا ہوا ہے؟ کہنے لگے کہ کبھی بہت سال پہلے کا مجھے خواب کا ایک ایسا ہی منظر یاد آ گیا ہے۔ اسی لئے میں فلم کے اس منظر سے خوفزدہ ہو گیا ہوں۔

''چوہدری سر ظفر اللہ خان کے ساتھ مَیں لندن میں بہت پھرا کرتا تھا۔ ان کی یہ عجیب عادت تھی کہ جب ہم لندن کی مختلف سڑکوں کو ناپنے کے بعد واپس گھر آتے تو مجھے پوچھتے کہ تم نے راستے میں کیا کیا دیکھا۔ میں اپنے مشاہدے کے مطابق بتاتا۔ مگر پھر وہ ٹوکتے اور مجھے بتاتے کہ تم نے کون کون سے چیزیں اور مناظر مس کئے ہیں اور میں ان کے بے پناہ مشاہدے سے دنگ رہ جاتا۔ یہ واقعہ ہے کہ چوہدری صاحب غیر معمولی مشاہدے کے مالک تھے اور زیرکی ان پر ختم تھی۔

''میرے ایک دوست ڈاکٹر ایاز حیدر ہیں۔وہ بھی چوہدری صاحب کے بڑے قریبی تھے۔ انہوں نے مجھے چوہدری صاحب سے متعلقہ ایک واقعہ سنایا۔ڈاکٹر ایاز بتاتے ہیں کہ ایک روز لندن میں چوہدری صاحب کی ایک ہمسائی انگریز خاتون نے ان کو اپنے ہاں دعوت پر بلایا۔اس انگریز خاتون کے ہاں ایک ہندوستانی مسلمان لڑکا بھی بطور کرایہ دار رہائش پذیر تھا۔دعوت کے دوران انگریز لینڈ لیڈی نے چوہدری صاحب سے کہا کہ یہ لڑکا کہتا ہے کہ وہ نواب ہے۔چوہدری صاحب اس لڑکے کو بخوبی جانتے تھے اور یہ بھی کہ وہ نواب نہیں ہے۔چوہدری صاحب نے سوچا کہ اگر وہ کہیں کہ یہ لڑکا نواب نہیں ہے تو اس بے چارے کی کرکری ہوگی۔چنانچہ چوہدری صاحب نے انگریز خاتون سے کہا کہ ہاں یہ لڑکا نواب ہی ہے مگر ہے نواب آف جھوٹ پور''۔

ذکران کا چھڑا تو چھڑتا ہی چلا گیا۔چوہدری سرظفر اللہ خان کی باتیں طویل ہوگئی تھیں مگر یہ تاریخ کا حصہ تھیں۔اس دوران چوہدری ظفر اللہ کی معروف کتاب ''تحدیث نعمت'' کا ذکر بھی آیا۔میں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے ایم ایم احمد صاحب سے سوال کر ہی دیا۔پوچھا: میاں صاحب، چوہدری صاحب تو قائداعظم کے بہت قریبی ساتھی تھے۔وہ ان کے اعتماد کی وجہ سے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ بنے۔قائداعظم کے ساتھ راؤنڈ ٹیبل کانفرنسوں میں پاکستان کا مقدمہ پیش کیا۔مگر قائداعظم کی وفات پر چوہدری صاحب نے ان کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔اس ضمن میں ان کی ایک تصویر بھی شائع کی جاتی ہے جس میں ایک طرف قائداعظم کا جنازہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف چودھری صاحب زمین پر علیحدہ جوتے اتارے بیٹھے ہیں۔ایسا کیوں ہوا؟''

ایم ایم احمد نے کہا: یہ ہے کہ انہوں نے قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا۔انہوں نے جو کیا، درست کیا۔اس ضمن میں ان کا واضح موقف شائع ہو چکا ہے۔بات یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کے بارے میں مسلمانوں نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ کافر ہے، دجال ہے، کذاب ہے اور اگر کوئی مسلمان کسی بھی طور پر ان کو مسلمان سمجھے تو اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔ایسے میں مسیح موعود نے حضور نبی کریم ﷺ کی

ایک حدیث کا حوالہ دیا کہ اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ اسی کو چوہدری صاحب نے لے لیا۔ اگر آپ ان کی کتاب ''ملفوظات'' پڑھیں تو اس میں میاں سر فضل حسین کا ایک انٹرویو شامل ہے۔ انہوں نے بھی اسی نماز جنازہ کے حوالے سے سوال پوچھا تو حضرت صاحب نے جواب دیا کہ اگر کوئی ہمیں کافر کہے تو ہم بھی اسے کافر سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کی نماز جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے''۔

ایم ایم احمد نے بتایا کہ میانوالی میں سرکاری خدمات انجام دینے کے بعد وہ ایڈیشنل کمشنر بن کر لاہور آ گئے۔ اس وقت کمشنر لاہور فدا حسین تھے۔ وہ لاہور میں ایڈیشنل کمشنر کی حیثیت میں تین سال کام کرتے رہے۔ بعد ازاں وہ فنانس سیکرٹری بنا دیئے گئے اور جلد ہی وہ فنانس سیکرٹری پاکستان (مرکزی) نامزد کر دیئے گئے۔ اتنے اہم عہدے پر اتنی جلد فائز ہو جاتا دراصل ان کی مالیاتی شعبے میں لیاقت اور محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ یہ 1951ء کا سال تھا جب وہ مرکزی فنانس سیکرٹری بنائے گئے اور اس وقت پاکستان کا دوسرا بازو، مشرقی پاکستان، بھی سلامت تھا۔ 1962ء میں جناب احمد پاکستان کی مرکزی حکومت میں سیکرٹری کامرس کے عہدے پر فائز کر دیئے گئے۔ چھ ماہ کے بعد وہ دوبارہ سیکرٹری خزانہ (مرکزی) بنا دیئے گئے۔ اس وقت مرکزی وزیر خزانہ شعیب صاحب تھے۔ جنرل محمد ایوب خان کے انتہائی طاقتور اور معتمد وزیر جو ان کے بہت قریب بھی تھے اور انہیں امریکہ کے قریب لانے والے بھی۔ ایک سوال کے جواب میں ایم ایم صاحب نے بتایا: ''ایوب خان بڑے محبّ وطن، دیانت دار اور عملی آدمی تھے۔ ان کے سرہانے ایک کاپی رکھی رہتی تھی۔ رات کو سونے سے پہلے وہ خود اس میں نوٹ لکھتے اور دوسرے روز ہونے والی میٹنگ میں انہی نوٹس کے مطابق گفتگو ہوتی۔ میٹنگ کے دوران بعض اوقات وہ اچانک برہم ہو جاتے مگر جلد ہی بعد ازاں اپنے ساتھیوں سے اس رویئے کی معذرت کر لیتے۔ وہ دشمن پر حاوی ہو جانے والی شخصیت تھے۔ مجھے اس دوران متعدد بار ایوب خان کی معیت میں بین الاقوامی کانفرنسوں میں

شرکت کے مواقع میسر آئے۔ایسی ہی ایک کانفرنس لندن میں ہو رہی تھی جسے پرائم منسٹرز کانفرنس کا نام دیا گیا۔بھٹو وزیر خارجہ تھے۔مَیں، ایوب خان اور بھٹو کے ہمراہ لندن پہنچا۔ بھارت کی طرف سے مرار جی ڈیسائی، شاستری کی جگہ آئے تھے۔ان کے ساتھ مسز اندرا گاندھی بھی تھی جو اس وقت بھارت کی وزیر اطلاعات ونشریات تھیں۔اس کانفرنس میں مسئلہ کشمیر زیر بحث لایا جاتا تھا۔ پہلے روز تین گھنٹے تک مسلسل اجلاس ہوتا رہا۔ بھارت سخت الفاظ میں مخالفت کرتا رہا۔ان دنوں وہیں رات کو کیبنٹ میٹنگ ہوتی تھی۔بھٹو صاحب ایسی ہی ایک کیبنٹ میٹنگ میں مجھے بھی ساتھ لے گئے بھٹو نے ایک بار پھر مسئلہ کشمیر پر گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ ہم نے اس موضوع پر اتنا سر کھپایا ہے اب آپ لوگ کم از کم یہ بات تو لکھ دیں کہ

"Kashmir issue was discussed at length by the Prime Ministers Conference and they expressed the desire that parties will decide peacefully and fairly."

انڈیا اگر چہ اس معاملے میں بڑا سخت موقف لئے ہوئے تھا مگر بھٹو صاحب کی وجہ سے یہ بات کیبنٹ سیکرٹری نے تاریخی طور پر اس میں شامل کر لی۔دوسرے روز دوبارہ سیشن شروع ہوا۔انڈیا نے پھر اپوز کیا۔اس سیشن میں سب سے آگے وزیر اعظم، پھر ایوب خان، پھر میں اور میرے ساتھ بھٹو صاحب بیٹھے تھے۔ پرائم منسٹر نے ایک چھوٹی سی چٹ پر کچھ لکھ کر ایوب خان کے حوالے کر دی۔صدر ایوب خان نے وہ چٹ میرے حوالے کر دی کہ میں اسے بھٹو صاحب کو دے دوں۔ میں نے اس چٹ کو پڑھا تو اس پر لکھا تھا۔

The disputes between Pkistan and India came under dicussion and so and so...

میں نے وہ چٹ بھٹو کو تھما دی۔انہوں نے اسے ایک نظر دیکھا، جیب سے قلم نکالا اور چٹ پر

بجلی کی تیزی سے ایک اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے وہ چٹ میرے حوالے کر دی تا کہ میں ایوب خان کو دے دوں۔ میں نے دوبارہ اس چٹ کو دیکھا کہ اتنی اہم بات کو بھٹو نے کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ مَیں نے دیکھا کہ بھٹو نے DISPUTES کا (S) کاٹ دیا تھا۔ اوراسی میں بھارتیوں کا مسئلہ کشمیر پر پاکستان کا پیغام ارسال کر دیا تھا۔ تو بھٹو صاحب اتنی تیز فہم اور اعلیٰ درجے کی ذہانت کے مالک تھے۔

بعض لوگ الزام لگاتے ہیں کہ آپ نے ستمبر 1965ء کی جنگ میں پاکستان آرمی کے ایک اعلیٰ جرنیل کی ایک اہم Request دانستہ نہیں مانی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر وہ بات مان لی جاتی تو پاکستان اس جنگ میں UPPER HAND ہوتا؟''

یہ بات بعض لوگ نہیں کہتے بلکہ یہ پروپیگنڈہ میرے خلاف جماعت اسلامی نے شروع کیا تھا۔ ایم ایم احمد نے تحمل سے کہا میں آپ کو اس قصے کی تفصیل سناتا ہوں۔ فروری 1965ء کے اواخر میں جنرل موسیٰ کی طرف سے ایک نوٹ آیا کہ ہمیں بھارت کے مخصوص دو ڈویژن فوج سے خاصی پریشانی ہے اس لئے ہمیں فوج میں اضافہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ اور وقت کے تقاضوں کے مطابق فلاں فلاں اسلحہ بھی فراہم کیا جائے۔ یہ نوٹ مرکزی وزیر خزانہ شعیب صاحب کے پاس براہ راست آیا تھا۔ شعیب صاحب نے اس نوٹ کے جواب میں کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ہمارے پاس پیسے ہی نہیں ہیں۔ اس وقت تک ڈیفنس کمیٹی آف دی کیبنٹ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ پاکستان کا GENERAL RESERVE چھ مہینے کا ہونا چاہئے۔ جنرل موسیٰ کے مذکورہ بالا نوٹ کے آنے کے بعد شعیب صاحب نے یہ جنرل ریزرو چھ مہینے سے کم کر کے اسے چھ ہفتے کا کر دیا۔ شعیب صاحب نے یہ چھ ہفتے کا سٹینڈ لیا تو مجھے پوچھا کیوں، کیا فیصلہ ہے؟ میں نے ان سے کہا کہ آپ اتنی بڑی ذمہ داری اپنے سر کیوں لیتے ہیں؟ آپ یوں کریں کہ یہ مسئلہ کیبنٹ کی ڈیفنس کمیٹی کے سامنے پیش کریں اور اگر آپ کو جنرل موسیٰ کی REQUEST اور

نوٹ پسند نہیں ہے تو یہ مسئلہ بھی اسی کمیٹی کے سامنے پیش کریں۔انہیں میری بات پسند تو نہ آئی مگر انہوں نے اتنی مہربانی کی کہ اپنے فیصلے میں ایک جملے کا اضافہ کر دیا کہ:

IN THE VARIATION OF THE DECISION OF DEFENCE COMMITTEE OF CABINET

اپنے ڈرافٹ میں تبدیلی کرتے ہوئے انہوں نے میری تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اس مسئلے کو ڈیفینس کمیٹی کے روبرو رکھنے کا فیصلہ کرلیا۔جس روز یہ کیس ڈیفینس کمیٹی کے سامنے پیش کیا جانا تھا،صدر ایوب خان مجھے بھی ساتھ لے گئے۔اس روز کے اجلاس کی پوزیشن یہ تھی سامنے والی بڑی میز پر درمیان میں ایوب خان، ان کے دائیں طرف وزیر خزانہ شعیب صاحب اور بائیں طرف جنرل موسیٰ بیٹھے تھے۔ان کے ساتھ والی میز پر ڈیفنس سیکرٹری نذیر احمد، ان کے پیچھے ابراہیم صاحب بیٹھے تھے جو فنانشل ایڈوائزر تھے اور ان کے ساتھ میں بیٹھا تھا۔نیوی اور ایئر فورس کے سربراہ بھی موجود تھے۔باقاعدہ اجلاس شروع ہونے سے قبل شعیب صاحب اور صدر ایوب خان ملحقہ کمرے میں بیٹھے خاصی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔دونوں صاحبان کمرے میں آئے تو اجلاس کی کارروائی شروع ہوگئی۔

''صدر ایوب خان نے بیٹھتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ ہاں ڈیفنس بھی بڑا ضروری ہے اور ملک کی اقتصادی حالت بھی بہتر کرنے کی ضرورت ہے۔اگر اکنامکس درست نہیں ہوگی تو ڈیفنس کا پیٹ کہاں سے بھرا جائے گا۔میں نے ان کی باتوں سے فوری طور پر اندازہ لگا لیا کہ صدر صاحب کا جھکاؤ شعیب صاحب کے موقف کی طرف ہے۔اس دوران میں نے غیر متوقع طور پر دخل اندازی کرتے ہوئے عرض کیا جناب صدر، کیا آپ دوسروں کی آراء بھی سننا پسند فرمائیں گے؟انہوں نے چونک کر کہا، ہاں ہاں کیوں نہیں تو میں نے چند نکات ان کی خدمت میں پیش کئے۔میں نے کہا کہ جہاں تک ڈیفنس کا تعلق ہے تو اس ریفرنس میں مَیں کوئی بہتر نہیں ہوں اور نہ میں اس میں فکری

اعتبار سے کوئی CONTRIBUTE ہی کر سکتا ہوں کیونکہ آپ اور آپ کے جرنیل اس بارے میں بہتر جانتے ہیں لیکن اس معاملے میں مجھے تین چار ایشو بڑے نمایاں نظر آتے ہیں

1۔ ہم گزشتہ سترہ اٹھارہ سال سے ملک کے دفاع پر سالانہ سو کروڑ روپے سے زائد رقم خرچ کر رہے ہیں اور اب اگر آپ کا کمانڈر (جنرل موسیٰ) یہ کہتا ہے کہ اگر مجھے یہ رقم نہ ملی اور مجھے فوج میں میری مرضی کے مطابق اضافہ کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے تو جنرل کی یہ بات سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہم نے آزادی سے لے کر اب تک سترہ اٹھارہ سو کروڑ روپے ضائع کر دیئے ہیں۔

2۔ فرض کریں کہ شعیب صاحب کا GENERAL RESERVE کے بارے میں فیصلہ چھ مہینے کی بجائے چھ ہفتے کا درست ہے۔ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ان کی یہ دلیل بھی درست ہے کہ ان چھ ہفتوں کے دوران، جنگ کی صورت میں کوئی نہ کوئی عالمی طاقت دخل اندازی کرتے ہوئے ہمیں چھڑا لے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں مگر

It has a great risk. It has a very potential implication.

3۔ جنگ کی صورت میں اگر ہمیں فوری طور پر ایمونیشن منگوانے کی ضرورت پڑ گئی تو ایسی صورت میں پہلے تو ہمیں کوئی دے گا ہی نہیں۔ اگر ایمونیشن مل بھی گیا تو یہ بہت مہنگا ملے گا۔ اور اگر زیادہ قیمت پر مل بھی گیا تو انڈین نیوی بہت ACTIVE ہو گی اور وہ اسلحہ ہم تک پہنچنے نہیں دے گی۔ It is a very risky business اس کے حصول میں ہمیں بڑی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا

4۔ پھر سیز فائر بھی ہو گا۔ تو جو سویلین ٹیم پاکستان کی طرف سے مذاکرات کرنے بھارت جائے گی، بھارت ان کی اور پاکستان کی (کمزور) پوزیشن سے پوری طرح آگاہ ہو گا اور بھارت ہماری ٹیم کو اپنی شرائط پر اپنے دباؤ میں رکھے گا اور بھارتی سخت موقف اپنائیں گے اور ہماری مذاکراتی

ٹیم کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے سامنے پوری طاقت سے مزاحمت بھی نہ کر سکے گیا۔تو یہ بھی خطرناک کام ہوگا۔

۔5۔اگر چہ ایک غریب ملک ہونے کے ناطے پاکستان کے ڈیفنس پر اخراجات پاکستان کی مجموعی قومی ترقی کو روک رہے ہیں مگر اس حوالے سے اگر ہماری قومی سلامتی کو خطرات درپیش ہیں تو ہمیں ہر طرح کے خدشات اور وہموں کو مسترد کرتے ہوئے ڈیفنس کے ہر قسم کے اخراجات پورے کرنے چاہئیں اور مَیں سمجھتا ہوں کہ پاکستان اپنی کمزور مالی حالت کے باوجود ابھی یہ اخراجات برداشت کرسکتا ہے۔

''میرے یہ دلائل سن کر وزیرخزانہ شعیب صاحب کا رنگ زرد پڑ گیا۔اور کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ ایسے میں صدر ایوب خان کی بھاری بھرکم آواز گونجی ۔ وہ مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے:

i am very glad to hear these views وہ بار بار خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرے کے ساتھ یہی جملہ دہرا رہے تھے۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے شعیب صاحب کے فیصلوں کو over Rule کر دیا۔

میرے پیچھے ائرفورس کے سربراہ بیٹھے تھے۔انہوں نے میرا کوٹ کھینچ کر سرگوشی کرتے ہوئے کہا کہ ائرفورس کا کیس بھی صدر صاحب کے پاس ہے،اسے بھی PLEAD کرو مگر مَیں نے انکار کر دیا کیونکہ یہ ایجنڈے میں شامل نہیں تھا۔مجلس برخواست ہونے کے بعد جنرل موسیٰ نے میری طرف آئے اور گرمجوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا میں آج تم پر بہت خوش ہوں اور کہا:

i am very proud of you

جنرل موسیٰ نے کہا کہ احمد! آج تم نے وہ مہم سر کی ہے جسے میں ناممکن خیال کر بیٹھا تھا۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے بڑی جرأت کے ساتھ دلائل کے زور پر آہن مزاج صدر کو قائل کیا

ہے۔تو جناب اصل کہانی یہ تھی جس کے بالکل برعکس جماعت اسلامی اوران کے حلیفوں نے میری تصویر پینٹ کی لیکن میں نے ایسے بے بنیاد پروپیگنڈوں کی بھی پروانہیں کی تھی۔ میں دیانت داری سے اپنے سرکاری فرائض انجام دیتا رہا۔''

ستمبر 1965ء کی جنگ کا ذکر چھڑا تو میں نے لگے ہاتھوں سے ایک اورسوال داغ دیا:''میاں صاحب،مسرت حسین زبیری آپ کے ہم عصر رہے ہیں۔ان کی معروف کتاب VOYAGE THROUGH HISTORY دوجلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔انہوں نے اس میں بین السطور اقرار کیا ہے کہ 1965ء کی جنگ میں پاکستان جیتا نہیں تھا۔ پھر مجیب الرحمان شامی صاحب جومعروف اخبارنویس ہیں، انہوں نے اپنے ایک کالم میں چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان کے حوالے سے یہ جملہ لکھا کہ 1965ء کی جنگ کا پاکستان کوسب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہندو کے دل میں پاکستانی مسلمان کا جوخوف بیٹھا تھا، وہ اس جنگ نے ختم کر دیا۔الطاف گوہر بھی آپ کے ساتھ ہی ایوب خان کی حکومت کا حصہ تھے۔انہوں نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''ایوب خان،فوجی حکومت کے دس سال''میں کھل کرلکھا ہے کہ 1965ء کی جنگ پاکستان کی بہت بڑی غلطی تھی اور یہ کہ اس جنگ میں پاکستان کی پوزیشن فاتح کی نہیں تھی اور ابھی چند ماہ پہلے روسی سفیر ڈوبرنین جو 25 سال امریکہ میں روس کے سفیر رہے، کی یادداشتیں چھپ کرسامنے آئی ہیں۔اس نے بھی اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ 1965ء کی جنگ میں پاکستان کو جیت نہیں ہوئی تھی۔آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

ایم ایم احمد نے میرا طویل سوال سن کر کہا: میں یہ تونہیں کہتا کہ پاکستان کو 1965ء کی جنگ میں شکست ہوئی تھی۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ملک برابر کے چھوٹ گئے تھے۔ بھارت نے بڑے لمبے محاذ پر ہمیں گھیر لیا تھا۔ پھر کھیم کرن کے علاقے میں ہماری افواج نے جو پُل بنایا تھا، وہ اتنا تنگ تھا کہ کراس کرتے وقت پاکستان کے ٹینک اس میں پھنس گئے جس نے ساری فوجی

ٹریفک بلاک کر دی۔ اس دوران بھارت کو سنبھلنے کا مزید اور کثیر موقع مل گیا۔ پھر اس محاذ پر جو کمانڈر تھے، جنرل نصیر، وہ بے چارے آرمرڈ ڈویژن کا تجربہ ہی نہیں رکھتے تھے۔ یہ صرف اقربا پروری تھی اور پاکستان کی بہت بڑی غلطی تھی جس کا خمیازہ پاکستان کو بھگتنا پڑا۔ اس دوران بھارت نے اپنی نہریں خصوصاً مادھو پور نہر توڑ دی جس کے بپھرے ہوئے پانیوں میں ہماری فوجیں اور ٹینک پھنس کر ناکارہ ہو گئے۔ بارڈر کے پار کے علاقے کے جو جنگی نقشے پاکستانی افواج کے پاس تھے، وہ بہت پرانے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہمارے ٹینک اور فوجیں بھارت کے چھوڑے گئے پانیوں میں پھنس گئے اور اس بڑے محاذ پر پاکستان آرمی کی موبلائزیشن رک گئی تو اس رات دو بجے کے قریب الطاف گوہر، جو ایوب خان کے سیکرٹری اطلاعات تھے، میرے پاس آئے اور آتے ہی مجھے کہا کہ میں ابھی ابھی صدر صاحب کی طرف سے آ رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ

We have lost the war اور ان کا lost the war کہنا ان معنوں میں تھا کہ 1965ء کی جنگ کے حوالے سے پاکستان نے جو بلند توقعات وابستہ کر لی تھیں، وہ غلط ثابت ہو گئی تھیں۔ اگر الطاف گوہر نے اپنی کتاب میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ 1965ء کی جنگ میں ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خان کو پھنسایا تھا؟''

''بالکل غلط ہے!'' ایم ایم احمد نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

آپ پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ 1971ء میں پاکستان توڑنے والوں کے ساتھ شریک رہے ہیں؟''

''جس طرح کے الزام کا ذکر 1965ء کی جنگ کے حوالے سے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوا ہے، یہ الزام بھی اس قماش کا ہے''۔ ایم ایم احمد بولے۔

''مگر جناب 1971ء میں وہ بحری جنگی جہازوں کی خریداری کا مسئلہ کیا تھا؟'' میں نے کریدنے کی کوشش کی۔ ''آپ تو اس وقت پلاننگ کمیشن کے چیئرمین کے عہدے پر فائز تھے اور

تمام مالی معاملات آپ کے ہاتھ میں تھے؟“

ایم ایم احمد کہنے لگے : 1971ء کے بحران سے پہلے مشرقی پاکستان کے حالات دگرگوں ہوئے تو ہماری یعنی مغربی پاکستان والوں کی آمدنی کے ذرائع سکڑ گئے۔ غیر ممالک کی طرف سے ملنے والی امداد بند ہو گئی۔ قرضے بند ہو گئے۔ میں تو یہ کہوں گا کہ فارن ایکسچینج میں پچاس فیصد کمی ہو گئی۔ ان حالات میں پلاننگ کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے میں نے بیرونی ممالک میں متعین پاکستان کے سبھی سفیروں کو اسلام آباد بلایا اور ان کے سامنے ملک کے مالی معاملات رکھے اور ان سے میں نے کہا کہ اگرچہ ہم ڈی فالٹر نہیں ہوئے ہیں مگر فی الحال ہم آپ کو پاکستانی روپے میں تنخواہیں ادا کریں گے۔ جونہی حالات درست ہوں گے، یہ تنخواہیں فوری طور پر فارن ایکسچینج میں تبدیل کر دی جائیں۔ انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ میرے ساتھ تعاون کرنے کا یقین دلا دیا۔ ابھی سفیروں کی اس کانفرنس کو زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ پاکستان کے وزیر دفاع، ایڈمرل خان، میرے پاس آئے اور آتے ہی میرے سامنے کاغذات کا پلندہ رکھ دیا اور کہا کہ ہمیں بحری جنگی جہازوں کی خریداری کی اجازت دی جائے۔ میں نے جہازوں کی کل مالیت دیکھ کر کہا کہ اس وقت میرے پاس پاکستان کا جتنا بھی فارن ایکسچینج ہے، اگر وہ سارا کا سارا بھی آپ کو دے دوں تو بھی آپ یہ جہاز خریدنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ دوسرا ابھی میں نے سفیروں کو پاکستانی کرنسی میں تنخواہیں لینے پر قائل کیا ہے اگر انہیں معلوم ہوا کہ ہم بحری جنگی جہاز خرید رہے ہیں تو وہ تو مجھے جھوٹا کہیں گے۔ پھر میں نے وزیر دفاع سے پوچھا کہ ان جہازوں کی ڈیلیوری ڈیٹ کیا ہے؟ تو ایڈمرل صاحب نے کہا کہ تین سے پانچ سال! میں نے کہا کہ اس وقت مشرقی پاکستان کی صورت جو خراب ہو رہی ہے، اس کے پیش نظر تو یہ مدت بہت دور پڑتی ہے اور ہمارے لئے مناسب بھی نہیں ہے۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو یہ آپ کے تین سے پانچ سال ہمیں لے ڈوبیں گے، چنانچہ میں نے انکار کر دیا۔ اسی ریفرنس میں شاید لوگ الزام لگاتے ہیں کہ میں بھی مشرقی پاکستان توڑنے والے

ہاتھوں کا ساتھی رہا ہوں حالانکہ یہ غلط ہے“۔

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا دور اقتدار زیر بحث آیا تو میں نے ایم ایم احمد صاحب سے پوچھا کہ آپ تو ان کو انتہائی نزدیک سے دیکھ رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ وہ بہت بڑے محب وطن تھے۔ ملک کے بڑے معمار تھے تو پھر آخر کیا وجہ ہوئی کہ ان کی عمارت اچانک دھڑام سے نیچے آ گری اور وہ صرف آخری دو سال کے عرصے میں بالکل معدوم ہو گئے؟

معاملہ اصل میں یہ ہوا کہ ایم ایم احمد نے گلا کھنکھارتے ہوئے جواب دیا ”جب ایوب خان پر دل کا حملہ ہوا اور بعدازاں دوسرے عوارض نے بھی ہلہ بول دیا تو انتظامیہ پر ان کی گرفت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی۔ ان کی قوت فیصلہ میں کمی آ گئی۔ پھر جو ہم عرصہ دراز سے ڈیفنس پر بے تحاشہ پیسہ خرچ کر رہے تھے، انڈیا کا مقابلہ کرنے کے لئے، اس سے ہماری اقتصادی ترقی کمزور ہوتی چلی گئی۔ ہمارے ڈیفینس کے اخراجات ہماری مجموعی قومی آمدنی سے متجاوز ہونے لگے اور دوسرے شعبے ترقی کے میدان میں پیچھے رہ گئے۔ یہ کمزوریاں ایک جگہ جمع ہوتی رہیں۔ آج کے آپ کے وزیر خزانہ سرتاج عزیز اور بقائی صاحب اس زمانے میں ہمارے جونیر تھے، وہ بھی اعتراف کریں گے کہ انہوں نے اس زمانے میں جو بجٹ بنایا اس میں روپے کا اکہتر فیصد حصہ ڈیفنس پر مغربی پاکستان اور انتیس فیصد حصہ مشرقی پاکستان خرچ کر رہا تھا۔ پبلک سیکٹر کے ALLOCATION میں ساٹھ فیصد مشرقی پاکستان اور چالیس فیصد حصہ مغربی پاکستانی پر خرچ کیا جا رہا تھا۔ میں مشرقی پاکستان کے اپنے سینئر ساتھیوں کو بتایا کرتا تھا کہ اگر تم لوگ علیحدگی کے بارے میں سوچ رہے ہو یا تم آزاد معیشت کے بارے میں قدم اٹھانے کی کوشش میں ہو تو تمہیں علیحدگی میں بہت سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جو وہ آج تک کر بھی رہے ہیں۔ میں انہیں یہ بھی بتاتا کہ اس وقت تم لوگ اس پوزیشن میں ہو کہ مغربی پاکستان سے زیادہ سے زیادہ وصول کر سکتے ہو۔ مشرقی پاکستانیوں کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ اپنے ہاں پرائیویٹ سیکٹر کو آنے کی اجازت نہیں دیتے

تھے۔ نہ وہ مغربی پاکستان کے باشندوں کو پرائیویٹ سیکٹر کے میدان میں اپنے ہاں قدم جمانے دیتے اور نہ غیر ملکیوں کو سرمایہ کاری کا موقع دیتے۔ وہ کوشش کرتے کہ یہ لوگ وہاں سے بھاگ جائیں۔ انہیں مغربی پاکستان کے مختلف شہروں میں جو ترقی نظر آتی تھی اور جو ان کی نظروں میں بہت کھلتی تھی، یہ سارا کا سارا پرائیویٹ سیکٹر کا ہی تو اعجاز تھا۔ یہ ایک دلچسپ قصہ ہے کہ ہم مغربی اور مشرقی پاکستان کے مالی معاملات کی جانچ پڑتال کے لئے ڈھاکہ میں اکٹھے ہوئے۔ صدر ایوب خان صاحب بھی وہاں تھے اور مشرقی پاکستان کے گورنر منعم خان بھی موجود تھے۔ میں نے اعداد و شمار پیش کئے تو سب لوگ DISPARITY پر پریشان ہو گئے۔ ایسے میں قمر الاسلام سیکرٹری پلاننگ اور الطاف گوہر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اپنی PRESENTATION کو ذرا لائٹ ڈاؤن کرو جو کہ میرے لئے ناممکن تھا۔ شام کے وقت صدر صاحب کے اعزاز میں کھانا تھا۔ گورنر ہاؤس کے بینکوئٹ ہال میں یہ کھانا تھا۔ اچانک گورنر منعم خان نے مجھے انگلی کے اشارے سے اپنی طرف بلایا۔ میں قریب پہنچا تو انہوں نے مجھے کہا: تم میرے دشمن کیوں بن گئے ہو؟ میں سمجھ گیا کہ یہ دشمنی والا معاملہ کیا ہے۔ دراصل وہ میرے اعداد و شمار سے پریشان تھے کہ کل اگر پریس میں یہ سارا کچھ شائع ہو گیا تو مشرقی پاکستان کے لوگ ان کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔ میں نے گورنر صاحب سے کہا کہ حضور والا، میں گورنری کا امیدوار نہیں اور نہ یہ شوق میرے بس کی بات ہے۔ ہاں اتنا ضرور عرض ہے کہ میں آپ کو وارننگ دے رہا ہوں کہ اگر آپ نے معاملات کو سنبھالا نہ دیا تو ایک دھماکہ ہو گا اور آپ کو اڑا کر رکھ دے گا اور یہ دھماکہ پھر 1971ء میں ہوا تو سب نے دیکھا، ساری دنیا نے دیکھا"۔

لیکن سر، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایوب خان کے زوال میں ان کی اولاد کے بعض کارناموں' نے بھی اپنا ایک خاص کردار ادا کیا؟

بالکل درست ہے، بالکل درست'۔ احمد صاحب نے قطعی لہجے میں کہا اس حوالے سے سب سے

گھناونا کردار گوہر ایوب کے ہاتھوں ادا کیا گیا۔ یہی گوہر ایوب صاحب جو گزشتہ ادوار میں قومی اسمبلی کے اسپیکر تھے اور آج کل نواز شریف کی حکومت میں پاکستان کے وزیر خارجہ ہیں۔(2 مئی 1998ء کی رات گوہر ایوب نے بوجوہ وزارت سے استعفی دے دیا۔ وہ ایک سال سے زائد عرصہ تک وزیر خارجہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پاکستان کے حوالے سے امریکن پالیسیوں کو جس شدت اور جدت کے ساتھ تنقید کا نشانہ بنایا، انہیں اس کی سزا دی گئی اور وہ اپنی حریت فکر کے بھینٹ چڑھ گئے۔ ت ق ش)۔ ہوا یوں کہ پاکستان میں امریکہ نے گندھارا کے نام سے موڑیں بنانے کا ایک کارخانہ لگایا تھا۔ یہ کارخانہ دراصل جنرل موٹرز والوں کا تھا جو بعدازاں اسے فروخت کرنا چاہتے تھے۔ فروخت کے مذاکرات میں گوہر ایوب صاحب پیش پیش تھے۔ یہ بات بعض لوگوں کو بہت ناپسند تھی۔ مشرقی پاکستان کے بعض وزراء نے تو میری موجودگی میں اس حوالے سے ایوب خان کو جلی کٹی سنا ڈالیں اور کہا کہ ہم بھی پاکستان کے باشندے ہیں اور وزیر ہونے کی حیثیت میں کاروبار کرنا چاہتے ہیں مگر کیا کریں جہاں جاتے ہیں آگے گوہر ایوب نظر آتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی کہا جانے لگا تھا کہ کیا کیا جائے کہ گندھارا نام کا پاکستان میں ایک ہی کارخانہ ہے، اگر بہت سے گندھارا ہوتے تو پاکستان کی زمین میں بہت سے گوہر ایوب بھی مل جاتے۔ ایوب خان کے بیٹوں نے آگے بڑھ کر بعض حرکتیں ایسی بھی ہیں جن سے نواب آف کالاباغ بھی شدید ناراض ہوئے۔ اس نے نواب آف کالاباغ اور ایوب خان کے درمیان شکر رنجیوں کو مزید ہوا دی اور دونوں کے درمیان فاصلے وسیع خلیج کی شکل اختیار کر گئے۔ پھر ایک لڑکی کا اغوا ہوا جو ایک پیر صاحب کی صاحب زادی تھیں۔ اس میں بھی ایوب خان کے ایک صاحب زادے کا ہاتھ نظر آنے لگا تو لوگ بپھر گئے۔ اس سے ایوب خان کے صاف ستھرے کردار کو گدلا کر دیا گیا۔ ان دنوں امریکہ سے پاکستان کے سفیر عزیز احمد سبکدوش ہو کر پاکستان آئے تو انہوں نے ایوب خان سے ایک طویل ملاقات کی اور گندھارا والا معاملہ بھی ان سے زیر بحث آیا۔

عزیز احمد نے ایوب خان کو بتایا کہ آپ گندھارا سے ہاتھ کھینچ لیں اور پبلک میں جائیں اور اعلان کریں کہ مَیں نے اپنے بیٹے کو اس کاروبار سے نکال دیا ہے اور اب اس کارخانے کو خالص کمرشل نقطہ نظر سے تجارتی اداروں کے ہاتھ میں دیا جائے گا جس سے ملک کی اقتصادیات میں بھی بہتری ہوگی۔ ایوب خان نے عزیز احمد کے سامنے اس اعلان کی حامی بھر لی۔ ملاقات کے فوراً بعد عزیز احمد نے مجھے فون کیا اور سارے معاملے سے آگاہ کر دیا اور مجھے یہ بھی کہا کہ ہوسکتا ہے صدر صاحب تم سے اس معاملے میں مزید بات چیت کریں اور تم نے وہی موقف اختیار کرنا ہے جو ان کے سامنے میرا تھا۔ میں نے اس پہلو سے معاملات کا جائزہ لے کر خود کو تیار کر لیا۔ مگر ایوب خان کا فون مجھے نہ آیا اور نہ ہی انہوں نے عزیز احمد سے کئے گئے وعدے کے مطابق اپنے بیٹے کو گندھارا بزنس سے نکالنے کا اعلان ہی کیا۔ لیکن میرے خیال کے مطابق ایوب خان ذاتی کردار کے حوالے سے اور قومی دیانت کے پہلو سے بڑے دیانت دار اور کلین آدمی تھے اور انہوں نے اپنے اقتدار کے دوران زیادہ تر اپنی اولاد کو حکومتی معاملات میں منہ مارنے کی اجازت نہ دی اور نہ ہی ان کی اولاد آج کے سیاستدانوں، وزراء اور اسمبلیوں کے ارکان کی اولادوں کی طرح بے لگام ہی تھی۔ اس حوالے سے میں ایک آپ کو ذاتی واقعہ سناتا ہوں۔ میں نیا نیا سیکرٹری کامرس متعین ہوا تھا اور مرکزی معاملات سے زیادہ باخبر بھی نہیں تھا۔ ایک روز گوہر ایوب صاحب میرے پاس آئے اور مجھ سے امپورٹ لائسنس بنانے کا مطالبہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ صدر صاحب کے صاحبزادے ہیں اور میں ان کا بہت REGARD کرتا ہوں مگر میں بوجوہ آپ کو امپورٹ لائسنس جاری نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی ایک سب سے بڑی وجہ آپ کے والد کا صدر ہونا ہے۔ آپ کو بے جا امپورٹ لائسنس جاری کرنے سے آپ کے والد کی شہرت پر حرف آئے گا اور اتنے چھوٹے سے معاملے پر میں آپ کے والد کے کردار پر کیچڑ اچھلتے نہیں دیکھ سکتا۔ گوہر ایوب نے میری بات تحمل سے سنی اور شکریہ کہہ کر چلا گیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ اپنے والد سے میری شکایت

کریں گے اور نوجوانی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اس واقعہ میں کچھ اضافہ بھی کریں گے چنانچہ میں نے حفظ ماتقدم کے تحت پرنسپل سیکرٹری فاروقی صاحب کو فون پر سارے معاملے سے آگاہ کر دیا اور کہا کہ تم نے اب اس مسئلے کو الجھنے نہیں دینا۔ چنانچہ وہ گواہ ہیں کہ جب گوہر ایوب نے یہ معاملہ اپنے والد گرامی کے حضور پیش کیا اور انہوں نے اپنے سیکرٹری کے ذریعے سارے معاملے کی تحقیق کر لی تو گوہر ایوب کو ڈانٹ پلا دی''۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے اصل بیج ایوب خان کے دور حکومت میں بوئے گئے کیا یہ درست ہے؟

اگر یہ بات کُلّی طور پر درست نہیں ہے تو کم از کم جزوی طور پر ضرور درست ہے"۔ ایم ایم احمد نے جواب دیا"زبان کے حوالے سے مشرقی پاکستان میں پاکستان بنتے ہی جو فسادات ہوئے انہوں نے بڑے منفی اثرات مرتب کئے۔ وہ لوگ، بنگالی، اپنی زبان کے بارے میں بہت حساس تھے۔ پھر مشرقی پاکستان میں ہندو پچیس فیصد آباد تھے جنہوں نے بڑے مربوط اور مخصوص انداز میں تعلیم کے میدان میں بنگالیوں کو یہ باور کروایا کہ تمہارا مستقبل دور بسنے والے مغربی پاکستان سے وابستہ نہیں بلکہ ہندوستان سے وابستگی یا خودمختار آزادی سے جڑا ہوا ہے۔ اس زہر نے آہستہ روی سے کام دکھایا۔ اگرچہ پاکستان میں جمہوریت کا آوازہ تو بلند کیا جاتا رہا مگر ہمارے حکمرانوں کے قول و فعل کے شدید تضادات نے اس آوازے کی نفی کر دی جس کی وجہ سے بھی مشرقی پاکستان کے لوگ رفتہ رفتہ ہم سے بددل اور زور آور ہوتے چلے گئے۔ میرا اپنا خیال ہے کہ اگر ایوب خان اپنے بنیادی جمہوریت کے نظام کو مزید فروغ دے کر اس میں اضافہ کرتے اور اسے مسلسل آگے بڑھاتے چلے جاتے تو غالباً ہم 1971ء کے سانحے سے بچ سکتے تھے۔ ایوب خان کے دور حکومت میں صدر ایوب کی سب سے بڑی غلطی یہ بھی تھی کہ انہوں نے مشرقی پاکستان میں جتنے بھی گورنر نامزد کئے، ان میں زیادہ تر کا تعلق مغربی پاکستان سے تھا جو سراسر زیادتی تھی اور اس حوالے سے

مشرقی پاکستان کے مفید لوگوں کو آگے بڑھ کر شور مچانے اور سادہ لوح بنگالیوں کو گمراہ کرنے کے مزید مواقع مل گئے کہ مغربی پاکستان والے ہم پر ایک نو آبادیاتی حکمرانوں کی طرح قابض ہیں۔ اس سے ذہن مسموم ہوتے چلے گئے جسے شیخ مجیب الرحمان نے کیش کروایا۔

''ون یونٹ کا فیصلہ کیا تھا؟ کیا اس سے بھی مرکز گریز قوتوں کو علیحدہ ہونے کے لئے ایک مضبوط اور معقول بہانہ نہیں مل گیا تھا؟'' میں نے پوچھا۔

ایم ایم احمد نے جواب دیا: ''ون یونٹ بنانے کے فیصلہ میں صرف ایوب خان کا ذہن ہی کام نہیں کر رہا تھا بلکہ یہ سوچ پورے مغربی پاکستان کی تھی کہ مشرقی پاکستان ایک صوبہ ہے تو یہاں چار پانچ صوبے کیوں؟ یہ EQUILIBIRIUM کے لئے بھی ضروری تھا۔ مگر مغربی اور مشرقی پاکستان کو ون یونٹ بنانے کے بعد فیصلوں کی تنفیذ میں جس بھدے پن کا مظاہرہ کیا گیا، وہ ناقابل برداشت تھا۔ سنٹر لائزیشن کی ایک انتہائی بھیانک شکل سامنے آنے گی۔ لاہور کی بیورو کریسی نے اقدار اور اختیار کی تمام طنابیں اپنے ہاتھ میں لیں۔ میں اسلام آباد میں گورنمنٹ کا ایک ملازم تھا۔ جب فریقین میں شکوک وشبہات اور گلے شکوے پیدا ہونے لگے تو سینئر ملازمین سے مشورہ مانگا گیا۔ میں نے اس حوالے سے جو نوٹ لکھا، وہ کچھ یوں تھا کہ تمام وزارتیں ختم کر دی جائیں اور معاملات کو سنبھالنے کے لئے صرف ایک وزارت بنائی جائے اور اسے coordination of provincial subject کا نام دیا جائے اور صوبوں کو صحیح اور سچے معنوں میں خود مختاری دی جائے مگر اسے غور کے قابل نہ سمجھا گیا۔ پھر رفتہ رفتہ حالات سامنے آنے لگے جن کی وجہ سے آپ کے کہنے کے مطابق مرکز گریز قوتوں کو اپنی پسند کا کھیل کھیلنے کا موقع مل گیا۔

''ایوب خان اپنی تمام تر طاقت کے باوجود محترمہ فاطمہ جناح سے اتنے نالاں کیوں تھے؟ انتخابات میں تو انہوں نے ان کے خلاف اقدامات کی حد کر دی''؟

’’یہ حقیقت ہے کہ ایوب خان مخالف آواز کو پسند نہیں کرتے تھے اور یہ آمرانہ ذہنیت اور فوجی حکومت کا خاصہ ہے‘‘۔میاں مظفر احمد یعنی ایم ایم احمد بولے’’انتخابات ہوئے تو محترمہ فاطمہ جناح کے خلاف بڑی دھاندلی کی بات کے مناظر سامنے آئے۔میں اس وقت فنانس سیکرٹری تھا اور اس حیثیت میں سیاست کے موضوع پر بات کرنا میرے لئے مناسب بھی نہیں تھا مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ محترمہ کے خلاف دھاندلی ضرور ہوگئی اور یہ پاکستان میں پہلی انتخابی دھاندلی تھی اور اس کی منصوبہ بندی ایوب خان نے نہیں کی تھی بلکہ ان کے بعض تابعدار قسم کے لوگوں نے باس کو خوش کرنے کے لئے یہ گھناؤنا کردار ادا کیا اور پاکستان ایسے معاشرے میں جہاں شرح خواندگی کا لیول بہت ہی نچلے درجے کا ہے، وہاں اس طرح کے مناظر کا ظہور پذیر ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں مگر ایک شائستہ قوم اور دیانت دار معاشرے میں یہ مناظر جنم نہ ہی لیں تو مناسب ہیں‘‘۔

’’یحییٰ خان حکومت میں جس طرح آئے اس پر کوئی تبصرہ؟

ہنستے ہوئے:’’انہوں نے ایوب خان سے حکومت اسی طرح حاصل کی جس طرح ایوب خان نے اپنے پیشرو سے حاصل کی تھی۔یحییٰ خان کے زمانے میں میرے براہ راست باس احسن صاحب تھے اور ہمارے محکمے کے وزیر ائیر مارشل نور خان تھے۔اس زمانے میں کیبنٹ میٹنگیں بڑی CLOSE ہونے لگی تھیں۔جس اجلاس میں ون یونٹ اور ملک کے دونوں حصوں کے درمیان Priority کے خاتمے کا فیصلہ کیا گیا، میں اس میں شامل نہیں تھا۔فیصلے کے بعد احسن صاحب میرے کمرے میں آئے اور آتے ہی بتایا کہ کیا ان کی مرضی کے زیر تحت ون یونٹ اور پریرٹی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔اتنا کہہ کر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے: مجھے اس فیصلے پر افسوس ہوا ہے کیونکہ پاکستان نے وہ دونوں CHIPS کھودیئے ہیں جن کی بدولت مشرقی پاکستانیوں سے مکالمہ کیا جا سکتا تھا اور اس مکالمے کے زور پر انہیں ساتھ چلایا جا سکتا تھا نور خان ہمارے وزیر بڑی مضبوط شخصیت کے مالک تھے۔مگر بعض اوقات اپنی ترنگ میں آکر عجیب وغریب تجاویز لے کر

آتے۔ایک روز انہوں نے کیبنٹ میٹنگ میں یہ تجویز پیش کی کہ سارے ملک میں مزدوروں کی تنخواہ ایک جیسی ہونی چاہئیے اور انہوں نے یہ تنخواہ 225 روپے فی مزدور مقرر کیا۔میں نے اس تجویز کی مخالفت کی اور دلیل دیتے ہوئے گزارش کی کہ یہ تجویز غیر مناسب ہے۔اگر ایک مزدور وزیر آباد میں رہتا ہے اور دوسرا کراچی اور ڈھاکہ میں رہتا ہے تو ان سب کے اخراجات برابر نہیں ہو سکتے۔ اس سے مزدوروں کی حق تلفی ہوگی اور یہ بھی ہے کہ بعض کارخانہ دار یہ تنخواہ بھی دینے کو تیار نہیں ہوں گے اور وہ کم تنخواہ والے لوگوں کو رکھ کر پرانے مزدوروں کو نکال دیں گے۔اس طرح ملک میں پہلے سے پھیلی بے روزگاری میں اور اضافہ ہوگا۔میں نے کہا کہ اس ضمن میں ہمارا پلاننگ کمیشن یہ کرسکتا ہے کہ ہم نور خان صاحب کی ڈسپوزل پر دس کروڑ روپیہ رکھ دیتے ہیں اور وہ اس رقم کو مزدور کی فلاح و بہبود پر خرچ کر سکتے ہیں یا کوئی ایک سکیم بنا سکتے ہیں جس سے ملک بھر کے مزدوروں کو مستقل فائدہ پہنچتا رہے۔ چنانچہ فریقین کے دلائل سن کر صدر صاحب نے نور خان کی تجویز رد کر دی اور میری تجویز کو منظور کر لیا۔اس سے نور خان مجھ سے ناراض ہو گئے۔اجلاس سے باہر نکل کر نور خان نے مجھے کہا: مسٹر احمد! تم کب تک سیٹھ آدم جی اور سہگلوں کے ہاتھ تھامے رہو گے، کب تک ان کی حمایت کرتے رہو گے؟ ان کے الفاظ یہ تھے۔

Mr Ahmad! How long you will hold the hands of Ad Dauds, Sehhgals etc.

نور خان کا یہ طنزیہ لہجہ سن کر میں نے کہا جناب والا! میں نے ان لوگوں کے ہاتھ تھام نہیں رکھے اور نہ ہی ان کی حمایت کر رہا ہوں بلکہ میں حکومت کا ملازم ہوں اور اسی بات کی تنخواہ لیتا ہوں کہ مناسب موقع پر وہی جواب دوں جو حکومت اور ملک کے مفاد میں ہے۔بہر حال بڑے دنوں تک نور خان مجھ سے کھنچے کھنچے سے رہے۔یحییٰ خان بھی روز بروز نور خان سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ ایک روز صدر یحییٰ خان نے ذاتی طور پر مجھے اپنے پاس بلا کر کہا: نور خان سے کسی طرح میرا پیچھا

چھڑاؤ۔Take him of my back اور ایک بار دونوں میں شدید تلخ کلامی بھی ہو گئی اور ایسے معاملے میں ہوئی جو میرے نزدیک آج بھی قومی راز ہے اور اسے میں کسی حال میں بھی آپ پر عیاں نہیں کر سکتا.......................

کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ یہ تاریخی تنازعہ آپ پاکستانی عوام کے سامنے پیش کر دیں جبکہ اس واقعہ کو آج اڑھائی دہائیوں سے زیادہ کا عرصہ گزر رہا ہے۔؟''

ایم ایم احمد نے ناراضگی کے عالم میں فرمایا: میں نے کہاں کہا کہ یہ راز میرے سینے میں رہنے دیں کہ اس کے بے نقاب ہونے سے پاکستانی تاریخ اور پاکستان کے دولخت ہونے کے سانحہ کو ایک بار پھر تحریر کرنا پڑے گا۔ (ہمارے بار بار کے اصرار کے باوجود ایم ایم احمد صاحب نے وہ طویل واقعہ سنانے سے گریز کیا جو واقعی قارئین اور تاریخ پاکستان کے طالب علموں کے ذہنوں پر بم بن کر گرتا۔ احمد صاحب نے اس سانحہ سے ذرا سا پردہ سرکایا مگر وہ اتنا ناکافی ہے کہ اسے ان صفحات میں احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں)۔

ذاتی حیثیت میں آپ نے یحییٰ خان کو کیسا پایا؟

وہ ذہین آدمی تھے مگر وہ جس عنصر INTELLECT کہا جاتا ہے، اس سے وہ محروم تھے' احمد صاحب بولے" بدقسمتی سے وہ HARD WORKER نہیں تھے۔ ان کی سستی اور کسلمندی نے بہت نقصان پہنچایا پاکستان کو۔ مگر وہ آج کے پاکستانی حکمرانوں کی طرح بددیانت اور جھوٹے نہیں تھے۔ پاکستان ان کے دور حکومت میں جن شدید اور خونیں بحرانوں سے گزر رہا تھا، وہ تن تنہا ان پر قابو پانے کی صلاحیت سے تہی دست تھے۔ اس وقت ان جیسے پانچ یحییٰ خان بھی ہوتے تو ناکافی تھے لیکن انہوں نے معاملات کو سنبھالا دینے کی سعی ضرور کی۔ پاکستان کے سابقہ دنوں میں پاکستان میں بعض اداروں اور بعض اشخاص نے مالی طور پر شدید بدعنوانیاں کی تھیں، اس حوالے سے ایک روز میں نے ان (یحییٰ خان) سے عرض کیا کہ میں مشرقی پاکستان اور

مغربی پاکستان کا مالی امور میں قرطاس ابیض (وہائٹ پیپر) لکھنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھ آج کے پاکستان کے وزیر خزانہ سرتاج عزیز بھی تھے۔ میں نے بعض اداروں کے نام بھی لئے جہاں بد عنوانیاں نظر آ رہی تھیں مگر صدر صاحب نے مجھے یہ اجازت دینے سے انکار کر دیا انہوں نے عجب انداز میں کہا: مسٹر احمد تم پر کون یقین کرے گا؟ مشرقی پاکستان والے کریں گے؟ یہاں مغربی بازو میں بیٹھنے والے لوگ کریں گے؟ پھر وہ خاصی دیر تک خاموش رہے اور کچھ کہتے کہتے رک گئے۔ میں نے عرض کیا سر، سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی یقین کرتا ہے یا نہیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم کوئی باقاعدہ فیکٹس اینڈ فگرز تو ریکارڈ کرا جائیں اور اس وقت مشرقی پاکستان کی جو صورتحال ہو رہی ہے، اس منظر میں غیر ملکی ادارے کم از کم یہ تو جان سکیں گے کہ آزادی کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان میں کون کس کا استحصال کرتا رہا ہے اور پاکستان کے دونوں بازوؤں کے سلیم الطبع افراد فیصلہ کر سکیں گے کہ خامیاں کہاں کہاں تھیں، اس وہائٹ پیپر کی اشاعت سے آئندہ ادوار میں کرپشن کا دروازہ بھی بند کرنا آسان تر رہے گا۔ مگر افسوس بوجوہ صدر یحیٰی خان نے مجھے اس کی اجازت نہ دی''۔

بعض لوگ یحیٰی خان کا حوالہ دے کر یہ بھی کہتے ہیں کہ یحیٰی خان نے کہا کہ مشرقی پاکستان کو علیحدگی کی راہ پر لگانے کے لئے آخری دنوں میں ایم ایم احمد نے بھی خاصا گہرا کردار ادا کیا؟''

ایم ایم احمد چند لمحے خاموش رہے، پھر بولے: میں نے جس قرطاس ابیض کا ذکر ابھی ابھی کیا ہے، یہ مرتب کرنے کی مجھے اجازت نہ ملی تو مجھے مرکزی حکومت کی طرف سے مشرقی پاکستان کی اقتصادی صورتحال اور وہاں پیدا ہونے والی بھیانک تبدیلیوں کے حوالے سے ایک رپورٹ مرتب کرنے کو کہا گیا۔ پلاننگ کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے میں نے بڑی محنت سے یہ رپورٹ مرتب کی جو بہت زیادہ تلخ تھی کیونکہ یہ حقائق پر مبنی تھی اور آپ کو معلوم ہے حقائق ہمیں کبھی پسند نہیں رہے۔ بہر حال اس رپورٹ کے آخری جملے میں نے کچھ یوں لکھے:

If in your Judgement, we can not stay together East

and West pakistan, It is my request that we should apart as friends.

میں نے یہ جملے لکھے جو بہت سے لوگوں نے میرے خلاف ایکسپلا ئٹ کئے اور میرے بارے میں کہا گیا کہ I was instrument in the seperation of Pakistan.

پاکستان ٹوٹنے کے بعد آپ حمود الرحمن کمیشن کے سامنے بھی تو پیش ہوئے تھے؟ میں نے پوچھا۔

''ہاں پیش ہوا تھا۔'' احمد صاحب بڑے اطمینان سے بولے'' میں نے مذکورہ بالا رپورٹ کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ رکھی تھی۔ وہ میں نے حمود الرحمن کمیشن کے سامنے پیش کر دی اور وہ آخری نوٹ بھی جس کے جملے کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے، ان کے سامنے رکھ دیا۔ یہ سب دیکھ کر حمود الرحمن صاحب چونک پڑے اور انہوں نے مجھے کہا کہ یہ تو بڑی VALUEABLE رپورٹ ہے، کیا آپ اسے ہمارے پاس رہنے دیں گے؟ میں نے کہا نہیں کیونکہ یہی میرے پاس محفوظ ہے اور یہی میری زندگی کے سرکاری فرائض کا اعمال نامہ میرے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی نقل کرادی۔ وہ لوگ جو دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھ پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا الزام عائد کرتے ہیں، وہ ذرا حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کا مطالعہ تو کریں اور میرے کردار کا جائزہ لیں تو حمود الرحمن صاحب کے وہ کمنٹس پڑھیں جو انہوں نے میرے بارے میں تحریر کئے ہیں۔''

مگر کہا جاتا ہے کہ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ موجود ہی نہیں ہے تو پڑھیں گے کہاں سے؟''

موجود ہے، فوج کے پاس محفوظ ہے۔ احمد صاحب بولے'' اگر یہ رپورٹ موجود نہیں ہے تو یہ انڈیا کے ایک اخبار کے ہاتھ کیسے لگ گئی تھی؟ پھر وہ خاموش ہو گئے۔ کمرے میں سکوت اور سکون کا راج قائم ہو گیا تھا۔ باہر بارش ابھی تک نہ تھمی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے لاہور میں ساون بھادوں کا طوفان امڈ کر آ گیا ہو۔ اچانک ایم ایم احمد نے سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے کہا: ''مارچ

1971ء میں جبکہ مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے میں چند ماہ ہی رہ گئے تھے، ڈھاکہ میں دونوں بازوؤں کے ذمہ دار لوگوں کے ڈائیلاگ شروع ہوئے۔ مجھے بھی شامل ہونے کا کہہ دیا گیا تھا۔ پیرزادہ زکاءبھی اس میں شریک تھے۔ میں ان کو ملا اوران سے ذاتی طور پر درخواست کی کہ مجھے ان ڈائیلاگز سے دور ہی رکھا جائے تو بہتر ہے کیونکہ میں جانتا تھا کہ میں نے چند سال قبل جو رپورٹ لکھی تھی اور جس سے مشرقی پاکستان کے گورنر منعم خان صاحب ناراض ہو گئے تھے، اس کے پیش نظر مجھے اندازہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ مذاکرات میں میرا وجود برداشت نہیں کریں گے۔ پیرزادہ ذکاءصاحب نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تمہیں شامل نہیں کیا جائے گا۔ بہرحال ابھی میں کراچی ہی میں تھا کہ ڈھاکہ سے ایک ٹیلی گرام میرے نام آیا جس میں لکھا تھا۔

Please reach Dhacca, 21 March, Please reach Dhacca, 21 March!!

میں یہ ٹیلی گرام لے کر فوج کے ہیڈکوارٹر پہنچا کیونکہ کسی دوسری جگہ سے بات کرنا غیر محفوظ تھا۔ میں نے پیرزادہ زکاءسے بات کی اوران سے ملتجی ہوا کہ مجھے آپ نہ بلایئے، میں سرتاج عزیز کو بھیج دیتا ہوں۔ بقائی آجاتے ہیں۔ آفتاب قاضی شریک ہو سکتے ہیں ۔ وہ آپ کی مدد کریں گے اور ڈسکشن میں آپ کے بہترین معاون ثابت ہوں گے۔ مگر پیرزادہ صاحب نہ مانے۔ انہوں نے کہا کہ بھئی میں کیا کروں، صدرصاحب کا اصرار ہے کہ تم فوراً ڈھاکہ پہنچو۔ کوئی چوائس نہیں تھی۔ چنانچہ میں نے روانگی کی تیاری شروع کردی۔ جانے سے قبل میں نے اسلام آباد فون کر کے بقائی، آفتاب قاضی اورسرتاج عزیز کو کراچی بلایا اورانہیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا اوران تمام ایشوز پر گفتگو کی جن کے بارے میں توقعات تھیں کہ یہ معاملات ڈسکشن میں سر اٹھا سکتے ہیں۔ میں نے ان تینوں کو بھی ساتھ جانے کی درخواست کی۔ آفتاب قاضی مشرقی پاکستان کی صورتحال سے اتنے دل برداشتہ تھے کہ میری پیشکش سنتے ہی ان کا دل دہل گیا اورانہوں نے کہا کہ بھئی میں تو نہیں جاؤں

گا۔ چنانچہ میں نے سرتاج عزیز اور بقائی صاحب کو لیا اور اپنے متعلقہ کاغذات صندوق میں رکھے اور براستہ سیلون بالآخر ڈھاکہ پہنچ گئے۔ اور جاتے ہی مذاکرات شروع ہو گئے۔ اور اس دن جب یہ مذاکرات شروع ہوئے، مارچ کی بائیس تاریخ تھی۔ دونوں فریقین کی Stting Position اس طرح تھی: مشرقی پاکستان کی طرف سے سامنے درمیان میں تاج الدین تھے، ان کے دائیں طرف نذر الاسلام اور بائیں طرف جی ڈبلیو چوہدری تھے۔ مغربی پاکستان کی طرف سے درمیان میں صدارتی کرسی پر جسٹس کارنیلیس تشریف فرما تھے۔ ان کے دائیں طرف پیرزادہ ذکاء اور بائیں طرف میں بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ کمرے میں فوجی افسروں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود تھی۔ ڈسکشن کا دور شروع ہوا۔ میں نے اس دوران سیاسی معاملات کے حوالے سے مداخلت کرنا یا لقمہ دینا قطعی مناسب نہ سمجھا۔ صرف مالی معاملات میں ضرورت پڑنے پر گفتگو میں حصہ لیتا تھا۔ 23 مارچ کو جو سیشن شروع ہوا، اس میں سیاسی موضوع پر مشرقی پاکستان کے ہمارے فریق نے ایسی بات کہہ دی جس کے ردعمل میں مجھے بھی بولنا پڑا۔ ہوا یوں کہ تاج الدین نے کہا کہ ہمارے باس، لیڈر (شیخ مجیب الرحمن) کا کہنا ہے کہ ہم نے نئے سیٹ اپ کے حوالے سے آپ لوگوں کے سامنے جو دستاویزات رکھی ہیں جن کی بنیاد پر آئینی معاملات طے کئے جا سکیں، اس میں جہاں جہاں فیڈریشن کا لفظ آئے گا، اسے کنفیڈریشن پڑھا جائے اور اسے اسی مفہوم میں لیا جائے۔ کارنیلیس صاحب تو یہ سن کر کرسی سے اچھل پڑے اور بولے یہ کیسے ممکن ہے؟ کنفیڈریشن تو دو آزاد ملکوں کے درمیان ہلکے پھلکے موضوعات پر set to gether کا نام ہے جبکہ آپ اس گفتگو کے دوران بار بار متحدہ ہندوستان کے آئین کا حوالہ بھی دیتے آ رہے ہیں تو اب یہ یکا یک مطالبہ کیوں؟ لیکن تاج الدین کا کہنا تھا کہ آپ کو کاغذات میں فیڈریشن کے لفظ کو کنفیڈریشن میں تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس لہجے میں، میں نے مداخلت کرتے ہوئے کارنیلیس صاحب سے کہا کہ سر! یہ ان کے پیپرز ہیں اور انہیں ان کاغذات میں تبدیلی کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔ اس پر تاج الدین کا چہرہ

کھل اٹھا جبکہ کارنیلیس صاحب نے غصے میں کہا کہ یہ ناممکن ہے اور وہ مجھے ایک طرف لے گئے اور مجھ سے استفسار کیا کہ تم یہ بات ان کی بے جا حمایت میں کیوں کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا سر، وہ فیڈریشن کی بجائے جس لفظ کنفیڈریشن کا مطالبہ کر رہے ہیں، یہ ان کے تحریر شدہ چھ نکات میں شامل نہیں ہے اور باہر بنگالیوں کا سارا اکٹھ ان تینوں افراد اور چھ نکات پر بھی یقین رکھتا ہے، آپ ان سے صرف یہ مطالبہ کیجئے کہ آپ کے کاغذات میں فیڈریشن کی کنفیڈریشن کے لفظ کی تبدیلی ممکن نہیں ہے مگر تم لوگ اس کے لئے تحریری طور پر ہمیں اس تبدیلی کے بارے میں لکھ دو اور جب اس بات کا باہر اعلان کیا جائے گا تو دیکھیں پھر لوگ ان کا کیا حال کرتے ہیں۔ چنانچہ کارنیلس صاحب نے وہ فائل تاج الدین صاحب کے سامنے رکھ دی کہ ٹھیک ہے فیڈریشن کو کنفیڈریشن میں تبدیلی کرنے کا مطالبہ آپ تحریری طور پر لکھ کر دیں۔ اس پر تاج الدین بدک گئے اور وہ اس مطالبے سے دست کش ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا جو اکنامک ایشوز پر تھا۔ وہ لوگ (مشرقی پاکستان کی مذاکراتی ٹیم) یہ چاہتے تھے کہ اب جو بھی غیر ملکی امداد ملے اسے Provincial subject بنایا جائے۔ میں نے کہا یہ ممکن نہیں ہے، کیونکہ آپ نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ خارجہ پالیسی مرکز کے تحت ہو گی۔ اصل الفاظ یہ ہیں:

Foreign Policy will be Central Subject

اس صورت میں فرض کیا پاکستان کا ایک ونگ اگر فارن ایڈ اسرائیل سے لیتا ہے اور چین کی ایڈ لینے سے انکار کر دیتا ہے تو پاکستان کی فارن پالیسی کہاں کھڑی ہو گی؟ پاکستان یو این او کی مختلف مالی ایجنسیوں کا رکن ہے مثل ورلڈ بنک، ایشین بنک وغیرہ۔ ایڈ لیتے وقت پاکستان کی نمائندگی کون کرے گا؟ مشرقی پاکستان یا مغربی پاکستان؟ جب کوئی ادارہ کسی بھی ملک کو مالی قرض دیتا ہے اور مرکزی حکومت اس کے لئے گارنٹی فراہم کرتی ہے اگر آپ کا یہ مطالبہ کہ مالی امداد کے معاملات کو صوبائی بنا دیا جائے، تو گارنٹی فراہم کرتے وقت پاکستان کی مرکزی نمائندگی کہاں سے ہو گی؟ اور

بین الاقوامی ادارے کیا مشرقی یا مغربی پاکستان کسی ایک بازو کی گارنٹی تسلیم کر لیں گے جو ایک ناممکن بات ہے۔۔۔۔۔ اتنا کہہ کر میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ مالی امداد اور قرض کے معاملات کو مرکز کے تحت ہی رہنے دیجئے اور یوں ہے کہ آئین میں ایک تبدیلی کروا لیجئے کہ پاکستان بین الاقوامی مالی اداروں سے جو بھی ایڈ حاصل کرے گا، اس کا باون فیصد حصہ مشرقی پاکستان کو اور اڑتالیس فیصد حصہ مغربی پاکستان کو ملے گا۔ اس پر تاج الدین کہنے لگے ہم مرکزی حکومت پر اعتبار نہیں کرتے۔

(We do not have trust in Central Government)

میں نے کہا کہ کون سی سنٹرل گورنمنٹ؟ بھئی نئی سنٹرل گورنمنٹ میں آپ باون فی صد ہوں گے۔ انتظامیہ کا باون فیصد حصہ آپ کے پاس ہوگا۔ ایک صورت میں اگر آپ کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے آپ پر اعتبار نہیں آ رہا تو میرے پاس اس مرض کا علاج کوئی نہیں؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ لیکن میں نے مزید کہا کہ آپ کو مزید یقین اور اعتبار دلانے کے لئے ہم ابھی ایک اور پیپر لکھنے کے لئے تیار ہیں کہ نئی سنٹرل گورنمنٹ میں غیر ملکی امداد کے حصول کے پورٹ فولیو کا وزیر مشرقی پاکستان سے ہوگا۔ میں مزید آگے ایک اور قدم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ مرکز میں اس شعبے کا مرکزی سیکرٹری بھی مشرقی پاکستان اور آپ کی پارٹی سے ہوگا۔ یہ سن کر تاج الدین پر تو اوس پڑ گئی مگر نذر الاسلام اور بی ڈبلیو چوہدھر کی بیک زبان بولے، مسٹر احمد، آپ جو باتیں ہمیں بتا رہے ہیں، یہ تو ہمارے ذہن میں تھیں ہی نہیں، اس پر بعد میں بات ہوسکتی ہے۔ میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ وہ خود کو کارنرڈ محسوس کرنے لگے ہیں۔ ان کا دوسرا مطالبہ تھا کہ ملک میں دو اسٹیٹ بینک ہونے چاہئیں۔ مغربی پاکستان اسٹیٹ بینک اور مشرقی پاکستان اسٹیٹ بینک۔ میں نے کہا کہ اگر یہ مطالبہ نام کی حد تک ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر آپ اس کے علیحدہ علیحدہ فنکشن کا تصور لئے بیٹھے ہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ کرنسی اور مالی امداد کے امور کو سنٹرل گورنمنٹ کا سبجیکٹ تسلیم کر رہے ہیں تو

دونوں ونگز کا ایک ہی مشترکہ اسٹیٹ بینک ہوگا۔ میری تجویز اس ضمن میں یہ ہے کہ آپ ایک بورڈ آف ڈائریکٹرز بنائیں جو دونوں حصوں پر گہری نظر رکھے اوراس میں ایک قدم اورآگے بڑھایا جا سکتا ہے کہ اس سنٹرل بورڈ کا چیئرمین مشرقی پاکستان سے لیا جائے اور یہ مستقل آسانی ہواوراس کی سربراہی بھی مشرقی پاکستان کے پاس رہے ان کا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ سنٹرل گورنمنٹ کوٹیکس نافذ کرنے اور وصول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ میں نے کہا کہ پوری دنیا میں مجھے کوئی ایک بھی ایسی فیڈریشن نظر نہیں آتی جس کی سنٹرل گورنمنٹ کوٹیکس کا اختیار نہ ہو۔ یہ تو ایک ضرورت ہے جسے آئین کالازمی ترین حصہ بنایا گیا ہےاوراس سے کوئی مفر نہیں۔ پاکستان کے دونوں حصوں کی تازہ ترین اقتصادی صورتحال پر تیارکردہ میرے پیپرز کا مطالعہ کرنے کے لئے اس دوران دومرتبہ ورلڈ بنک کے سینئر ملازمین میرے پاس آئے۔ ہمارے جب مذاکرات ہورہے تھےتو ذوالفقارعلی بھٹو ڈھاکہ کے گورنمنٹ ہاؤس میں بیٹھے تھے اور وہیں رہائش پذیر تھے۔شام کوگورنمنٹ ہاؤس میں وہ مجھے ملےتو چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ بھئی آپ نے شیخ مجیب اوران کی پارٹی کے فارمولے کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے کہ وہ بہت خوش نظر آرہے ہیں۔اس کے ساتھ ہی کہنے لگے:

"Mr Ahmad! I am very sorry that my boys were misleading me in your reference. I have heard that today you represented Pakistan's Case very fairly and Wisely".

ایک طویل وقفے کے لئے ایم ایم احمد خاموش ہو گئے جیسے وہ ہانپ رہے ہوں اور تاریخِ پاکستان کے لخت لخت واقعات کولوحِ ذہن سے اتارنے اورانہیں ہمت سے سنانے کے لئے اپنی توانائی مجتمع کررہے ہوں۔ پھرانہوں نے ایک عجیب واقعہ سنایا:''23مارچ کوجب ہم مذاکرات کے خاتمے پر سہ پہرکوڈھاکہ کے گورنمنٹ ہاؤس پہنچےتو شیخ مجیب الرحمن جس کارمیں سوار ہوکرصدر

پاکستان کو ملنے آئے، اس پر صرف بنگلہ دیش کا پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ صورت دیکھ کر صدر صاحب کے ملٹری سیکرٹری پریشان ہو گئے اور انہوں نے صاحب سے کہا: جناب عالی، آج 23 مارچ ہے اور آپ صدر پاکستان سے ملنے آ رہے ہیں اور آپ کی کار پر صرف بنگلہ دیش کا پرچم لہرا رہا ہے، یہ پاکستان کی توہین ہے۔ آپ اگر یہ پرچم لہرانے پر بضد ہی ہیں تو کم از کم کار کے ایک طرف پاکستان کا پرچم بھی لہرایا جانا چاہئے تھا۔ مگر شیخ مجیب مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے۔ یہ ساری گفتگو بھٹو صاحب کے سامنے ہو رہی تھی۔ وہ خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اور شیخ مجیب سب کو نظرانداز کر کے اندر صدر پاکستان یحییٰ خان سے ملنے چلے گئے۔ شیخ مجیب کی اس حرکت اور ان کے کنفیڈریشن کے مطالبے نے اس شام حالات میں خاصا تناؤ پیدا کر دیا۔ دوسرے روز 24 مارچ کو میں مذاکرات کے لئے متعین مقام پر گیا مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اور یوں یہ سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ میں اسی دن پیرزادہ ذکاء سے ملا اور ان سے کہا کہ بھئی اب میرا کام ختم ہوتا نظر آ رہا ہے۔ ہمیں واپسی کی اجازت دیجئے۔ انہوں نے مختصر سا جواب دیا: "Yes" میں نے عرض کیا کہ پھر ہم کل کراچی چلے جائیں گے۔ یہ سن کر پیرزادہ کہنے لگے مگر ابھی کیوں نہیں؟ مجھے ان کا یہ جواب گولی کی طرح لگا اور معاً میں نے محسوس کیا کہ میرے پاؤں تلے سے مشرقی پاکستان کی زمین اس طرح کھسک رہی ہے جیسے مٹھی میں بندریت ذرہ ذرہ کر کے نکل جاتی ہے۔ مجھے واضح طور پر فضا میں شدید خطرے کی بو محسوس ہونے لگی۔ چنانچہ میں اپنے دونوں ساتھیوں سرتاج عزیز اور بقائی کے پاس پہنچا اور کہا کہ چلو کراچی۔ وہ حیران کہ اتنی اچانک، بہرحال اسلام آباد پہنچ کر میں نے اپنے پرنسپل سیکرٹری مسٹر صدیقی کو بلایا اور ڈھاکہ میں گزرے تین دنوں کی رپورٹ اسے ڈکٹیٹ کروا دی تا کہ سند رہے۔ بعدازاں مشرقی پاکستان والے میری اس رپورٹ کا مطالبہ کرتے رہے جو میں نے تاج الدین وغیرہ ٹیم کے سامنے پیش کی تھی مگر اس وقت تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ 25 مارچ کو بھٹو صاحب بھی اپنی ٹیم کے ساتھ ڈھاکہ سے مغربی پاکستان پہنچ گئے اور

اس کے فوراًبعد وہاں فوجی ایکشن شروع ہو گیا۔

’’جناب، سانحہ مشرقی پاکستان کے ضمن میں تین چار نام سامنے آتے ہیں، مسز اندرا گاندھی، مسٹر بھٹو، شیخ مجیب الرحمن اور جنرل یحیٰی خاں۔ ان میں سے خصوصی طور پر اس ڈرامے کا بڑا کردار گردانا جاسکتا ہے؟

ایم ایم احمد بولے ”یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ کسی ایک نام پر آپ خصوصی طور پر انگلی نہیں رکھ سکتے۔ مگر میرا یہ خیال ہے کہ بعض بیرونی طاقتیں بھی پاکستان کو توڑنے میں واقعی ملوث رہی ہیں۔ ایک ذاتی واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں: پاکستان میں ورلڈ بینک کے ایک سینئر افسر مسٹر ڈینس کام کر رہے تھے۔ انہوں نے انہی دنوں مشرقی پاکستان کا دورہ کر کے ایک طویل سٹیٹ منٹ جاری کر دی جو مشرقی پاکستان کی دھماکہ خیز صورتحال کے حوالے سے ہمارے لئے انتہائی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس سے شیخ مجیب ایسے عناصر تو یقیناً خوش ہوئے۔ بہر حال اس بیان کے شائع ہوتے ہی صدر صاحب یحیٰی خان نے مجھے اپنے پاس بلایا اور انتہائی غصے کے عالم میں ورلڈ بینک کے اس افسر کا نام لے کر کہا کہ اک باسٹرڈ کو پرسونا نان گریٹا قرار دے کر ملک سے نکال دو۔ میں نے صدر صاحب سے عرض کیا کہ پہلے مجھے اس سے ملنے دیئے، چنانچہ میں اس سے ملا اور اسے کہا کہ ورلڈ بینک کے ملازم کی حیثیت سے انہیں پاکستان کے سیاسی اور داخلی معاملات پر تبصرہ آرائی کی قطعی اجازت نہیں۔ اس نے معصوم بن کر کہا کہ کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ تم سب کچھ جانتے ہو اور میں چند روز میں ورلڈ بینک کے ذمہ داروں سے تمہارے حوالے سے خصوصی طور پر ملنے والا ہوں۔ واپس آ کر صدر صاحب سے میں نے کہا کہ چند روز میں میں واشنگٹن جارہا ہوں۔ میں واشنگٹن پہنچا تو ورلڈ بینک کے صدر مسٹر میکنا مارا سے ملا اور ان سے کہا کہ میرے پاس ٹھوس شواہد ہیں کہ آپ کا نمائندہ مسٹر ڈینیس مشرقی پاکستان کے اخباروں کے رپورٹروں اور ایڈیٹروں کو اپنے ہاتھ سے ہدایات جاری کرتا ہے۔ میری بات سن کر میکنا مارا بہت پریشان ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اس

صاحب کو نہ صرف پاکستان سے نکل جانے کا حکم سنا دیا بلکہ اس کی معطلی کے احکامات بھی جاری کر دیئے۔اس واقعہ کے پس منظر میں، مَیں کہہ سکتا ہوں کہ مشرقی پاکستان کے حالات کو بگاڑنے کے لئے اور اسے پاکستان سے جدا کرنے کے لئے کئی ممالک کی خفیہ ایجنسیاں بھی گھناؤنا کردار ادا کر رہی تھیں''۔

شیخ مجیب کے خلاف اگرتلہ سازش کا مقدمہ بنا۔آپ کے نزدیک یہ کیا تھا؟''

ایم ایم احمد کہنے لگے:"مَیں اس سے بخوبی آگاہ نہیں ہوں مگر کیبنٹ میٹنگیں جو اس حوالے سے ہوئیں، وہ باتیں مجھے یاد ہیں۔ایک میٹنگ میں کہا گیا کہ اگر شیخ مجیب Guilty ہوں، تو بھی رہا نہ کئے جائیں۔پھر کہا گیا کہ وہ خطا کار نہیں ہیں، انہیں فی الفور رہا کر دیا جائے۔ایک میٹنگ میں ممتاز دولتانہ نے کہا کہ انہیں پیرول پر رہا نہ کیا جائے بلکہ ان کی رہائی conditional ہونی چاہئے..............مگر بعدازاں وہ رہا بھی کر دیئے گئے اور یہ رہائی مشروط بھی نہیں تھی۔

''آخری موقع پر ان کی رہائی میں مرکزی کردار کس نے ادا کیا؟''

''بھٹو نے'' ایم ایم احمد بولے" بھٹو صاحب نے تو رہائی کے وقت شیخ مجیب کو بھاری بھر کم فارن ایکسچینج بھی دیا تھا۔انہیں لندن کے راستے ڈھاکہ پہنچایا گیا۔خیال ہے کہ بھٹو اور مجیب کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ شیخ صاحب دونوں بازوؤں کی Recoincellation کے لئے کام کریں گے۔ڈھاکہ پہنچ کر شیخ مجیب کو ان کی توقع کے برعکس خوش آمدید کہا گیا۔ان کے ساتھیوں نے انہیں پاکستانی فوج کے مظالم کی خودساختہ کہانیاں سنا کر برین واش کیا۔وہ اس طرح غصے میں آ گئے اور بھٹو صاحب سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے تمہارے درمیان جو کمٹمنٹ ہوگئی تھی، وہ اب Feaseable نہیں رہی۔

''ان دنوں ڈاکٹر محبوب الحق آپ کے ساتھ ہی ہوا کرتے تھے؟''

محبوب الحق پلاننگ کمیشن میں میرے چیف اکانومسٹ تھے۔اور سرتاج عزیز اسی شعبے میں

چیف آف دی انٹرنیشنل ڈویژن کے عہدے پر کام کرتے تھے۔ بعدازاں محبوب الحق ورلڈ بینک میں چلے آئے مگر وہ کسی اہم عہدے پر فائز نہیں تھے۔ بہت عرصہ بعد میں بھی ورلڈ بینک میں آ گیا۔

آپ کا عہدہ کیا تھا؟''۔

ایگزیکٹو ڈائریکٹر۔ میں واشنگٹن میں تھا کہ مجھے بھٹو صاحب ملے۔ وہ وزیراعظم پاکستان کی حیثیت سے آئے تھے۔ایک روز ان کے اعزاز میں ایرانی سفیر نے ایک پرتکلف عشائیہ دیا۔ مجھے بھی مدعو کیا گیا۔ میں وہاں پہنچا تو مجھے بھٹو صاحب نے کہا کہ کوئی اچھا سا اکانومسٹ مجھے دو۔ میں نے کہا کہ اگر آپ کو اس کی خواہش ہے تو آپ حکومت پاکستان کی طرف سے مجھے لکھئے۔وہ پاکستان پہنچے تو انہوں نے حکومت پاکستان کی طرف سے مجھے باقاعدہ خط لکھا کہ ہمیں ایک بہترین اکانومسٹ کی ضرورت ہے۔ میں نے اس آفر کے مدنظر ڈاکٹر مجبوب الحق کو پلاننگ کمیشن میں ڈپٹی چیئرمین لگایا جائے گا۔ بہرحال ورلڈ بینک کی نوکری چھوڑ کر محبوب الحق پاکستان پہنچے تو بھٹو کے وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے پھڈا ڈال دیا کیونکہ وزیر خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کا عہدہ بھی ان کے پاس تھا۔انہوں نے لکھا کہ چونکہ آپ بیک ڈور سے آئے ہیں، اس لئے اس عہدے کو جائز ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بھٹو صاحب کی جگہ بائی الیکشن کروائیں اور وہاں محبوب صاحب آپ کامیاب ہوں،. پھر آپ کو یہ عہدہ دیا جا سکتا ہے۔اس پر محبوب الحق اتنے دل برداشتہ تھے کہ انہوں نے فوراًورلڈ بنک کے صدر سے بات کی اور ان سے معذرت کی کہ مَیں آپ کی نوکری چھوڑ کر پاکستان آ گیا، اب میں دوبارہ بینک جوائن کرنا چاہتا ہوں۔اس دوران حکومت پاکستان اور بھٹو کے روکنے کے باوجود وہ امریکہ آنے کے لئے پر تولتے رہے۔ 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تو میں بھی امریکہ سے لاہور پہنچا۔ بھٹو صاحب نے مجھے بلایا۔ وہاں میں نے ان سے گلہ کیا کہ آپ لوگوں نے یہ محبوب

الحق سے کیا سلوک کیا ہے؟ وہ بولے، یہ محبوب بہت بے صبرا ہے۔ محبوب کو فنانس منسٹری میں ایک بڑا عہدہ دے دیا گیا تھا مگر اس کے باوجود وہ روٹھے روٹھے سے تھے۔ میں نے محبوب کے دفتر میں فون کیا کہ میں آیا ہوں، مجھے ملو۔ دفتر سے جواب ملا کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ میں نے اپنا نام چھوڑ دیا۔ پھر وہ فوراً مجھے ملنے بھی آ گئے اور آتے ہی اپنی کتھا سنانی شروع کر دی۔ بہر حال قصہ مختصر محبوب الحق صاحب واپس ورلڈ بینک میں آ گئے۔ چند سال بعد جب بھٹو صاحب کا تختہ الٹ کر جنرل ضیاء الحق اقتدار میں آئے تو محبوب الحق پھر میرے پاس آئے۔ وہ حکومت پاکستان میں وزارت اقتصادیات میں ملازمت کے خواہاں تھے۔ ان دنوں غلام اسحاق خان، جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھے اور امریکہ کے بھی دوست تھے۔ میں نے محبوب الحق سے کہا کہ میں ضیاء الحق کو تو نہیں جانتا لیکن غلام اسحاق خان سے ضرور بات کروں گا۔ میں پاکستان گیا تو اسحاق صاحب سے تفصیلی ملاقات ہو گئی اور پلاننگ کمیشن کی تشکیل نو کے حوالے سے باتیں بھی ہو گئیں۔ اس ملاقات کے دوران میں نے انہیں قائل کر لیا کہ محبوب الحق ایسے شخص کی اس وقت پاکستان کو ضرورت ہے۔ اس دوران محبوب الحق اتنے بے صبرے ہو رہے تھے کہ فوراً پاکستان آ کر پلاننگ کمیشن کے چیئرمین کا بلند عہدہ گرفت میں لے لینا چاہتے تھے۔ غلام اسحاق خان صاحب نے اپنے مخصوص مزاج کے تحت دھیرے دھیرے صدر جنرل ضیاء الحق کو قائل کر لیا اور یوں محبوب الحق پلاننگ کمیشن کے چیئرمین اور بعد ازاں پاکستان کے وزیر خزانہ بن گئے۔ کچھ دیر سوچتے ہوئے ایم ایم احمد دوبارہ گویا ہوئے: "محبوب الحق جنرل ضیاء الحق کی کابینہ کے وزیر خزانہ بنائے گئے تو میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ میں نے کہا کہ میں کوئی ناصح نہیں ہوں، لیکن چند باتیں، چند گُر ضرور بتاتا ہوں۔ اپنے ماتحتوں سے مہذب اور شائستگی سے پیش آنا اور بیوروکریسی کے معاملات میں ٹانگ نہ اڑانا کیونکہ پاکستان کی بیوروکریسی بہت طاقتور ہے اور تمہیں خود معلوم ہے کہ تم ضیاء کے دور میں اقتدار کے ایوانوں میں بیک ڈور سے داخل ہو رہے ہو، اس لئے کوئی ایسی حرکت نہ کرنا جس

سے بیورو کریٹ اور تمہارے کولیگ Irritate ہوں۔ تمہارے سامنے دو راستے ہیں، اول پاکستان کی سیاست کا حصہ بن جاؤ، دوم ٹیکنو کریٹ کی حیثیت سے اپنے متعینہ فرائض انجام دیتے رہو۔ مگر محبوب الحق نے میری دونوں باتوں پر عمل نہ کیا اور جونہی انہوں نے سیاست کے میدان میں بھی منہ مارنا شروع کیا، اسی روز پاکستانی اقدار کے ایوانوں میں ان کا بوریا بستر گول کرنے کی ابتداء ہوگئی۔ انہوں نے میری نصیحتوں کے برعکس غلام اسحق خان پر بھی تنقید کرنا شروع کر دی۔ ایک بار جب ان کے بجٹ کو غلام اسحاق صاحب نے ناپسند کیا تو اخبار نویسوں نے ان سے سوال کیا کہ غلام اسحاق آپ کے بجٹ سے ناخوش ہیں تو محبوب نے بھرے پریس میں غلام اسحاق کے بارے میں رمزیہ طنز کر کے Below the belt حملہ کرنے کی کوشش کی۔ یہ ان کی محسن کشی کے مترادف عمل تھا۔''

محبوب الحق صاحب تو اب بھی پاکستانی حکومت میں کسی بلند عہدے کے خواہاں نظر آتے ہیں ؟'' ایم ایم احمد نے اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کئے رکھی۔ اس دوران انہوں نے چند بار پانی کے گھونٹ پیئے اور دوبارہ خاموشی کی دبیز تہہ نے ہم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں نے ان کے چہرے کو غور سے دیکھا جہاں گزرے ہوئے شاندار وقتوں کے ان گنت نشانات مترشح تھے۔ ایم ایم احمد تن کر صوفے کے ایک کونے میں پرانی طرز کے ایک خوبصورت قطع کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھے۔ ان کی فرنچ کٹ ڈاڑھی کے بالوں کو رنگ کیا گیا تھا مگر اب یہ رنگ قدرے پھیکا پڑ گیا تھا۔ ان کے چہرے پر اُس کے آثار بھی نمایاں تھے۔ چہرے کی جلد زردی مائل تھی اور جھریوں میں بے نام اداسی نے مستقل ڈیرے جما لئے تھے۔ آنکھوں کے نیچے گوشت کی ننھی ننھی تھیلیاں لٹک رہی تھیں اور پورے چہرے پر بڑھاپے کی باوقار زردی چھائی ہوئی تھی مگر ان کا لہجہ گرج دار تھا اور یادداشت بے پناہ۔ مجھے اس لئے قدرت اللہ شہاب اور ان کی سوانح عمری ''شہاب نامہ'' یاد آ گئی۔ اور چند سال قبل الطاف گوہر سے کیا گیا میرا مکالمہ بھی میرے اپنے کانوں

میں گونجنے لگا جب میں نے الطاف گوہر سے ''شہاب نامہ'' پر تبصرہ کرنے کے لئے کہا تو انہوں نے برجستہ کہا تھا کہ ہاں یہ کتاب کراچی سے شائع ہونے والے ڈائجسٹوں میں شائع ہونے کے لئے ایک بہترین کتاب ہے۔ اور قدرت اللہ شہاب، الطاف گوہر سمیت ایم ایم احمد کے بھی ہم عصر تھے۔ اسی پس منظر میں، میں نے ان سے قدرت اللہ شہاب کی شخصیت اور ان کی سوانح عمری کے بارے میں تبصرہ کرنے کو کہا تو ایم ایم احمد یوں گویا ہوئے: میں نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ زبان کے لحاظ سے وہ ایک عمدہ تصنیف ہے مگر واقعات کے اعتبار سے جھوٹ کا پلندہ نہیں ہے تو اس سے کم بھی نہیں ہے۔ غلط بیانی بہت ہے۔ طفلانہ واقعات کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ شہاب صاحب نے اس ''شہاب نامہ'' میں جو واقعہ یحییٰ خان کے بارے میں لکھا ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ بیوروکریٹس سے ملے تو میں وہاں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا وغیرہ تو شہاب صاحب کا بیان کردہ یہ واقعہ بالکل جھوٹ ہے۔ مَیں بھی اس میٹنگ میں موجود تھا۔ یہ درست ہے کہ یحییٰ خان نے بیوروکریٹوں سے اپنی اس ملاقات میں بہت درشتی سے گفتگو کی مگر شہاب صاحب تو وہاں گم صم بیٹھے تھے۔ گفتگو کے بعد جب یحییٰ خان نے انگلی کے اشارے سے مجھے کچھ کہنے کا اشارہ کیا تو میں نے صرف اتنا کہا کہ سر بیوروکریٹ جو کچھ بھی کرتے ہیں، وہ دراصل اصولی طور پر گورنمنٹ کی وضع کردہ پالیسیوں کی تنقید ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ اگر کسی بیوروکریٹ کو گورنمنٹ کی پالیسی سے اتفاق نہیں ہے یا وہ اسے نا پسند کرتا ہے تو اس کے لئے آسان طریقہ ہے کہ وہ مستعفی ہو جائے۔ اس میں ہاتھ باندھ کر عرض کرنے کی کیا تُک بنتی ہے؟ میں نے یحییٰ خان سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ سر، اگر آپ بیوروکریسی کو بے اصولی کے راستے پر گامزن کرنا چاہتے ہیں اور اپنی مرضی کے مطابق کام کروانا چاہتے ہیں تو آپ گورنمنٹ کی پالیسیاں اپنے مزاج کے مطابق وضع کر لیں۔ بیوروکریسی اسی کے مطابق کام کرنا شروع کر دے گی''۔

ایم ایم احمد بڑی آہستگی اور متانت سے ''شہاب نامہ'' اور شہاب صاحب کی زندگی کے بارے

میں گفتگو کر رہے تھے اور مجھے ایک اور کتاب یاد آ رہی تھی: ایم۔ بی خالد کی کتاب ''ایوان صدر میں گیارہ سال''۔ جس میں خالد صاحب نے بڑی مہارت سے ''شہاب نامہ'' کا پردہ چاک کیا۔ اگرچہ تنقید کی دنیا کے معروف نقاد ''خامہ بگوش'' یعنی مشفق خواجہ نے فنی، تاریخی اور ذاتی اعتبار سے ''شہاب نامہ'' کا کچا چٹھا بیچ بازار میں کھولا ہے، اور اب مجھے ایم ایم احمد کی گفتگو حیران کر رہی تھی۔ شہاب صاحب نے یحییٰ خان کے دور اقتدار میں سرکاری ملازمت سے علیحدگی اور لندن جلاوطنی کا قصہ بڑے دلدوز انداز میں تحریر کیا ہے اور آخر میں اعلان فرمایا ہے کہ یحییٰ خان نے ان کی دین پرستی اور انہیں حق کا علَم بلند کرنے کی پاداش میں ملک سے نکال دیا اور وہ لندن چلے گئے جہاں ان کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر رفعت حالت کسمپرسی میں انتقال کر گئیں۔ میں نے ایم ایم احمد سے اس حوالے سے بھی سوال کیا تو وہ ہنستے ہوئے کہنے لگے: شہاب صاحب کمال کے افسانہ طراز ہیں۔ ہوا دراصل یہ تھا کہ جنرل پیرزادہ، کے ملٹری سیکرٹری تھے۔ ایک دفعہ ان پر دل کا حملہ ہوا۔ اس کی خبر صدر صاحب کو بھی مل گئی۔ انہوں نے فوراً ڈاکٹر جنرل محی الدین کی ڈیوٹی لگائی کہ جنرل پیرزادہ کا مکمل معائنہ کریں اور بتائیں کہ دراصل مرض کیا ہے کیونکہ میں (صدر یحییٰ خان) تو جہاں جاتا ہوں، پیرزادہ کو ملٹری سیکرٹری کی حیثیت سے میرے ساتھ جانا پڑتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے مرض کی وجہ سے اچانک ہمارے پروگرام خراب ہو جائیں۔ اور وہ خود بھی پریشان اور تکلیف میں مبتلا ہوں۔ جنرل محی الدین نے خالصتاً پروفیشنل انداز میں رپورٹ میں لکھا کہ وہ دل کے خطرناک مرض میں مبتلا ہیں اور انہیں کوئی ایسی ملازمت دینی چاہیے جہاں سرکاری کام ایک خاص لگی بندھی رفتار سے انجام پاتے رہتے ہیں۔ صدر یحییٰ نے انہیں تبدیل کر دیا اور جنرل پیرزادہ کو پرنسپل سٹاف آفیسر کا عہدہ دے دیا گیا۔ اس دوران جنرل پیرزادہ نے سوچا کہ انہیں ملٹری سیکرٹری کے عہدے سے نکالنے کے لئے پنجابیوں نے سازش کی ہے۔ چنانچہ انہوں نے پرنسپل سٹاف آفیسر تعینات ہوتے ہی الطاف گوہر اور فاروقی صاحب کو Remove کر دیا۔ اسی کی زد

میں شہاب صاحب بھی آ گئے اور انہوں نے انشاء پردازی کا سہارا لے کر بات کا بتنگڑ بنا دیا اور خود کو مظلوم کی حیثیت میں قارئین کی سامنے مدت دراز بعد پیش کر دیا۔ میں تو الطاف گوہر کی ایما پر، ان کو Remove کرنے کے بعد، صدر یحییٰ سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ الطاف موزوں ترین آدمی ہیں، ان سے کوئی مناسب کام لیا جانا چاہیئے۔ صدر صاحب مان بھی گئے تھے مگر پھر بعض فوجی افسروں نے ان کے فیصلے کو موخر کر دیا۔ جنرل پیرزادہ کی بندوقوں کا رخ میری طرف بھی تھا مگر وہ بوجوہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ یحییٰ خان کی بعض لوگوں نے ایک غیر انسانی تصویر پیش کی ہے۔ مگر اس ضمن میں، میں ایک مختلف واقعہ سناتا ہوں: پلاننگ کمیشن کی ایک انتہائی اہم میٹنگ ہونے والی تھی۔ اس دوران میری والدہ شدید بیمار ہو گئیں۔

مَیں نے صدر صاحب سے عرض کیا کہ میری جگہ چیف اکانومسٹ اس میٹنگ میں نمائندگی کر لیں گے۔ صدر صاحب نے یہ سن کر اطمینان سے کہا، نہیں، آپ اس میٹنگ کو موخر کر دیں، آپ والدہ کی عیادت کو جائیں اور واپسی پر میٹنگ کر لیں گے۔

مگر قدرت اللہ شہاب نے تو اپنی کتاب میں یحییٰ کو تھری ڈبلیو کا خطاب دیا ہے؟''

'' بکواس'' ایم ایم احمد نے ناگواری سے کہا۔

سر میجر ایس جی جیلانی کی کتاب Fifteen Governers i served with میں بھی جنرل یحییٰ خان کی ذاتی کردار کے لحاظ سے کوئی مستحسن تصویر کشی نہیں کی گئی؟'' میں نے ایک اور سوال داغ دیا۔

جناب ایم ایم احمد نے خاموش رہنے کو ترجیح دی۔ میں نے پھر پوچھا: آپ نے ڈاکٹر محبوب الحق کے ذکر میں غلام اسحاق خان کا ذکر کیا۔ آپ ان کے بارے میں کچھ بتائیے کہ وہ بھی ایک ماہر اقتصادیات اور بیوروکریسی کے ایک نامور فرد رہے ہیں؟

''مَیں غلام اسحاق خان سے با قاعدہ سب سے پہلے 1948ء میں پشاور میں ملا تھا۔ احمد

صاحب بولے” بعدازاں پاکستان کا دارالحکومت جب کراچی میں تھا، وہاں ان سے متعدد ملاقاتیں رہیں۔ میرے خیال میں وہ پاکستان کے ذہین ترین بیوروکریٹوں اور دیانت دار ماہر مین اقتصادیات میں شامل رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستان کی معیشت کے بڑے نشیب وفراز دیکھے ہیں۔ایک زمانے میں ہم ہر صبح باقاعدگی سے ملا کرتے تھے۔ ہوایوں کہ غلام اسحاق خان اس وقت سیکرٹری اری گیشن وڈویلپمنٹ تھے۔ فاروقی صاحب چیف سیکرٹری تھے اور میں ایڈیشنل فنانس سیکرٹری تھا۔ ویسٹ پاکستان کے حوالے سے بہت سا کام کرنے والا تھا۔ایسے میں ایک روز صدر صاحب نے کہا کہ کبھی فاروقی صاحب سارے سندھ کے ماہر تھے، محبوب الحق صاحب فرنٹیئر کے اورایم ایم احمد پنجاب امور کے ماہر ہیں، اس لئے منصوبہ سازی میں کوئی مسلم رہنا نہیں چاہئے۔ میں بہت سے واقعات کا گواہ ہوں کہ بین الاقوامی اداروں کے سربراہوں اور ملک کے حکمرانوں کے سامنے غلام سحاق خاں صاحب نے اپنی مرتب کردہ رپورٹیں ایسے احسن انداز میں پیش کیں کہ وہ لوگ عش عش کر اٹھے۔ ان کا عظیم کردار یہ بھی رہا ہے کہ انہوں نے بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی طرف سے پیش کردہ اعلیٰ عہدوں کو زندگی بھر قبول نہ کیا اور اپنے وطن ہی میں رہ کر خدمات انجام دیتے رہے۔

صدر ایوب خان کے زمانے میں ان کی کامیابیوں اور کامرانیوں“ کا ایک جشن بھی منایا گیا جس میں انہیں بڑھا چڑھا کر اور ایک دیوتا کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔شنید ہے کہ یہ منصوبہ محترم الطاف گوہر کا تھا؟“

بالکل درست ہے“۔ایم ایم احمد نے کہا یہ انہی کا منصوبہ تھا۔ الطاف گوہر بڑے ذہین ہیں۔لکھ بھی اچھا لیتے ہیں مگر اس جشن کی پیش کاری میں انہوں نے جو کچھ کیا، اس سے ان کی شہرت کو ایک داغ سا ضرور لگا“۔

ایوب خان کی سوانح عمری ”فرینڈز ناٹ ماسٹرز“ کا منصوبہ بھی شنید ہے کہ الطاف گوہر کا تھا؟“

''منصوبہ تو الطاف گوہر صاحب کا نہیں تھا'' احمد صاحب بولے'' مگر یہ اسائنمنٹ صدر ایوب خان نے الطاف گوہر کے سپرد کی تو پھر ساری لکھائی پڑھائی انہوں نے ہی انجام دی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صدر ایوب الطاف گوہر کے زیر اثر تھے۔ کسی حد تک یہ بھی درست ہے۔ وہ اس طرح کہ گوہر صاحب competent سول سرونٹ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ صدر ایوب کے تفویض کردہ فرائض کو پورا کیا۔ اوران کی ہر اسائنمنٹ احسن انداز میں مکمل کی''۔

الطاف گوہر کی کتاب Pakistan's first Mility Ruler,Ayub Khan آپ کی نظر سے گزری ہے؟

"ہاں اسے میں نے پڑھا ہے، بیماری کے دوران''۔ وہ بولے شروع شروع میں یہ امپریشن ابھرتا ہے کہ گوہر صاحب اپنی ذات کی پروجیکشن کے لئے یہ سارا کچھ لکھ رہے ہیں مگر جوں جوں آگے بڑھتے ہیں، یہ خیال زائل ہوجاتا ہے۔

''آپریشن جبرالٹر کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ درست ہے؟

ایم ایم احمد بولے:''فیلڈ مارشل ایوب خان آپریشن جبرالٹر کے حوالے سے کہا کرتے تھے کہ یہ Limited Activity ہوگی۔ شروع میں اس کا آپریشن بھی درست تھا۔ بعد میں جب چوبیس گھنٹے کا collapse آیا، جس میں کمان تبدیل کی گئی، اس نے پھر اسے نقصان پہنچایا کیونکہ اس دوران بھارتی افواج اپنے آپ کو ری گروپ کر چکی تھیں''۔

اب ہم پاکستان میں اٹھنے والی اینٹی احمدیت تحریکوں کی طرف آتے ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ پچاس کی دہائی شروع ہوتے ہی پاکستان میں احمدیوں کے خلاف مولویوں نے تحریک کا آغاز کردیا تھا۔ آپ یہ بتائے کہ یہ تحریک کیسے اچانک اٹھ کھڑی ہوئی؟

''اینٹی احمدیت تحریک صرف پنجاب میں اٹھی تھی اوراس کا آغاز 1953ء میں ہوا تھا۔ اس کی پشت پر ممتاز احمد دولتانہ تھے اور وہ اس تحریک کو بڑھاوا دینے کے لئے پنجاب کے ان اخبارات کو

زبردستی استعمال کر رہے تھے جنہیں پنجاب گورنمنٹ سرکاری خزانے سے نقد پیسے بطور رشوت دیا کرتی تھی''۔ ایم ایم احمد نے تحمل سے جواب دیا۔'' دولتانہ صاحب یہ اس لئے کر رہے تھے کہ وہ مرکز کو پریشان کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ان کی مرضی کے بغیر مرکزی حکومت چل ہی نہیں سکتی، چنانچہ فسادات اور انارکی پیدا کر کے وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اس انتہا کو پہنچ گئے۔ ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ وہ مرکزی وزارت عظمٰی کے بلند عہدے پر جا بیٹھیں۔ اس بار ان کے دنوں میں بجٹ آیا تو فنانس سیکرٹری کی حیثیت سے دولتانہ صاحب کی تقریر میں نے لکھی۔ دولتانہ صاحب اپنی تقریر کے معاملے میں بڑے حساس تھے۔ ان کی تقریروں کے متاثر کن پیرے ان کے اپنے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں۔ بہر حال، تقریر ان کو پیش کی گئی تو چند گھنٹوں کے بعد انہوں نے مجھے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میں نے اس تقریر میں ایک پیرا گراف کا اضافہ کیا ہے، اسے آپ دیکھ لیں۔ میں نے آہستگی سے کہا کہ آپ نے جو اضافہ کیا ہوگا، مناسب ہی کیا ہوگا۔ اس پر وہ بولے، احمد صاحب، ہمارے درمیان کوئی Misunderstanding نہیں ہونی چاہئے۔ میں نے کہا، جناب مس انڈرسٹینڈنگ تو ہے، آپ احمدیوں کے خلاف مولویوں اور اخباروں کو استعمال کر رہے ہیں۔ اس پر وہ گالی دے کر بولے، احمد، یہ بجٹ گزرنے دو، پھر دیکھنا میں ان ملاؤں سے کیا سلوک کرتا ہوں''۔

اس تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے مولانا مودودی اور مولانا عبدالستار خان نیازی وغیرہ کو سزائے موت بھی تو ہوئی تھی؟

''ہاں ہوئی تھی، مگر بعد ازاں معاف کر دیئے گئے تھے''۔ احمد صاحب بولے: ''اس سزا سے اینٹی احمدیہ عناصر پر ایک دہشت تو طاری ہوگئی تھی۔ بعد میں چونکہ اس کے فالو اپ کے لئے کوئی پالیسی نہیں بنائی گئی تھی، اس لئے یہ لوگ پھر سر اٹھانے لگے۔ اس دوران جب ان ملاؤں کو سزا ہوئی تو فوج نے بیلنس کرنے کے لئے ہمارے چچا مرزا شریف احمد صاحب اور خلیفہ ثانی کے

صاحبزادے حضرت مرز ناصر احمد اور بعد میں جو خلیفہ سوم ہوئے، انہیں بھی زندان کے حوالے کردیا۔

حکومت پاکستان کا مجموعی طور پر اس تحریک کے حوالے سے کیا کردار رہا؟“

جہاں تک خواجہ ناظم الدین صاحب کا تعلق تھا'' ایم ایم احمد بولے تو وہ کسی فوری، ضروری اور مستقل فیصلے تک نہ پہنچ سکے۔ وہ تذبذب میں رہے۔ اس بحران سے نمٹنے کے لئے کیبنٹ میٹنگ ہورہی تھی۔ ہر کوئی پوچھ رہا تھا حالات کیسے ہیں، ٹھیک بھی ہوں گے؟ اس میٹنگ میں جنرل سکندر مرزا بھی تھے جو ڈیفنس سیکرٹری تھے۔ وہ میٹنگ سے اٹھے اور باہر نکل گئے اور وہاں سے انہوں نے لاہور جنرل اعظم کو فون کیا کہ وہاں کیا صورت ہے؟ اس نے کہا کہ خراب۔ سکندر نے کہا کہ اگر آپ کو مارشل لاء کے تحت اختیارات مل جائیں تو آپ کتنی دیر میں اس خراب صورت کو درست کر سکتے ہیں؟ اعظم نے کہا کہ چوبیس گھنٹے میں، چنانچہ سکندر صاحب نے فون پر کھڑے کھڑے یہ حکم دے دیا کہ پھر کر گزرو۔ اس کے بعد وہ میٹنگ میں دوبارہ آئے اور کہا کہ میں نے جنرل اعظم صاحب سے بات کی ہے تو ان کا کہنا ہے کہ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر حالات درست کردوں گا۔ یہ سن کر سب وزراء نے اطمینان کا سانس لیا اور کسی نے بھی اس سے یہ نہ پوچھا کہ تم نے ایسا کیونکر حکم دے دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سب اس انتظار میں تھے کہ کوئی آئے اور بگڑے حالات کو ٹھیک کردے۔''

پھر تو یہ سلسلہ چل نکلا۔ اینٹی احمدیہ جذبات اور تحریکات رُکنے کے بجائے آگے ہی بڑھتی گئیں۔ بھٹو کے زمانے میں تو یہ سلسلہ Nationwide پھیل گیا۔ آخر بھٹو اپنے تمام تر سیکولر ہونے کے باوجود مذہبی اقدامات پر کیسے تُل گئے؟

آپ کے اس سوال کا جواب میں کسی اور حوالے سے دیتا ہوں''۔ ایم ایم احمد نے مستحکم لہجہ میں کہا۔ پیپلز پارٹی کے ایک سیکرٹری جنرل ہوا کرتے تھے رحیم صاحب (جے اے رحیم)۔ وہ

بھٹو کے وزیراعظم بننے کے بعد زیرعتاب بھی آئے۔ایک دفعہ وہ واشنگٹن آئے تو ان کے بیٹے نے جو ورلڈ بینک میں ملازمت کررہے تھے، مجھے بتایا کہ والد صاحب آئے ہوئے ہیں اور آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ وہ میرے پاس تشریف لاتے ، میں ان سے ملنے چلا گیا۔ ملاقات کے دوران انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ احمد صاحب، آخر بھٹو نے احمدیوں کے خلاف یہ 74/75ء میں اتنا بڑا ڈرامہ کیسے اور کیوں رچایا؟

میں نے ان سے کہا کہ میرے دو تین اندازے ہیں: جنرل پبلک امپریشن تھا کہ انتخابات میں احمدی بھٹو صاحب کو جتوا کر لائے ہیں۔اس آپریشن کو ختم کرنے کے لئے بھٹو نے اتنا بڑا قدم اٹھایا۔بھٹو کو اندازہ تھا کہ مولوی کل کلاں احمدیوں کا ایشو کھڑا کر کے اسے پریشان کرسکتے ہیں،اس لئے خطرے کو پیدا ہونے سے پہلے ہی اس نے اقدام کردیا تاکہ مولوی یہ کریڈٹ نہ لے جائیں اور اس کی ساکھ خراب نہ ہونے پائے۔بھٹو صاحب کی یہ جبلت تھی کہ وہ ہر منظم گروہ، ادارے یا انسٹی ٹیوٹ کو اپنے سامنے اور مدمقابل دیکھنے کے روادار نہ تھے۔خواہ یہ ادارہ انسٹی ٹیوٹ یا گروہ سر کاری ہو یا غیر سرکاری۔اسی جبلت کے تحت انہوں نے پلاننگ کمیشن کو برباد کیا۔ بیوروکریسی کا مورال توڑا۔ان منظم ایجنسیوں کو توڑ پھوڑ کا شکار بنایا جو انہیں اقتدار میں لائی تھیں اور ان افراد کو بھی رسوا کیا جو ان کے پرانے ساتھی تھے۔اسی سوچ کے تحت ان کا خیال تھا کہ احمدی ایک منظم جماعت کا نام ہیں ممکن ہے کل کو یہ بھی خطرہ بن جائیں، چنانچہ بڑی وحشیانہ قوت کے ساتھ وہ ان پر بھی حملہ آور ہوئے۔میرے دلائل سن کر رحیم صاحب نے کہا کہ نہیں، اس کے علاوہ بھی ایک بات ہے۔ میں نے کہا وہ کیا؟ کہنے لگے بھٹو صاحب جب وزیراعظم بن گئے تو انہوں نے کہا کہ پاکستان ایک چھوٹے کینوس کا ملک ہے اور میں تو بڑے کینوس کا سیاست دان ہوں۔ چنانچہ اپنے آپ کو بڑے کینوس کا سیاستدان ثابت کرنے کے لئے پہلے تو انہوں نے غیر وابستہ ممالک کی تنظیم Non aligned movement لیڈر بننے کی کوشش کی مگر اس میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا

پڑا کیونکہ اس میدان میں انڈیا بہت آگے تک کام کر چکا تھا۔ نہرو، سوکارنو اور ناصر نے یہ تحریک شروع کی تھی۔ ان لوگوں نے بھٹو کی دال نہ گلنے دی۔ یہاں سے نامراد ہو کر بھٹو صاحب نے دیکھا کہ ان عرب ریاستوں کے پاس بہت دولت آ گئی ہے اور سیاسی فہم اور سمجھ بوجھ ان کے پاس ہے نہیں، چنانچہ انہوں نے لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس کروا ڈالی۔ اس کانفرنس میں دو بڑے اسلامی ممالک نے بھٹو صاحب کو یقین دلایا کہ اگر تم احمدیہ تحریک کو ختم کر ڈالو تو ہم تمہاری پشت پر ہیں، چنانچہ اس سے بھٹو کے ذہن میں احمدیوں کے خلاف جھپٹنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کا کونہ کونہ احمدیوں کے خلاف نفرت میں جلنے لگا۔ یوں بالآخر پارلیمینٹ میں وہ قانون پاس کروالیا گیا جس کے تحت احمدیوں کو اقلیت قرار دے دیا گیا۔ اس سلسلے میں مولویوں نے بھی بھٹو صاحب کو یہ پٹی پڑھائی کہ ایسا کر کے تم ہمیشہ کے لئے عوام کے دلوں میں گھر کر جاؤ گے"۔

ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر بھی تو ایک ہنگامہ ہوا تھا جس کی وجہ سے اینٹی احمدیہ جذبات رکھنے والوں کو اور زیادہ تحریک ملی؟

''ہاں یہ درست ہے کہ وہاں یہ واقعہ ہوا ایم ایم احمد بولے: ''مگر اس واقعہ کو پاکستانی اخبارات نے جس طرح مولویوں کے زیر حکم پینٹ کیا، وہ نادرست تھا۔ کراچی جاتے ہوئے لڑکوں نے ربوہ اسٹیشن پر احمدیوں کے خلاف انتہائی گندی زبان استعمال کی۔ واپسی پر پھر ویسی ہی حرکت کی۔ پھر ردعمل میں کلیش ہو گیا۔ مگر یہ غلط ہے کہ ان کی زبانیں کاٹ دی گئیں۔ یہ محض جعلی خبریں اور پروپیگنڈہ تھا"۔

بھٹو صاحب نے احمدیوں کو اقلیت قرار دینے کے لئے جو قانون پاس کیا، اس پر آپ کا آج بھی کیا تبصرہ ہے؟

''آج ہم اس پر کیا تبصرہ کر سکتے ہیں؟'' ایم ایم احمد نے تاسف گیر لہجے میں کہا: "مجھے رفیع رضا

نے بتایا کہ ابھی پارلیمینٹ نے یہ قانون پاس نہیں کیا تھا، ایک روز میں نے بھٹو صاحب سے کہا کہ آپ پبلک کے دباؤ کے تحت جو کچھ کر رہے ہیں، درست نہیں اور پھر ان لوگوں کے خلاف کر رہے ہیں جنہوں نے قدم قدم پر آپ کی مدد کی۔ رفیع رضا کہتے ہیں کہ بھٹو خاموش رہے تو میں نے کہا کہ اگر احمدیوں کے خلاف قانون پاس ہو گیا تو آپ کو دنیا کے سب سے بڑے احسان فراموش انسانوں میں شمار کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ بھٹو ایک احسان فراموش انسان تھے اور جن لوگوں کو خوش کرنے کے لئے وہ یہ ڈرامہ رچا رہے تھے، وہی دراصل ان کے دشمن بنے اور انہی لوگوں نے ان کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا۔ عرصہ دراز بعد 7 جنوری 1977ء کو میری ان سے اسلام آباد میں ملاقات ہوئی۔ یہ ملاقات دراصل پانچ جنوری کو ہونی تھی مگر اس روز وہ لاڑکانہ چلے گئے۔ وہیں انہوں نے الیکشن اور لینڈ ریفارمز کا اعلان کیا۔ بھٹو صاحب لاڑکانہ سے اسلام آباد پہنچے تو وزیر اعظم ہاؤس میں میری ان سے طویل ملاقات ہوئی۔ پہلے تو لاڑکانہ میں لینڈ ریفارمز کے اعلان کے بارے میں بتانے لگے کہ اس سے ہمارے خاندان کی زمینیں بھی چلی جائیں گی۔ میرے خاندان والے مجھ سے ناراض ہیں لیکن ان زمینوں کی کیا حیثیت ہے، ملک میں ترقی ہونی چاہئے۔ پھر اچانک میرا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے، احمدیوں کے خلاف جو کچھ ہوا اور انہیں جس طرح اقلیت قرار دیا گیا، یہ بہت برا ہوا، یہ میری مجبوری بن گئی تھی۔ اگر ایسا میں نہ کرتا تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ بھٹو صاحب کہنے لگے کہ اب الیکشن آنے والے ہیں، آپ اپنے حضرت صاحب سے کہیں ہماری مدد کریں۔ بھٹو نے بڑے عجیب انداز میں مجھے کہا کہ ہم بُرے ہوں گے مگر جماعت اسلامی والوں سے تو زیادہ برے نہیں ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں حضرت صاحب سے ملوں گا تو آپ کا پیغام ان تک پہنچا دوں گا، وہ جو چاہیں گے، فیصلہ کر دیں گے اور وہی ہم سب کو منظور ہو گا۔ بہر حال میں نے امریکہ آنے سے قبل لاہور ائر پورٹ ہی سے حضرت صاحب سے فون پر بات کی اور انہیں بھٹو صاحب سے اپنی ملاقات اور ان کے پیغام کا احوال سنا دیا۔ تو یہ تھا 74/75ء کے

دور کا زمانہ اور احمدیوں کے خلاف بھٹو کا کردار اس سب کے باوجود اگر آپ میرے اس تجزیئے کو غور سے پڑھیں جو میں نے رحیم سے گفتگو میں کیا، وہی اصل ہے۔ بھٹو لیڈر شپ حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور یہ قطعی ناممکن تھا کہ عرب کے دولتمند حکمران اپنا پیسہ بھی خرچ کریں اور پلیٹ میں رکھ کر لیڈر شپ بھی بھٹو کو دے دیں اور خود اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیں۔

بھٹو کی پھانسی پر آپ نے کیا محسوس کیا؟ کیا یہ سزا جائز بھی تھی؟'' میں نے پوچھا۔

ایم ایم احمد بولے:'Personaly I was shocke' اگر بھٹو واقعتاً قتل میں ذاتی طور پر بھی ملوث ہوتے، تب بھی ان کو موت کی سزا دینا غیر مناسب تھا۔ زیادہ سے زیادہ انہیں عمر قید کی سزا دی جا سکتی تھی۔ مگر مقدمے کے دوران بھٹو کی Loose talk نے بھی ان کا بیڑہ غرق کیا۔ شروع شروع میں جنرل ضیاء نے بھٹو سے راولپنڈی میں اچھا سلوک کیا تھا۔ مگر بھٹو صاحب اپنی بے رحمانہ گفتگو سے باز نہ آئے۔ مجھے اسلام آباد میں اعلیٰ ذرائع نے بتایا کہ بھٹو راولپنڈی میں قید تھے اور نسبتاً آرام سے نظر بند قسم کے قیدی تھے۔ ان دنوں انہوں نے اپنے ایک انتہائی قریبی دوست سے کہا کہ میں رہا ہو کر اور دوبارہ اقتدار میں آ کر جنرل ضیاء کی مونچھوں سے اپنے جوتے کے تسمے بناؤں گا۔ یہ بات اُن صاحب نے جنرل ضیاء کو آ کر بتا دی۔ یہاں سے جنرل ضیاء نے ٹھان لی کہ اس شخص کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔ اور پھر تھوڑے عرصہ بعد مقدمے کے چکر میں بھٹو صاحب کا خاتمہ کر دیا گیا۔ یہ ایک ظالمانہ فیصلہ تھا۔ مَیں اس پر ہمیشہ افسوس کا اظہار کروں گا۔ چیف جسٹس مولوی مشتاق جس نے بھٹو کو سزائے موت سنائی، میرے واقف کار تھے۔ میری سرکاری ملازمت کے آخری دنوں میں وہ لاء سیکرٹری ہوا کرتے تھے۔ جب میں امریکہ آیا تو مجھے تواتر سے خطوط لکھے کہ میرے لئے بھی کوئی ملازمت ڈھونڈو۔ بھٹو کی موت کے بعد میں لاہور آیا تو ماڈل ٹاؤن میں ان کے گھر میں میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر کوئی ایکس وائی کے کہنے پر قتل کر دیتا ہے تو ''وائی' کو زیادہ سے زیادہ سزا نہیں دی جا سکتی مگر مولوی مشتاق اپنے برحق ہونے کی

بڑی Justifications دیتے رہے۔

جنرل ضیاءالحق کے دورحکومت اوران کے کارناموں پرتبصرہ؟''

''جنرل کے ایم عارف کی کتاب working with zia میں ہے کہ کسی نے درانی سے پوچھا کہ جنرل ضیاء کے سٹرانگ پوائنٹ کیا ہیں تو اس نے کہا Humility اور پوچھا کہ کمزور پوائنٹ کیا ہیں، کہا Hypocracy تو ضیاء صاحب دودو ہاتھوں سے تو ملتے تھے مگر اندرخانے ملنے والوں کی جڑیں کاٹتے تھے۔ان کے زمانے میں پاکستان کو سیاسی، سماجی اور اقتصادی محاذ پر اتنا نقصان پہنچا کہ آپ لوگ ابھی تک اس کا اندازہ نہیں کرسکتے۔ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اردو پریس، جو پاکستان کا غالب پریس ہے، میں چند معروف ایسے اخبارنویس مل گئے تھے جوان کی ہر قوی بدفعلی کو امیرالمومنین کا درست اور اسلامی کارنامہ بنا کر پیش کرتے تھے۔ضیاءالحق نے دانستہ مولوی اورفوج کو اپنی Constituency بنانے کی تگ ودو کی اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے۔مگرقومی سطح پر اس ہوس نے پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ضیاء نے اقلیتوں کو جس طرح مذہب کے نام پر دبایا، وہ پاکستانی تاریخ کا ایک زہرناک، افسوسناک اور انتہائی تاریک باب ہے''۔

مگرلوگ توانہیں پاکستان میں اسلامائزیشن اور جہادِافغانستان کا ہیروخیال کرتے ہیں؟

کرتے ہوں گے مگرحقیقت یہ ہے کہ انہوں نے افغانستان میں جوکردار ادا کیا، وہ پاکستان یا اسلام یا جہاد کے لئےنہیں تھا۔دراصل ضیاء ویسٹ اور امریکہ کے لئےقطعی ناقابل قبول تھے، چنانچہ انہوں نے سوویت یونین کے خلاف قدم اٹھا کرمغرب اور امریکہ کوخوش کرنے کی سعی کی۔ بعدمیں جب حالات بدلےتو انہوں نے خیال کیا کہ وسط ایشیاءاور افغانستان کوملا کر ایک بڑا ملک بنائیں گےمگر یہ احمقانہ سوچ تھی۔اپنا چھوٹا سا ملک توسنبھلتانہیں، اور بڑا بنا کر کیا کرلیتے، کیسے کرلیتے، یہ محض شیخ چلی کے خواب تھے اور بس!"

جناب، آپ یہاں امریکہ کب آئے؟ 1972ء میں۔ اگست 1972ء میں۔ مَیں نے ورلڈ بینک میں ایگزیکٹوڈائریکٹر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ دنیا کے 150 ممالک کے لئے ورلڈ بینک میں بیس ایگزیکٹوڈائریکٹر کام کرتے ہیں۔ دراصل ہوا یہ کہ بھٹو صاحب وزیراعظم بنے تو انہوں نے آتے ہی جنرل علی کو پرموٹ کر دیا۔ پھر ظفر چوہدری کو ائر مارشل بنا دیا۔ ادھر میں اکنامک سائیڈ پر تیسرا احمدی اعلیٰ پوسٹ پر کام کر رہا تھا۔ اس منظر میں بھٹو صاحب نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ تین احمدی بڑے بڑے عہدوں پر آ گئے ہیں اور ادھر مولوی کی نظریں بھی ہیں، چنانچہ وہ ہم میں سے کسی ایک کو منظر سے علیحدہ کرنے کی تمنا رکھتے تھے۔ ان دنوں ورلڈ بینک کے صدر مینار پاکستان کے دورے پر آئے تو پاکستان کے سبھی اخبارات میں یہ خبر نمایاں طور پر شائع ہوئی کہ آئندہ مسٹر ایم ایم احمد کو امریکہ میں پاکستان کا سفیر بنایا جا رہا ہے۔ جس روز یہ خبر شائع ہوئی، میں اس روز میکنا مارا سے ملا، وہ گزشتہ کئی سال سے میرے دوست چلے آ رہے تھے۔ میکنا مارا نے ملتے ہی مجھے مبارکباد دی اور کہا کہ یہ اچھی خبر ہے، وہاں اکٹھے مل کر گپیں لڑایا کریں گے۔ مگر میں نے کہا جناب یہ جعلی خبر ہے۔ لیکن وہ یقین نہیں کر رہے تھے کہ ایسی خبر جعلی بھی ہو سکتی ہے۔ بہرحال مجھے اپنے ذرائع سے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ خبر بھٹو نے دانستہ اخبارات میں لگوائی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ میں ان کے پاس حاضر ہوتا اور اس پوسٹ کی درخواست کرتا اور یوں بھٹو کی مجھ سے جان بھی چھوٹ جاتی مگر میں نہ گیا۔ بعد میں ان باتوں کی رفیع رضا نے بھی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد بھٹو صاحب چین کے دورے پر جانے والے تھے تو وزارت خارجہ نے بھٹو کے ساتھ جانے والے جن افسروں کی فہرست تیار کی تھی، اس میں میرا نام نہیں تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہاں کوئی اقتصادی ڈائیلاگ تو ہونے والا نہیں تھا۔ مگر بعد میں مجھے اطلاع ملی کہ بھٹو نے اپنے ہاتھ سے میرا نام اس فہرست میں لکھا ہے۔ بہرحال ہم چین گئے تو ایک رات بھٹو صاحب نے مجھے اپنے سویٹ میں بلایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس دوستانہ ماحول میں، میں نے ان سے عرض

کی کہ اب مجھے سرکاری ملازمت سے فارغ کر دیا جائے، میں نے بڑی لمبی اننگ کھیل لی ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ شعیب صاحب کے زمانے میں انہوں نے مجھے ورلڈ بینک میں بلایا تھا مگر میں نے اپنے والدین کی بیماری کی وجہ سے وہاں جانے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر اب میں تھک گیا ہوں۔ وہ کچھ نیم رضا مند ہو گئے اور اسی سے ہمت حاصل کر کے میں نے ورلڈ بینک کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر کی پوسٹ قبول کر لی۔ میں جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ بھٹو کے وزیر خزانہ مبشر حسن نے اپنا پہلا قومی بجٹ پیش کیا۔ بھٹو نے ایک روز مجھے بلایا کہ تم اس بجٹ کو ایگزامین کرو کیونکہ سب لوگ چیخنے لگے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ وہ بضد ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رفیع رضا کر شامل کر دیں تو پھر ممکن ہے، چنانچہ پھر میں نے، رفیع رضا اور قمر الاسلام نے اس بجٹ کا ریولو کیا اور میں نے پھر اس پر کچھ سفارشات پیش کیں جنہیں مبشر حسن نے مسترد کر دیا۔ اس رات بھٹو نے ہمیں اپنے پاس وزیر اعظم ہاؤس بلایا اور بجٹ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ سر، ایک شخص اگر چائے کی پیالی میں دو چمچ چینی کھانے کی عادت ڈال چکا ہو تو آپ اسے آدھ چمچ چینی کھانے پر راضی نہیں کر سکتے۔ آپ کے وزیر خزانہ صاحب نے جو بجٹ پیش کیا ہے، وہ پاکستانی عوام کے لئے آدھی چینی کے برابر ہے۔ اس پر مبشر صاحب بڑا بھنائے جس سے تنگ آ کر بھٹو نے سخت الفاظ میں ان کو ڈانٹ دیا اور مجھے کہا کہ وہ سبز فون مجھے دو، میں ابھی آفتاب قاضی سے بات کرتا ہوں۔ بات بڑھی تو رفیع رضا نے معافی تلافی کروادی"۔ (نا تمام)

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

انجینئر محمود مجیب اصغر صاحب

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات 22 جولائی 2002ء کوامریکہ میں ہوئی تھی اور تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ کے احاطہ خاص میں ہوئی۔

آپ سالہا سال امیر جماعت احمدیہ امریکہ کے طور پر خدمت کی توفیق پاتے رہے۔آپ کی ولادت خلافت اولیٰ میں 28 فروری 1913ء کی ہے اور 89 سال کی عمر میں آپ نے خلافت رابعہ میں 22 جولائی 2002ء کو وفات پائی آپ موصی تھے اور آپ کا وصیت نمبر 5008 ہے۔

آپ ممبر سٹینڈنگ فنانس کمیٹی اور صدر صد سالہ جوبلی کمیٹی کے عہدوں پر فائز رہے۔

آپ ایڈیشنل صدر صدر انجمن احمدیہ بھی تھے حکومت میں جو عہدے آپ کو نصیب ہوئے اس میں آپ سیکرٹری مال مغربی پاکستان کے طور پر اور ایڈیشنل چیف سیکرٹری مغربی پاکستان کے طور پر پاکستان کی خدمت کرتے رہے آپ نے مرکزی وزیر حکومت برائے مال و منصوبہ بندی کے طور پر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

پھر ایگزیکٹو ڈائریکٹر عالمی بینک کے طور پر عالمی سطح پر خدمت کی توفیق پائی۔ دینی اور دنیوی کاموں کا موازنہ کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے فرمایا۔

''ان کے دینی کارنامے دنیاوی کاموں سے بہت زیادہ ہیں۔خلافت کے مقام کی جو فراست آپ کو حاصل تھی اور جو عشق تھا اور جس طرح آپ نے کامل اطاعت کا نمونہ دکھایا۔'' اس سلسلے میں حضور نے فرمایا ''انہیں بہت ہی غیر معمولی طور پر خلافت سے عشق تھا اور بڑے بھائی ہونے کے باوجود اس طور پر کامل فرماں برداری کرتے تھے کہ مجھے شرم آجاتی تھی۔''

ماضی قریب میں مسیح موعود کے جن غلاموں کو عالمی سطح پر دنیاوی طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے بے

حد سرفراز فرمایا ان میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب، صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نوبیل انعام یافتہ بڑے نمایاں نظر آتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انہیں یہ ساری بلندیاں حضرت مسیح موعود اور آپ کے مقدس خلفاء کی برکت اور دعاؤں سے حاصل ہوئیں۔ اتفاق سے ان تینوں شخصیات کی وفات خلافت رابعہ میں ہوئی اور حضور نے تینوں کے لئے بڑے ہی شاندار موزوں اور پر حکمت الفاظ استعمال فرمائے۔ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ فارن کوالیفائڈ اور پاک وہند کے بیوروکریٹس میں سے تھے انہیں حکومت پاکستان میں بڑے بڑے عہدے ملے اور انڈس بیسن پراجیکٹ فراہمی پانی وبجلی اور سیم تصور کی روک تھام وغیرہ کے اکثر منصوبے انہی کی نظر فکر وسوچ اور اقتصادی مہارت کا نتیجہ ہیں۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مذہب اور فرقوں کی بناء پر جو تعصب ہے اس نے کئی حد سے گزرنے والے مجرموں کو جنم دیا اور ایک وہ بھی ہے جس نے صاحبزادہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کیا جس کے بعد انہیں ورلڈ بنک میں امریکہ بھجوا دیا گیا جہاں انہوں نے بطور ایگزیکٹو ڈائریکٹر کام کیا۔ جیسا کہ بعض مضامین میں مضمون نگاروں نے ذکر کیا ہے بڑی بڑی شخصیات کے لئے بھی صاحبزادہ صاحب بڑے نافع الناس وجود تھے اور ان ہی کے پاس امریکہ قیام کرتے رہے۔ خلافت ثالثہ میں اور خلافت رابعہ میں بھی میں نے چند بار صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کو بھی دعا کے لئے خط لکھے اور حیرت ہے اتنی مصروف زندگی اور اعلیٰ عہدے پر فائز ہونے کے باوجود ان کے باقاعدہ جوابی خط آئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین

1978ء کی بات ہے میں نے انہیں لکھا کہ 1966ء کا گریجویٹ انجینئر ہوں کیا مجھے ورلڈ بنک میں ملازمت مل سکتی ہے انہوں نے ازراہ شفقت ورلڈ بنک کا درخواست فارم بھجوایا جسے پُر کر کے میں نے دیتے ہوئے ایڈریس پر بھیجا۔ جواباً ورلڈ بنک کے متعلقہ محکمہ کی چٹھی آئی کہ ورلڈ بنک میں ملازمت کے لئے پی ایچ ڈی یا کم از کم ایم ایس سی انجینئرنگ ہونا ضروری ہے۔ اس واقعہ سے

صاحبزادہ صاحب کے اس ہمدرد دل کی نشاندہی ضرور ہوتی ہے جوان کے سینہ میں دھڑک رہا تھا۔

1983ء کا جلسہ سالانہ پاکستان میں ہوا۔ یہ خلافت رابعہ کا دوسرا جلسہ تھا اس دوران بارش بھی ہوئی تھی اور سٹیج اندر بیت الاقصیٰ ربوہ میں عارضی طور پر محراب میں منتقل ہوا تھا۔ایک اجلاس کی صدارت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب نے فرمائی تھی۔ترجمانی کے آلات نصب کرنے کے شعبے میں ہونے کی وجہ سے مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ان کی صدارت کے دوران ہی مسجد اقصیٰ کے اندر سٹیج شفٹ ہوا تھا جس کے لئے بعض تقاریر کومختصر کروانا پڑا۔جلسہ کے بعد تحریک جدید گیسٹ ہاؤس سے ملحقہ پنڈال میں عالمی مجلس شوریٰ کا انتظام کیا گیا تھا۔میں بھی اس میں شامل تھا۔ یہ شوریٰ یک روزہ شوریٰ تھی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع بنفس نفیس شامل ہوئے اور کئی ملکوں کے نمائندے تھے جن میں صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امریکہ کی جماعتوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔(میں جماعت عمان کا نمائندہ بن کرآیا تھا۔)ایک تجویز پر رائے کے لئے آپ بھی سٹیج پرتشریف لائے اور خلیفہ وقت کی موجودگی میں نہایت وقار،احتیاط اور خلافت کا بے حد احترام کرتے ہوئے اپنی رائے دی۔آپ کی باتوں میں کوئی غیر ضروری یا اضافی بات نہ تھی بالکل To the point بات تھی اوراس میں آپ کی غیر معمولی ذہانت اور خلیفہ وقت سے عشق اور سلسلہ عالیہ احمدیہ کا درد نمایاں تھا۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

(روزنامہ الفضل 28 مارچ 2005ء صفحہ 6)

حضرت صاحبزادی امۃ القیوم بیگم صاحبہ کا ذکر خیر

مکرم محمود مجیب اصغر صاحب

آمین میں صاحبزادی صاحبہ کا ذکر

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنے بزرگ والد حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود کے حسن اور احسان میں نظیر اور موعود خلیفہ تھے۔جس طرح حضرت اقدس مسیح موعود نے اپنے بچوں کے قرآن کریم مکمل کرنے پر اظہار تشکر کے طور پر محمود کی آمین اور اسی طرح بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین، منظوم کلام لکھا تھا اسی طرز پر حضرت مصلح موعود نے بھی اپنے بڑے بچوں کے قرآن کریم مکمل کرنے پر اظہار تشکر کے طور پر منظوم کلام ''آمین'' لکھا۔حضرت مصلح موعود کی اس نظم کا ایک شعر یہ ہے۔فرمایا:۔

مری قیوم میرے دل کی راحت
خدا نے جس کو بخشی ہے سعادت

یہاں پر حضرت مصلح موعودؓ نے اپنی جس بچی کا ذکر فرمایا ہے وہ صاحبزادی امۃ القیوم بیگم صاحبہ ہیں جن کا وصال واشنگٹن امریکہ میں 23 جون 2009ء کو ہوا ہے۔

آپ کے بزرگ والدین کی شادی

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی 14 مارچ 1914ء کو خلافت کے عظیم روحانی منصب پر مشیت ایزدی کے تحت فائز ہوئے تھے۔آپ کے پیشرو خلیفہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل قرآن کریم کے بڑے عاشق تھے اور مردوں اور عورتوں میں درس دیا کرتے تھے۔حضرت خلیفہ اول کی بیٹی حضرت سیدہ صاحبزادی امۃ الحی بیگم صاحبہ اس وقت تقریباً تیرہ سال کی تھیں جب ان کے بزرگ والد کا وصال ہوا اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کی ردا

پہنائی۔ چنانچہ حضرت سیدہ امۃ الحی بیگم صاحبہ نے حضرت خلیفہ ثانی کوایک خط لکھا کہ میرے مرحوم والد نے وفات سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میاں صاحب سے کہہ دینا کہ وہ عورتوں میں بھی درس دیں۔ چنانچہ حضرت خلیفہ ثانی نے اس وصیت کے مطابق جہاں حضرت خلیفہ اول کا درس ختم ہوا تھا وہاں سے فوراً عورتوں میں درس دینا شروع کر دیا اور آپ کو اللہ کی طرف سے یہ بھی تحریک ہوئی کہ اس عاشق قرآن باپ کی عاشق قرآن بیٹی سے شادی کی جائے۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود خلیفہ ثانی نے 31 مئی 1914ء کو حضرت سیدہ اللہ امۃ الحی بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الاول سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے جو پہلی اولاد پیدا ہوئی وہ صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ تھیں۔ ان کے بعد ایک اور بیٹی اور ایک بیٹے کی بھی پیدائش ہوئی لیکن شادی کے صرف دس سال بعد تئیس چوبیس سال کی عمر میں حضرت سیدہ امۃ الحی بیگم صاحبہ کا وصال ہو گیا۔

حضرت مصلح موعود کا غم اور بچوں کی تربیت

اس وقت صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ کی عمر صرف آٹھ سال تھی۔ حضرت مصلح موعود خلیفہ ثانی کو اس حادثہ سے بہت گہرا رنج پہنچا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ایک پیغام میں فرمایا وہ مشیت الٰہی جس کا میں نے سفر سے پہلے اعلان کیا تھا۔ آخر پوری ہو گی۔ میری ہمدرد و جاں نثار بیوی امۃ الحی آج سوا تین بجے بروز بدھ بتاریخ 10 دسمبر 1924ء (12 جمادی الاول 1343ھ) اپنے مالک و آقا سے جو اس کا پیدا کرنے والا اور اس کا رب تھا جا ملیں۔ مرحومہ علاوہ اس کے کہ حضرت استاذی المکرم واستاذکم حضرت مولوی نورالدین صاحب کی صاحبزادی تھیں اور سلسلہ کی عورتوں کی علمی ترقی کی ان کے دل میں اس قدر تڑپ تھی کہ میرے نزدیک ساری جماعت میں اس قسم کی کوئی عورت موجود نہیں۔ مزید برآں وہ مجھ سے اس قسم کا عشق رکھتی تھیں کہ شاید کسی خاوند کو ایسی محبت کرنے والی بیوی ملی ہو۔ پس میں اپنے بھائیوں سے خاص طور پر درخواست کرتا ہوں کہ وہ مرحومہ کے لئے جلد جمع ہو کر دعائے مغفرت کریں اور نماز جنازہ ادا کریں۔ مرحومہ کا آپ پر تہرا حق ہے۔ وہ اس زمانہ

کے مرسل حضرت مسیح موعود کی بہوتھیں اور خلیفہ اوّل کی بیٹی تھیں اور میری بیوی تھیں ۔پس ایک رنگ میں آپ سب لوگوں سے ان کو علاوہ بہن کا رشتہ ہونے کے ماں ہونے کا بھی تعلق تھا۔اللہ تعالیٰ آپ سب لوگوں کو اس نیک فعل کے بدلہ میں جزائے خیر دے۔مرحومہ نے دولڑکیاں اور ایک لڑکا جو ابھی ایک ماہ کا ہے۔چھوڑا ہے۔احباب ان کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا میں عزت بخشے اور......کا خادم بنائے تا کہ مرحومہ کے لئے ثواب جاری کا کام دیں۔

(الفضل 13دسمبر 1904ءصفحہ4)

آپ نے ایک اور موقع پر فرمایا ’’......میں نہیں سمجھتا آئندہ میرے قلب کا کیا حال ہوگا لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ اس وقت تک کوئی ایسی حالت مجھ پر نہیں گزری کہ میں نے اس نقصان کو بھلایا ہو اور آج تک میں نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس میں امۃ الحی مرحومہ کے لئے دعائیں نہیں کی۔......رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے **الارواح جنود مجندۃ** کہ روحیں ایک دوسرے سے وابستہ اور پیوستہ ہوتی ہیں یعنی بعض کا بعض سے تعلق ہوتا ہے اس میں سمجھتا ہوں کہ میری روح کو امۃ الحی کی روح سے ایک پیوستگی حاصل تھی......۔مجھے بہت شادیوں کے تجربے ہیں۔میں نے خود بھی کئی شادیاں کی ہیں اور بحیثیت ایک جماعت کا امام ہونے کے ہزاروں شادیوں سے تعلق ہے اور ہزاروں واقعات مجھ تک پہنچتے رہتے ہیں مگر میں نے کبھی عمر بھر کوئی ایسی کامیاب اور خوش کرنے والی شادی نہیں دیکھی جیسی میری یہ شادی تھی‘‘۔(الفضل18اپریل1925ء)

ان کیفیات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کے جذبات محبت مرحومہ کی کمسن اولاد سے کس اعلیٰ طرح کے ہوں گے اور آپ نے کتنی محبت اس اولاد سے کی ہوگی۔چنانچہ ایک بات جو واضح ہو کر سامنے آتی ہے آپ نے نہ صرف یہ کہ ان کمسن بچوں کی پرورش کا اہتمام فرمایا بلکہ شروع سے ہی ان کے اندر خدا تعالیٰ اور رسولؐ اللہ کی محبت اور دین کی خدمت کا شوق پیدا فرما دیا۔چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت مصلح موعودؓ نے شدھی کی تحریک کے لئے جماعت سے جو

قربانیاں لیں اس میں اپنے اہل وعیال کو بھی شامل فرمایا۔ تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد اوّل میں لکھا ہے۔

لجنہ اماء اللہ قادیان کی طرف سے محترمہ سیکرٹری صاحبہ لجنہ سیدہ امۃ الحی حرم دوم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بیس بڑے دوپٹے اور ایک چھوٹا دوپٹہ اس لئے ارسال فرمائے کہ عید کے موقع پر ان راجپوت عورتوں کو جنھوں نے فتنہ ارتداد کا مقابلہ جوانمردی سے کیا ہے اور جو اس وجہ سے تکالیف برداشت کر رہی ہیں۔ احمدی عورتوں کی طرف سے بطور تحفہ دیئے جائیں۔ چھوٹا دوپٹہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی صاحبزادی امۃ القیوم نے (جس کی عمر تقریباً چھ سال ہے) بھیجا ہے کہ کسی چھوٹی ملکانی کو دیا جائے''۔ (تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد اول صفحہ 112، 113)

آپ کی شادی

23 سال کی عمر میں صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ کی شادی اپنے چچازاد حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ابن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے سے اگست 1939ء میں ہوئی۔ اس موقع پر آپ کے بزرگ والد نے اپنے جذبات کا اظہار اس طرح اپنے منظوم کلام میں فرمایا:

کل دوپہر کو ہم جب تم سے ہوئے تھے رخصت
ظاہر میں چپ تھے لیکن دل خون ہو رہا تھا
افسردہ ہو رہا تھا محزون ہو رہا تھا
اے میری پیاری بیٹی
میرے جگر کا ٹکڑا میری کمر کی پیٹی
تم یاد آرہی ہو دل کو ستا رہی ہو
میں کیا کروں کہ ہردم تم دور جا رہی ہو
ٹوٹی ہوئی کمر کا اللہ ہی ہے سہارا

اللہ ہی ہے ہمارا اللہ ہی ہے تمھارا
اللہ کی تم پہ رحمت اللہ کی تم پہ برکت
اللہ کی مہربانی اللہ کی ہو عنایت
وہ ہم سفر تمہارا آنکھوں کا میری تارا
اللہ کا صفی ہو اللہ کا ہو پیارا
لومیری پیاری بچی تم کو خدا کو سونپا
اس مہربان آقا اس باوفا کو سونپا
کرنا خدا سے الفت رہنا تم اس سے ڈر کر
تم اس سے پیار رکھنا بس اس کو یاد کرنا
سوفار عشق اس کا تم دل کے پار رکھنا
دلبر ہے وہ ہمارا تم اس سے چاہ رکھنا
مشکل کے وقت دونوں اس پر نگاہ رکھنا
الفت نہ اُس کی کم ہو رشتہ نہ اس کا ٹوٹے
چھٹ جائے خواہ کوئی دامن نہ اس کا چھوٹے

(کلام محمود صفحہ 159)

خوشگوار اور باوقار ازدواجی زندگی

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور صاحبزادی امۃ القیوم صاحبہ کی شادی اگست 1939ء میں ہوئی تھی اور صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کا خلافت رابعہ کے آخری سالوں میں وصال ہوا۔ تقریباً ساٹھ سال اس جوڑے کا ساتھ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے صاحبزادہ صاحب کو بہت اعلیٰ سرکاری

عہدوں پر فائز رکھا اور پھر آپ ورلڈ بینک امریکہ بھجوا دیئے گئے جہاں وفات تک امریکہ کے امیر جماعت احمدیہ کے طور پر خدمت کی توفیق پاتے رہے۔ امریکہ میں ان کے ہاں پاکستان کی بڑی بڑی Dignitaries اعلیٰ شخصیات اور وزراء وغیرہ جا کر ٹھہرتے تھے اور وہ سب ان کے اعلیٰ اخلاق کا کسی نہ کسی طرح ذکر کر جاتے تھے جیسا کہ الفضل کے بھی بعض مضامین میں ذکر ہوتا رہتا ہے۔ اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ ہمیشہ صلہ رحمی کا سلوک نظر آتا ہے۔ حفظ مراتب کا ہمیشہ خیال رکھتے۔ چند سال قبل صاحبزادی صاحبہ امریکہ سے پاکستان آئی ہوئی تھیں۔ خاکسار کی اہلیہ نے بھی ملاقات کی اور خاکسار کو بتایا کہ ان کے ساتھ ملاقات میں نظر آیا کہ اپنی بڑی بہن حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کا بے حد احترام ہے۔ جماعت کے ہر طبقہ کو بڑی خندہ پیشانی سے ملنے کی عادت تھی خاکسار کی والدہ صاحبہ بتایا کرتی تھیں بھلوال کے قریب کسی سرکاری دورے کے دوران کسی سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ان کو ملنے جو احمدی فیملیز گئیں ان میں والدہ صاحبہ بھی تھیں۔ والدہ صاحبہ نے سادگی میں انہیں ایک روپیہ نذرانہ دیا جو انہوں نے قبول فرمالیا۔

حضرت مصلح موعودؓ کا دورہ بھیرہ

حضرت خلیفہ اول کا مولد و مسکن بھیرہ تھا جہاں 1950ء میں حضرت مصلح موعودؓ نے دورہ فرمایا اور احباب جماعت کے سامنے ایک لمبی تقریر کی اور فرمایا۔ اس بستی کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی میری بیوی تھی اور اس بیوی سے میری اولاد بھی ہے۔ پھر اس بستی کے ایک معزز شخص سے میں نے قرآن کریم اور بخاری کا ترجمہ پڑھا۔ پس اس بستی سے مجھے روحانی اور جسمانی نسبت ہے۔ (تاریخ احمدیت جلد چہاردہم صفحہ 191)

دورہ بھیرہ میں بھی حضرت مصلح موعودؓ نے جہاں حضرت خلیفہ اول کا ذکر فرمایا وہاں سیدہ امۃ الحی بیگم مرحومہ اور ان کے بچوں کا بھی ذکر کیا اور ظاہر ہے بچوں میں بڑی صاحبزادی امۃ القیوم ہی تھیں۔ (روزنامہ الفضل 21 اپریل 2010ء صفحہ 5-6)

حضرت سیّدہ اُمِّ مظفر احمد صاحبہ بیگم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کا جسدِ اطہر غمزدہ قلوب اور پُرسوز دعاؤں کے درمیان بہشتی مقبرہ میں سُپرد ِخاک کر دیا گیا نمازِ جنازہ اور تدفین میں ربوہ اور دوسرے متعدد مقامات کے ہزار ہا احباب کی شرکت۔

ربوہ گہرے رنج وغم اور حزن وملال کے ساتھ ہم یہ اندوہناک خبر احبابِ جماعت تک پہنچاتے ہیں کہ حضرت سیدہ امِ مظفر سرور سلطان صاحبہ بیگم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکم تبلیغ 1349 ہجری شمسی مطابق یکم فروری 1970ء بروز اتوار ساڑھے چھ بجے صبح بعمر تقریباً ۷۷ سال وفات پا گئیں۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اُسی روز بعد نمازِ عصر نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں احباب ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے بعدہٗ جنازہ مقبرہ بہشتی لے جا کر مرحومہ کے جسدِ اطہر کو حضرت امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارِ مبارک والی چار دیواری کے اندر حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے پہلو میں سپرد ِخاک کر دیا گیا۔

حضرت سیّدہ مرحومہؓ کا امتیازی شرف

حضرت سیدہ مرحومہؓ (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی اور مخلص صحابی حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب پشاوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں) کا وجود بھی خدا تعالیٰ کے نشانوں میں سے ایک نشان تھا اور آپ کو کئی امتیازی شرف حاصل تھے۔آپ حضرت امّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف سے حضرت سیدہ امِّ ناصر صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرمِ اوّل حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ دوسری بہو تھیں جو حضور علیہ السلام کی زندگی میں اپنے گھر سے رخصت ہو کر حضورؑ کے گھر میں داخل ہوئیں اور اِس طرح آپ کو خدائی وعدہ کے بموجب خواتینِ مبارکہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہونے اور ذرّیّۃ طیّبہ کا ایک حصّہ بننے کا خصوصی شرف حاصل ہوٴا۔ آپ کو یہ خصوصیّت حاصل تھی کہ قمر الانبیاء حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ آپ کا رشتہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تجویز فرمایا تھا اور حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی 1906ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ آپ کو حضرت قمر الانبیاء رضی اللہ عنہ (جن کا وصال 2 ستمبر 1963ء کو ہوٴا) کی حرم کی حیثیت سے 75 سال تک آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوٴا۔ پھر آپ کو یہ خصوصی شرف بھی حاصل تھا کہ آپ کے ذریعہ بھی ترٰی نسلًا بعیدًا کی بشارت بڑی شان اور آب و تاب کے ساتھ پوری ہوئی اور وہ اِس طرح کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر آپ کے بطن سے صاحبزادی سیدہ امۃ السلام بیگم صاحبہ 7 اگست 1907 کو پیدا ہوئیں۔

وفات کی اطلاع اور بیرونجات سے احباب کی آمد

حضرت سیدہ مرحومہ کی وفات کی خبر صبح ساڑھے چھ بجے کے بعد سارے ربوہ میں فوراً پہنچا دی گئی تھی اُدھر ٹیلیفون کے ذریعہ بڑی بڑی جماعتوں کو اطلاع بھجوا دی گئی تھی۔ چنانچہ خبر سُنتے ہی اہلِ ربوہ (مرد اور مستورات) کثیر تعداد میں حضرت سیدہ کی رہائش گاہ ''البُشریٰ'' پہنچنے شروع ہو گئے۔ اُدھر دوپہر تک بیرونجات سے بھی ربوہ میں احباب کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرگودہا، لائلپور، جھنگ، شیخوپورہ، لاہور، گجرات، راولپنڈی اور متعدد دوسرے مقامات سے احباب نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ ان میں محترم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ سرگودھا امیر جماعتہائے احمدیہ سابق صوبہ پنجاب و بہاولپور، محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب امیر جماعتِ احمدیہ لاہور، محترم چوہدری محمد انور حسین صاحب امیر جماعتِ احمدیہ شیخوپورہ، محترم

میاں بشیر احمد صاحب امیر جماعتِ احمدیہ جھنگ، محترم مولوی محمد صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ مشرقی پاکستان، محترم شیخ بشیر احمد صاحب سابق جج مغربی پاکستان ہائی کورٹ لاہور، محترم ڈاکٹر قاضی محمد بشیر صاحب، محترم ڈاکٹر محمد یعقوب خان صاحب، محترم چوہدری بشیر احمد صاحب سابق ڈائریکٹر سپلائی، محترم ملک غلام فرید صاحب۔

حضرت سیدہ امّ مظفر احمد صاحبہؓ کی نمازِ جنازہ اور تدفین

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ اُس روز مسجد مبارک میں نمازِ عصر پڑھانے کے بعد ''البشریٰ'' میں واپس تشریف لائے۔ حضور کے تشریف لانے کے بعد حضرت سیدہ کا جنازہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کوٹھی کے اندرونی حصّہ سے اُٹھا کر بیرونی حصّہ میں لائے جہاں تابوت کو ایک اَور چارپائی پر رکھا گیا جس کے ساتھ لمبے لمبے بانس لگے ہوئے تھے تا کہ ہزاروں احباب کو کندھا دینے میں آسانی رہے۔ کوٹھی کے بیرونی حصّہ سے جنازہ سوا چار بجے اُٹھایا گیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ، حضرت سیدہ مرحومہؓ کے فرزندان، داماد اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر افراد جنازہ کو کندھوں پر اُٹھا کر کوٹھی کے بیرونی حصّہ سے سڑک پر لائے جہاں احباب ہزاروں کی تعداد میں دُور تک دورویہ کھڑے ہوئے تھے وہاں ربوہ کی مقامی مجلسِ خدام الاحمدیہ کے اراکین اور جامعہ احمدیہ کے طلباء نظم وضبط برقرار رکھنے کے لئے ڈیوٹیوں پر مقرر تھے۔ حضور ایدہ اللہ اور خاندان حضرت مسیح موعودؑ کے دیگر افراد نے دُور تک جنازہ کو کندھا دیا۔ نیز احباب کو بھی راستہ میں ایک خاص نظام کے ماتحت کندھا دینے کا موقع دیا گیا۔ اِس طرح جنازہ ہزاروں احباب کے کندھوں پر دارالصدر کی بڑی سڑک پر دفاتر صدر انجمن احمدیہ کے سامنے سے گزر کر گولبازار ہوتا ہوا افضلِ عمر ہسپتال والی سڑک پر لایا گیا اور پھر وہاں سے بہشتی مقبرہ پہنچا۔ جنازہ پہلے بہشتی مقبرہ کے میدان میں لا کر رکھا گیا جہاں حضور ایدہ اللہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں ربوہ کے مقامی احباب اور بیرونجات سے تشریف لانیوالے احباب ہزاروں کی

تعداد میں شریک ہوئے۔احباب نے 19 لمبی لمبی صفوں میں کھڑے ہوکر حضور کی اقتداء میں نمازِ جنازہ ادا کی۔نمازِ جنازہ کی ادائیگی کے بعد جنازہ کو اس چاردیواری میں لایا گیا جہاں حضرت امّاں جان نوّر اللہ مرقدہا، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر وفات یافتہ بزرگوں کے مزار ہیں۔نمازہ جنازہ کے میدان سے چاردیواری تک جنازہ کو لے جاتے وقت حضور ایدہ اللہ، حضرت سیدہ مرحومہؓ کے فرزندان اور خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دیگر افراد نے پھر کندھا دیا۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے افراد کے علاوہ صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، بیرونی جماعتوں کے امراء صاحبان، ناظر و وکلاء حضرات، افسرانِ صیغہ جات، علماءِ سلسلہ، غیر ملکی طلباء اور بیرونجات سے آئے ہوئے بعض دوسرے احباب جنازہ کے ہمراہ چاردیواری کے اندر گئے باقی احباب باہر کھڑے رہے۔تابوت کو قبر کے اندر اُتارنے میں حضور ایدہ اللہ، حضرت سیدہ مرحومہؓ کے پانچوں فرزندوں، چاروں دامادوں اور ایک بھائی نیز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض دیگر افراد نے حصّہ لیا۔قبر تیار ہونے پر حضور نے دعا کرائی جس میں جُملہ احباب شریک ہوئے۔اِس طرح حضرت سیدہ اُمِّ مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جسدِ اطہر کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزارِ مبارک کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔

حضرت سیّدہ مرحومہؓ کے اوصافِ حمیدہ

حضرت سیدہ اُمِ مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی اور مخلص صحابی حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنہیں حضور علیہ السلام کے ۳۱۳ اصحاب کبار میں شمولیت کا شرف حاصل تھا) کی صاحبزادی تھیں۔حضور علیہ السلام اپنی تصنیف ’’ازالہ اوہام‘‘ میں آپ کے ایمان و اخلاص اور قربانی و ایثار کا ذکر فرما کر آپ کو تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔حضرت سیدہ مرحومہؓ بہت تقویٰ شعار، باوقار اور سلسلہ......ایڈیٹر انگریزی تفسیر القرآن، محترم ڈاکٹر عبدالحق صاحب ریٹائرڈ سول سرجن گجرات، محترم چوہدری بشیر احمد

صاحب مینجر ماڈرن موٹرز راولپنڈی وغیرہ ہم بھی شامل تھے۔صبح سے بعد دو پہر تک مستورات کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔جنہیں حضرت سیدہ مرحومہؓ کے چہرہ کی زیارت کا موقع دیا گیا۔ چنانچہ مستورات نے ہزاروں کی تعداد میں حاضر ہوکر زیارت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت سیّدہ مرحومہؓ کے اوصافِ حمیدہ

حضرت سیدہ امِ مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیمی اور مخلص صحابی حضرت مولوی غلام حسن خان صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنہیں حضور علیہ السلام کے ۳۱۳ اصحاب کبار میں شمولیت کا شرف حاصل تھا) کی صاحبزادی تھیں۔حضور علیہ السلام اپنی تصنیف ''ازالہ اوہام'' میں آپ کے ایمان و اخلاص اور قربانی و ایثار کا ذکر فرما کر آپ کو تعریفی کلمات سے نوازا ہے۔

حضرت سیدہ مرحومہؓ بہت تقویٰ شعار، باوقار اور سلسلہ......

اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں۔ان میں سے دو فرزند چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو گئے تھے۔پانچ فرزند (یعنی محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب ڈپٹی چیئر مین منصوبہ بندی کمیشن، محترم صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب، حال مقیم لاہور، محترم صاحبزادہ مرزا منیر احمد صاحب، محترم صاحبزادہ ڈاکٹر کرنل مرزا مبشر احمد صاحب اور محترم صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب ایم۔اے سابق ہیڈ ماسٹر احمدیہ سیکنڈری سکول کماسی (گھانا) حال پروفیسر تعلیم الاسلام کالج ربوہ) نیز چار صاحبزادیاں (یعنی محترمہ صاحبزادی سیدہ امۃ السلام صاحبہ بیگم محترم جناب مرزا رشید احمد صاحب، محترمہ صاحبزادی سیدہ امۃ الحمید صاحبہ بیگم محترم نوابزادہ محمد احمد خان صاحب، محترمہ صاحبزادی سیدہ امۃ المجید صاحبہ بیگم محترم بریگیڈیر وقیع الزمان صاحب اور محترمہ صاحبزادی سیدہ امۃ اللطیف صاحبہ بیگم محترم ونگ کمانڈر سید محمد احمد صاحب جنرل مینجر شیزان انٹرنیشنل) بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں۔آپ کے سب صاحبزادگان اور داماد آپ کی وفات سے

چندروز قبل ربوہ پہنچ گئے تھے۔حضرت سیدہ مرحومہؓ کے سات بھائیوں میں سے چار بھائی محترم عبد الرحمٰن خان صاحب، محترم عبد الامین خان صاحب، محترم عبد الخالق خان صاحب اور محترم عبد اللطیف خان صاحب بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں۔ان میں سے عبد الرحمٰن خان صاحب تو چند سال پیشتر ربوہ تشریف لے آئے تھے اور حضرت سیدہ کے ہاں ہی مقیم تھے۔آپ نے حضرت سیدہؓ کی طویل علالت کے دوران بہت توجہ سے تیمارداری میں حصّہ لیا۔ چنانچہ آپ جنازہ اور تدفین میں شریک ہوئے۔باقی تین بھائی کراچی میں ہیں۔

حضرت سیدہ مرحومہؓ کی علالت۔

حضرت سیدہ مرحومہؓ گزشتہ دس گیارہ سال سے صاحبِ فراش تھیں۔ پہلے اعصابی تکلیف کی وجہ سے بیمار رہیں پھر کولہے کی ہڈی میں دو بار فریکچر ہونے کی وجہ سے بیماری اَور زیادہ طول پکڑ گئی تھی۔اگرچہ فریکچر ٹھیک ہو گیا تھا لیکن بغیر سہارے کے چل پھر نہیں سکتی تھیں۔آپ نے بیماری کا یہ طویل عرصہ بہت خندہ پیشانی سے گزارا اور اِس طرح صبر وشکر کا بہت اعلیٰ نمونہ قائم کیا۔یوں تو آپ لمبے عرصہ سے صاحبِ فراش تھیں لیکن چندروز پیشتر گُردوں میں انفیکشن کی وجہ سے طبیعت زیادہ خراب ہوگئی اور بہت تیز بخار ہو گیا۔ ہر ممکن علاج کے باوجود طبیعت سنبھل نہ سکی۔گزشتہ جمعرات کو لاہور سے ڈاکٹر رؤوف صاحب، ڈاکٹر رستم نبی صاحب اور ڈاکٹر مسعود احمد صاحب نے ربوہ آ کر معائنہ کے بعد علاج میں کچھ تبدیلی بھی کی لیکن کوئی خاص فرق نہ پڑا۔گزشتہ ہفتہ کیروز ڈاکٹر مسعود احمد صاحب ڈاکٹر اختر صاحب کو ہمراہ لے کر پھر ربوہ تشریف لائے۔الغرض ہر ممکن علاج اور کوشش کے باوجود افاقہ کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ بالآخر یکم فروری 1970ء بروز اتوار ساڑھے چھ بجے آپ اِس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ۔
ادارہ الفضلؔ اِس عظیم جماعتی صدمہ پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ

العزیز، حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی، حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مدظلہا العالی، حضرت سیدہ امّ متین مریم صدیقہ صاحبہ مدظلہا، حضرت سیدہ مہر آپا صاحبہ مدظلہا، محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور آپ کے جملہ برادران اور ہمشیرگان نیز خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جملہ دیگر افراد نیز محترم جناب عبد الرحمٰن خان صاحب نیازی، آپ کے برادران اور دیگر افرادِ خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی اور تعزیت کے اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت سیدہ ام مظفر احمد صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جنت الفردوس میں درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں خاص مقامِ قرب سے نوازے اور حضرت سیدہ مرحومہؓ کی وفات سے خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت میں جو خلاء واقع ہوا ہے اسے آپ اپنے فضل سے پُر فرمائے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

(الفضل ربوہ 3 فروری 1970ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی صاحبزادی اور محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ کو سپرد خاک کر دیا گیا

احباب جماعت کو یہ افسوسناک اطلاع دی جا چکی ہے کہ سیدنا حضرت مسیح موعود کی پوتی، حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی نواسی، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ کی بیٹی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خالہ اور محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب سابق امیر جماعت احمدیہ امریکہ کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم بیگم صاحبہ مورخہ 23 جون 2009ء کو پاکستانی وقت کے مطابق صبح 10 بجے واشنگٹن امریکہ میں بعمر 92 سال وفات

پا گئیں۔ مارچ 2009ء میں آپ نے دانت میں درد کی شکایت کی۔ جب دانت نکالا گیا تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ یہ دانت اس لئے پیش ہو رہا تھا کہ اس کے پیچھے ٹیومر ہے۔ ڈاکٹرز نے تشخیص کیا کہ سرجری کے ذریعہ اس ٹیومر کو نکالنا بہتر ہے۔ لیکن جب تقریباً پانچ ماہ بعد آپریشن کا وقت آیا تو یہ ٹیومر کافی بڑھ گیا تھا اور آپریشن نقصان دہ ہو سکتا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو زیادہ تکلیف ہونی تھی۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر اپنا فضل فرمایا اور ڈاکٹرز نے آپریشن سے پہلے ٹیسٹ لئے جن میں ٹیومر کا سائز بہت بڑا آیا اور ڈاکٹرز نے آپریشن کا فیصلہ واپس لے لیا اور ریڈی ایشن کے ذریعہ ٹیومر ختم کیا گیا۔ آپ مکمل صحت یاب ہو گئیں۔ تاہم لمبی بیماری اور ادویات کے استعمال کی وجہ سے گردے پر اثر ہو گیا۔ جس کی وجہ سے دو ہفتے تک سبر بن (Suburban) ہسپتال میری لینڈ امریکہ میں رہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بیماری سے بھی شفاء عطا فرمائی اور گھر جانے سے ایک دن پہلے اچانک پھیپھڑے میں کلاٹ (Clot) آجانے کی وجہ سے آپ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ حضرت مصلح موعود نے جو اپنی پیاری بیٹی کے لئے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھے وہ آپ کی زندگی میں بڑی شان کے ساتھ پوری ہوئی مورخہ 26 جون 2009ء کو بعد نماز جمعہ بیت الرحمن واشنگٹن میں آپ کی نماز جنازہ محترم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب امیر جماعت احمدیہ امریکہ نے پڑھائی۔ (الفضل ربوہ یکم جولائی 2009)

بالکل خیریت سے ہیں گے۔ کبھی کبھی کوئی تفریح کا
پروگرام بھی بنا لیا کریں۔ ویسے تو آپ کا تھوڑا ایسے
خوبصورت علاقہ اور رنگین ماحول میں واقع
ہے کہ یہ مستقل بجائے خود ایک تفریحی مقام ہے
لیکن نقشہ کھینچ میں جو تبدیلی اور انبساط کا عنصر
ہے وہ اپنی جگہ

گزشتہ چند ماہ سے پاکستان میں علماء کفر
نے شر و فساد میں حد سے بڑھنے کی قسم کھا
رکھی ہے۔ اور جماعت احمدیہ بار بار نشانوں میں نمایاں
ہونے میں شب و روز کوشاں ہے مگر اللہ تعالیٰ
کا فضل صبح شام نئی شان کے ساتھ نازل
ہو رہا ہے اور تمام دنیا سے جماعت کی روز افزوں
ترقی کی ایسی ایسی خبریں مل رہی ہیں کہ دل
شکر اور حمد سے لبریز ہو کر چھلکنے لگتا ہے۔
یہاں پاکستان میں بھی ہم پر دور آفات و مصائب
کے بادلوں سے قطرات محبت کو ٹپکتا دیکھتے
ہیں۔ جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑے حوصلہ
سے ہے اور غیر اللہ کے خوف سے آزاد ہے۔
خود بھی بہت دعا کرتے رہیں اور احباب جماعت
کو بھی توجہ دلاتے رہیں۔ جزاکم اللہ والسلام خاکسار مرزا طاہر

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے نام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بعض خطوط کے عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

لندن

VM - 573

RECEIVED

پیارے عزیزم مکرم مرزا مظفر احمد صاحب

امیر جماعت ہائے احمدیہ امریکہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی رپورٹ اردو محررہ ۲۶ دسمبر ۹۹ ملی ہے۔
جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ آپ کی رپورٹ جب آتی ہے تو
مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ جماعت امریکہ ماشاء اللہ
دن بدن ترقی کرتی چلی جا رہی ہے۔ آپ نے نومبائعین
کو بھی مالی نظام میں شامل کرنے کا جو پروگرام
بنایا ہے یہ بہت ہی اچھا ہے۔ بجٹ کے دائرہ میں
چندہ عام [illegible] کی وصولی بہت بہتر ہے۔ بہت مبارک
ہو۔ اللہ آپ کی عمر اور صحت میں بہت برکت بخشے
اور ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو۔ والسلام

خاکسار

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے نام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے بعض خطوط کے عکس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

پرائیویٹ سیکرٹری
حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

لندن
[illegible]

مکرم و محترم میاں طاہر احمد صاحب امریکہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ فیکس حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ملاحظہ فرمائی ہے
آپ نے اس میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ سے حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کے
متعلق کتاب پر کام کرنے کے لئے کچھ لکھنے کی درخواست کی ہے۔ آپ کی
خواہش پر حضور انور نے حسب ذیل نوٹ لکھوایا ہے اور فرمایا ہے کہ باقی
یہ خود اپنی طرف سے کچھ بنا لیں۔
حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

"انہیں بہت ہی غیر معمولی طور پر خلافت سے عشق تھا
اور بڑے بھائی ہونے کے باوجود اس طور پر کامل فرمانبرداری
کرتے تھے کہ مجھے شرم آجاتی تھی"

والسلام
خاکسار

منیر احمد جاوید

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات پر

صدر انجمن احمدیہ پاکستان کی قرارداد تعزیت

صدر انجمن احمدیہ کا یہ خصوصی اجلاس حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کی اندوہناک وفات پر گہرے رنج اور دکھ کا اظہار کرتا ہے۔

آپ حضرت مسیح موعود کے پوتے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کے سب سے بڑے فرزند ارجمند تھے۔ آپ 28 فروری 1913ء کو پیدا ہوئے۔ قادیان کے پاکیزہ ماحول میں آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجوایشن کے بعد آپ نے آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران آپ کو حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی پاکیزہ صحبت اور رفاقت حاصل رہی۔ جن کے ساتھ بچپن ہی سے گہری دوستی کا تعلق تھا۔ انگلستان سے واپس آ کر آپ نے سرکاری ملازمت اختیار کی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کی حیثیت سے وطن عزیز پاکستان میں خدمات کا آغاز کیا۔ بعد میں مغربی پاکستان کے سیکرٹری فنانس ایڈیشنل چیف سیکرٹری کے علاوہ ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن پاکستان اور صدر مملکت کے اقتصادی مشیر کے طور پر کلیدی خدمات کی توفیق پائی۔

دوران ملازمت آپ کی شہرت ایک فرض شناس، قابل اعتماد، باکردار، بااصول، محنتی اور منکسر المزاج افسر کی تھی۔ اس دوران ملک وقوم اور انسانیت کی بلا امتیاز مذہب وملت بے لوث خدمت کی۔ راست گوئی اور امانت و دیانت ہمیشہ آپ کا طرۂ امتیاز رہے۔ آپ کو شعبہ اقتصادیات میں خصوصی مہارت اور گہرا تجربہ حاصل تھا۔ چنانچہ ریٹائرمنٹ کے بعد بین الاقوامی مالیاتی اداروں نے آپ کی خدمات حاصل کیں اور آپ ڈائریکٹر ورلڈ بنک اور ایگزیکٹو سیکرٹری آئی ایم ایف کے وقیع عہدوں پر فائز رہے۔

ایک عرصہ تک بطور نائب امیر جماعت احمدیہ امریکہ کے کام کرنے کے بعد 1989ء سے آپ بطور امیر خدمات بجالا رہے تھے آپ کے دور امارت میں جماعت امریکہ نے ترقیات کے کئی نئے سنگ میل طے کئے۔ آپ نے اپنی اقتصادی مہارت کا سکہ یہاں بھی منوایا اور امام وقت کی خواہش کے عین مطابق جماعت احمدیہ امریکہ کی مالی قربانیوں میں نہایت عمدہ اور ٹھوس منصوبہ بندی کر کے غیر معمولی وسعت پیدا کی اور امریکہ مالی قربانی کے میدان میں صف اول کے ممالک میں شمار ہونے لگا۔ امریکہ میں نئی بیوت الذکر کی تعمیر و توسیع اور نئے مشن ہاؤسز کی خرید کے علاوہ مرکزی بیت الذکر بیت الرحمان کی تعمیر بھی آپ کا ایسا کارنامہ ہے جو جماعت کی تاریخ میں یادر ہے گا۔

سیدنا حضرت مصلح موعود کی دامادی کا شرف بھی آپ کو حاصل تھا۔ حضرت مصلح موعود نے آپ کے ساتھ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ کی رخصتی کے موقع پر منظوم کلام میں اپنی دلی محبت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو اپنی "آنکھوں کا تارا" فرمایا تھا۔ اور بلاشبہ اپنے اخلاق کریمانہ اور عظمت کردار کی وجہ سے آپ جہاں بھی رہے اپنے ماحول کی ہر دلعزیز شخصیت رہے۔ آپ ایک نہایت متقی، دعا گو، عبادت گزار، خدا ترس انسان اور صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والے نافع الناس وجود تھے۔ آپ نہایت مخلص، ایثار پیشہ، فدائی خادم سلسلہ اور وفا شعار مثالی احمدی تھے۔ اعلیٰ ترین دنیوی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود سادگی، قناعت اور تواضع و انکسار آپ کا شیوہ تھا۔ ہمیشہ آپ نے دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی مثال قائم کر کے دکھائی۔ خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستگی اور اطاعت کا تعلق آخر دم تک بڑی وفا کے ساتھ نبھانے کی توفیق پاتے رہے۔ دینی و دنیوی لحاظ سے جدوجہد سے بھرپور اور مصروفیات سے معمور زندگی گذار کر واشنگٹن امریکہ میں خدا کا یہ وفادار بندہ 22 جولائی 2002ء (ساڑھے گیارہ بجے شب) بعمر 89 سال اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گیا۔

صدر انجمن احمدیہ آپ کی اندوہناک وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز، مرحوم کی اہلیہ محترمہ صاحبزادی امتہ القیوم صاحبہ آپ کے بھائی صاحبزادہ مرزا مجید احمد صاحب اور ہمشیرہ صاحبزادی امتہ اللطیف صاحبہ اہلیہ مکرم سید محمد احمد صاحب عزیزم ڈاکٹر احمد صاحب نیز جماعت ہائے احمدیہ امریکہ سے دلی تعزیت کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے۔ اپنی مغفرت کی چادر میں ڈھانپ لے اور جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ---- والسلام

شیخ محبوب عالم خالد

صدر صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جماعت احمدیہ نیویارک امریکہ کی قرارداد تعزیت بروفات حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

جماعت احمدیہ نیویارک کا یہ غیر معمولی اجلاس ۲۶ جولائی ۲۰۰۲ء کو منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد تعزیت پاس کی گئی۔

جماعت احمدیہ نیویارک یو۔ایس۔اے بڑے حزن و ملال اور گہرے رنج و الم کے ساتھ صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتی ہے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

خدا انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور اہل خانہ اور عزیزوں اور خاص طور پر حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پوتے، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے فرزند اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے داماد تھے۔

آپ کی قابلیت کی وجہ سے پاکستان نے انہیں وزیر خزانہ اور مزید عہدوں پر مقرر کیا۔

آپ نے اپنے ملک کے لئے گراں قدر نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ نے جماعت احمدیہ یو۔ایس۔اے کی ایک دہائی سے زیادہ خدمت سرانجام دی۔ آپ کی دور اندیشی اور فراست نے امریکہ کی جماعت کو اعلیٰ معیار پر لا کھڑا کیا۔

خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی خاص مصلحت سے دین کی خدمت کا ایک لمبے عرصہ تک موقع عطا فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے والد بزرگوار حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یوں مخاطب ہوئے تھے:

"اے جانے والے ابا! تجھ پر ہزاروں رحمتیں ہوں۔ تو عمر بھر اپنوں اور غیروں سب کے لئے ایک بے پایاں شفقت اور رحمت کا سایہ بن کر رہا۔ دیکھ میرا ہاتھ کانپ رہا ہے اور میری آنکھیں اشکبار ہیں۔ اور میرا دل تیری محبت کی یاد میں بے قابو ہوا جاتا ہے۔ اے اللہ رحم کر رحم۔ میرے مولا ہم کون؟ جو تیرے قضا کے فیصلے کے سامنے چون و چرا کریں۔ تو گواہ ہے کہ باوجود اس کی تلخیوں کے ہم نے تیری تقدیر کو بانشراح صدر قبول کیا ہے۔ لیکن میرے مولا تیرے در کا سوالی تجھ سے ایک بھیک مانگتا ہے۔ میرے ابا کا خاکی جسم تو ہم سے جدا ہو گیا۔ لیکن ان کی برکات ہمارے ساتھ رہنے دیجیو۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم سے وہ کام لے جس سے تو راضی ہو جائے جو ہمارے باپ کی روح کے لئے تسکین کا موجب ہو۔"

یوں لگتا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں ادا کی ہوئی اس دعا نے عرش کو ہلا دیا اور خدائے قادر نے واقعی اس وجود سے وہ کام لیا جس سے خدا راضی ہو گیا اور تادم آخر اپنی زندگی خدمت دین میں صرف کر ڈالی۔ اور اپنے باپ کی روح کو تسکین بخشی۔

سو آج ہم بھی اپنے محترم امیر کو رخصت کرتے ہوئے اسی قسم کے جذبات رکھتے ہیں۔ اور ان الفاظ سے ہم ان کو الوداع کہتے ہیں کہ:

اے جانے والے تو نے اپنے قول و فعل سے اپنے خدا کو راضی کیا اور اپنی شفقت اور محبت کو جماعت کے لئے وقف کر دیا۔ لہٰذا تیری یادوں کے پھول ہمارے دلوں میں کبھی بھی نہیں مرجھائیں گے اور وہ شفقتیں اور محبتیں جو ہمارے دلوں پر نقش ہو چکی ہیں کبھی مٹ نہیں سکیں گی۔ اور جماعت ہائے احمدیہ امریکہ کبھی بھی تیری انتھک کوششوں کو جو اس کی ترقی کے لئے کیں کبھی بھی فراموش نہیں کرے گی۔

تمہاری خوبیاں قائم تمہاری نیکیاں باقی

اے جانے والے دیکھ۔۔۔ دوسری طرف رضوان یار تیرا استقبال پھولوں کے اس گلدستہ سے کرتا ہے

یٰۤاَیَّتُہَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

نافلہ مہدی صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی چند یادگار تصاویر

صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب کی چند یادگار تصاویر

حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد (۱۹۱۳-۲۰۰۲)

خلافت کا مطیع و وفادار

Sahibzada M. M. Ahmad, in the presence of Hazrat Khalifatul Masih IV, a model of respect and reverence

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

Hazrat Mirza Masroor Ahmad standing third from left

Jalsa Rabwah 1983

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

Jalsa Canada 1996.

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

Sahibzada M. M. Ahmad with the members of the National Majlis Aamila and the Presidents of various chapters of USA Jamaat

majlis amla usa

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

At a meeting with Pres. Ayub Khan, President of the USSR Kosygin, 1968.

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

With US Secretary of Defense, Robert McNamara. (Who later became President of The World Bank).

Being received in Jordan on a official visit, 1971.

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

Receiving President Ayub Khan at Chaklala Airport, 1967

President .Signing a Economic and Development pact with China 1971

.Yahya Khan and Chinese PM Cho Enlai looking on

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

With Nac Mammara presdent world Bank.

Being Received by Chinese PM Chow Enlai in 1972.

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

WIth Hanery kacinger

Sahibzada M. M. Ahmad just before the Namaz Jinaza of
Bro. Muzaffar Ahmad of Dayton, Ohio

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کے دستخطوں سے جاری پاکستانی نوٹ کی تصویر

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کی چند یادگار تصاویر

صاحبزادہ مرزا مظفر صاحب کے ساتھ سر افتخار احمد ایاز صاحب کی ایک یادگار تصویر

Mr. M. M. Ahmad took a B.A. at the Government College, Lahore, followed by a B.A. (Hons) at London University. He became a barrister of the Middle Temple.

He joined the Indian Civil Service and held a number of important positions in Government. In 1966 he was appointed Deputy Chairman (with ministerial rank) of the Government of Pakistan's Planning Commission. In 1971 he was appointed Financial Advisor (with Cabinet rank) to the President of Pakistan.

recognition. Look at the storm which greeted the Promised Messiah's writing on the subject some 80 years ago. Look how much of what he revealed then to a hostile world is quietly accepted today. The rest, too, is bound to be acknowledged as the knowledge spreads and barriers of prejudice and preconceived notions tumble down in the face of new discoveries and the truth. Then nations the world over will begin to acknowledge the truth and the ground will be cleared to lay the foundation of a new world order which will free humanity from its present costly conflicts and acrimonious dissensions which so hamper the attainment of the purpose of human creation.

Let me conclude my address with certain prophetic words from the Promised Messiah in his book "Tuzkira-tush-Shahadatain."

The third century from this day shall not pass until all those who look for the descent of Jesus from heaven, Christians or Muslims, will despair of it and will forsake the false beliefs now so fondly cherished by them. Then there will be one religion in the world and one leader. I have been sent to sow a seed and I have sown it. It will grow and bear flowers and fruit in due season and there is none who can uproot it.

About author: Mirza Muzaffar Ahmad was born in 1913 at Qadian, Punjab, India and is the grandson of Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, the Promised Messiah. He became a director of the International Bank for Reconstruction and Development (the World Bank) in 1972 and in 1974 Deputy Executive Secretary of the Joint Development Committee.

from this world has come. Carry on your duties properly and turn not back from truth, and say your prayers regularly. He then directed Ba'bad (Thomas) to prepare a tomb over him (at the very place he died). He then stretched his legs towards the West and head towards the east and died. May God bless him.

Abdul Qadir bin Qaziul-Quzat Wasil Ali Khan writes in his book "Hashmat-i-Kashmir": "… the tomb is described by the people of the location to be that of a prophet of the people of the book which words are generally applied to Christians."

Mulla Nadiri, the first Muslim historian of Kashmir, writes about Takhte Sulaiman on the flank walls encasing the staircase. One of them says: "At this time Yuz Asaf proclaimed his prophethood, year fifty and four"; and another says: "He is Jesus", Prophet of the Children of Israel."

The Holy Prophet, may peace and blessings of Allah be upon him, declared nearly 1400 years ago, that Christianity would not decline nor would its progress be retarded until the Promised Messiah, at whose hands the cross was destined to be smashed, appeared in the world. This prophecy indicated that in the time of the Promised Messiah such discoveries would be made as would throw light on the Christian doctrine of crucifixion and ascension which would be discarded in the face of overwhelming evidence from the Scriptures, medical research and other discoveries. This time has arrived. It is happening. Like the first night's moon all cannot see it, but for how long? The accumulated and entrenched prejudices and misconceptions nourished and held for nearly 2,000 years have begun to be dissipated. Indeed, truth is beginning to assert its slow but undeniable and inevitable claim to

the Promised Messiah through Divine guidance and research. Here again we find strong evidence in support of proclamation. We find a description of the tomb in the book of the "British Resident in Kashmir"

(Sir Francis Younghusband):

There resided in Kashmir some 1,900 years ago a saint of the name of Yuz Asaf, who preached in parables and used many of the same parables as Christ uses, as, for instance, the parable of the sower. His tomb is in Srinagar … and the theory is that Yuz Asaf and Jesus are one and the same person. When the people are in appearance of such a decided Jewish cast, is it curious that such a theory should exist.

Captain C. N. Enrique in his book "The Realms of God" says:

During my stay in Srinagar I came upon a curious tradition concerning some of the tombs in the city. There is one tomb said to be that of Christ.

Sheikh Al-Said-us-Sadiq, who lived in the third and fourth centuries of the Muslim era, and who wrote over 200 books, writes as follows:

Then Yus Asaf, after roaming about in many cities, reached that country which is called Kashmir. He travelled in it far and wide and stayed there and spent his (remaining) life there, until death overtook him, and he left the earthly body and was elevated towards the Light. But, before his death he sent for a disciple of his, Ba'bad (Thomas) by name, who used to serve him and was well-served in all matters. He (Yuz Asaf) expressed his late will to him and said: My time for departing

Murree hills. Aish Muqam (about 47 miles from Srinagar) is not far from Yusu Margh. In fact it lies on the same route. Aish or Ashush is a perversion of Issa (Jesus).

There is another significant fact which, more than anything else, proves that Jesus did come to Kashmir. I give below a few names known to Kashmir history and geography:

- Aish Muqam · Arya-Issa · Issa-Brar · Issa-eil
- Issa Kush · Issa Mati · J-yes-Issa
- J-yes-Issa-vara · Kal-Issa · Ram-Issa
- Yusu-dha · Yusu-dhara · Yusu-gam
- Yusu-hatpura · Yusu-kun · Yusu-maidan
- Yusus-mangala · Yusu-marg · Yusu-nag
- Yusu-para · Yusu-raja · Yusu
- Yusu Varman

The Tomb of Jesus in Kashmir

We have traced the life of Jesus from his escape on the cross to this travel and abode in the mountains of Afghanistan and the Vale of Kashmir in a successful search of the lost tribes of Israel and in fulfillment of his proclaimed Divine mission. Another decisive piece of evidence in support of this is provided by the discovery of his tomb in Mohalla Khaniyar in Srinagar. It is called Rauzabal and is described as the tomb of Yuz Asaf, the prophet, who is also styled as Shahzada Nabi (the Prince of Prophet). This discovery and revelation was made by

It is stated during his journey Jesus travelled incognito under the name of Yuz Asaf, the word Yuz stands for Yusu (meaning Jesus) and Asaf in Hebrew means gatherer, namely, one who was to collect the lost sheep of Israel.

Next we hear of Jesus in Iran. It is said that Yuz Asaf came to this country from the West and preached there and many believed him. The sayings of Yuz Asaf as recorded in Iranian traditions are similar to those of Jesus. (Agha Mustafai, Ahwali Ahalian-i-Para, 219).

We can then trace Jesus in Afghanistan: In Ghazni (Western Afghanistan) and in Jalabad (in the extreme south-east of Afghanistan) there are two platforms which bear the name of Yuz Asaf, for he sat and preached there.

We then find a quotation from Acta Thomae which records the presence of Jesus and Thomas at Taxila, in present day Pakistan.

Jesus, his mother Mary, and Thomas proceeded towards Murree also in Pakistan. Mary died there and was buried at a hill top known as Pindi-Point. The town Murree was until 1875 called Mari and, was named after her. Her tomb adjoining the Defense Tower is even today called: Mai Mari da Asthan – the resting place of Mother Mary.

We can almost with certainty trace the entry of Jesus into Kashmir through a valley called Yusu Margh, which is named after him and where the race of Yudu (Jews) is still to be found. It lies on the bridle route followed by merchants coming, generally on foot, from Kaghan and Afghanistan. The Kaghan valley on one side touches Kashmir and on the other the

adherents of these faiths violently disagree on many fundamentals of life and faith but reveal a rare unanimity and consensus on the descent of the Afghans and the Kashmiris from the ancient Israeli stock.

The evidence is indeed all permeating. It is reflected in their distinctive features, in language, in names, in dress, in customs, in traditions, in folklore, in pottery, in architecture, in monuments – in fact in every conceivable aspect of human life and activity. It is difficult to reject or ignore this mass of evidence in the absence of strong reason and at least a semblance of evidence to the contrary.

The Travels of Jesus

The proclaimed mission of Jesus was to seek, preach to and save the lost tribes of Israel. Following his escape from the cross and sensing danger in staying at the place of his persecution, we find him traveling in disguise to Damascas through Judea, Samaria, Nazareth and to the Sea of Tiberius in search of the lost tribes. The place where Jesus first stayed for a time about two miles from Damascas is even to this day know as Maqam-i-Isa (which means the resting or halting place of Jesus). This place was originally called Rabwah.

Mir Muhammad Khawand Shah Ibn-i-Muhammad wrote in his famous book "Rauza-tus-Safa fi Sirat-ul-Ambia wal Muluk wal Khulafa" (The Gardens of Purity concerning the biography of the Prophets and Kings and Caliphs) that the Jews turned Jesus out of the city and Jesus and Mary set out and went to Syria. From Syria Jesus travelled to Mosul and then to Aleppo.

which resound with stories of Jewish flavor and origin. There is a well in Afghanistan and also in Kashmir called Chahi Babal, that is Well of Babylon, associated with angels like Harut and Marut.

Archaeological discoveries also point in the same direction of common ancestry and the pottery found in Afghanistan and Kashmir bears close resemblance to that found in Babylon and associated with the Jews.

The old monuments in Kashmir tell the same story. The ancient temples in Kashmir have little in common with Buddhist or Brahmanical architecture and have more affinity with the Jewish synagogues and pediments of Syrian origin. G. T. Vrine in his book "Travels in Kashmir, Laddakh and Iskardoo" raised the question whether the Kashmiri temples had not been built by Jewish architects. Similarly, Dr. James Ferguson, an authority on Indian and Eastern architecture, notes as a point of interest that temples in Kashmir reproduce, in plan at least, the Jewish temple more nearly than any other known building.

There is also the famous Takhte Sulaiman in Srinagar which is associated in Kashmiri tradition with the visit of King Solomon and is described as an exact replica of the throne of Absalom, the third son of David, in the Woods of Ephraim not far from Jerusalem.

The mass of evidence on the settlement of the lost tribes of Israel in Kashmir, Afghanistan and the surrounding lands is indeed formidable. It is to be found in religious books, in books of history and research by ancient and modern writers belonging to different countries and different faiths. The

These names are either replicas of biblical names or bear close resemblance to them. The small deviations are both a product of time and change of language and some distortion. No one can travel even a short distance in these countries without coming across a member of a tribe or name of a place or a monument which historically takes him back to the biblical period.

Khawaja Nazir Ahmad in his book “Jesus in Heaven on Earth” has in fact listed some 405 such names in Afghanistan, Kashmir and parts of Pakistan and India which show strong similarities and common origin with biblical names. Those interested can have recourse to this valuable piece of research.

The strong linguistic evidence is further fortified by and reflected in customs and habits which, despite the passage of centuries and change of religion, have persisted. Both Afghans and Kashmiris observe customs, practice habits and observe festivals which establish similarities with those of the Jews. A detailed collection of them is also available in the book to which I have just referred.

Again, the common heritage and ancestry is reflected in the structure of the Kashmiri boats and the heart-shaped oars commonly used to paddle the Major T. R. Swinburne in his book “A Holiday in the Happy Valley.” This unusual evidence alone connects the Kashmiris with the lost tribes of Israel. Again, all three people name their sub-tribes after various animals and practice methods of irrigation of which the origin can be traced back to the Israelites and Egypt.

The evidence of common ancestry and heritage is also to be found embedded even deeper in traditions, folklore and fables

of persons which they carry, in names of places where they live – indeed, an all permeating reflection of their origin and past. When this large volume of evidence is seen in the context of what the Holy Quran and the Scriptures contain on the subject; is left with the conclusion that the lost tribes of Israel did settle primarily in the area now known as Afghanistan and Kashmir and some parts of India, like Bombay and Malabar Coast.

Evidence of Writers and Historians on Migration of Tribes

We have the evidence of the Holy Quran and the Scriptures. We have also the evidence of eminent writers and historians, both ancient and modern, on the migration and the settlement of the lost tribes of Israel in new lands away from their original home. In search of facts and truth, however, let us see if there is other evidence available on their subject.

It is a well known historical fact that migrating people carry with them their customs, their traditions and, sometimes, even the names of places of their original homeland. The names get distorted, and customs undergo some changes in the new environment, or by passage of time, but nevertheless they retain sufficient traces of their origin. By itself this type of evidence may not be sufficient to categorically establish a particular proposition, but at the same time it cannot be disregarded as irrelevant or of no value. I reproduce below a few names of tribes and places in Kashmir, Afghanistan, in North-western parts of present Pakistan, in Gilgit, Laddakh; areas which bear strong resemblance to biblical names and betray their Israeli origin.

that these Kashmiris are the lost tribes of Israel and certainly as I have already said, there are real biblical types to be seen everywhere in Kashmir and especially among the upland villages. Here the Israelitish shepherd tending his flocks and herds may any day be seen.

We also find a Christian missionary who lived in Kashmir for many years (C. E. Tyndale Biscoe) who contends: … “the Kashmiris belong to the lost tribes of Israel as many of them have such Jewish noses, also their love of money and of getting the better of their neighbors is a strong one.”

Mr. John Noel in an article in Asia Magazine in 1930 under the title “The Heavenly High Snow Peaks of Kashmir” writes about Kashmiris as follows:

They seem more perfectly Jewish than the purest Jews you have ever seen; not because they wear a flowing cloak-like dress that conforms to your idea of biblical garment, but because their faces have the Jewish cast of features. The curious coincidence – or is it a coincidence? – is that there is a strong tradition in Kashmir or its connection with the Jews. A recent Indian writer, Mr. V. Rangacharya, in his “History of Pre-Moslem India” describes the inhabitants of Kashmir to the North West Frontier of Kashmir to be very Jewish.

Here then, we have an overwhelming accumulation of historical evidence emanating from a large number of independent and objective scholars, from different countries, belonging to different religions, all asserting the close connection of the Kashmiris to their Israeli descent. The evidence is visible in ethnic features, which no one can concoct or fabricate, in the dress which they wear, in names

The Rev. Claudius Buchanan talks about the discovery of an ancient manuscript of Moses in Hebrew which was written on a roll of leather 48 feet in length and about which he was told it was brought from Kashmir.

The Kashmiri pundits claim that they had come from Persia and beyond and that some of their people had settled on the Malaber Coast. Mr. Henry Wilson in his book "Travels in Himalayan Provinces" writes: "… the physical and the ethnical character, which so sharply marks off the Kashmiris from all surrounding races, has always struck observing visitors to the valley and they have universally connected them with the Jews."

Major H. W. Bellew in his book "Kashmir in Kashgar" refers to the dress of Kashmiri men and women and their features and infers from these and other facts their descent from the Jews.

Similarly, Mr. Cowley Lambert in his book "A Trip to Kashmir and Laddakh" refers to the physical appearance of the Kashmiris and concludes that they have a most unmistakable Jewish cast of face.

Similarly, Mr. James Milne in his book "The Road to Kashmir" states that the three races (Afghans, Afridis, and Kashmiris) have large aquiline features and skins which have been well described as subdued Jews.

More recently, Sir Francis Younghusband, who for many years was the British Representative in Kashmir, writes:

Here may be seen fine old patriarchal types, just as we picture to ourselves the Israelitish heroes of old. Some, indeed, say…

Israel. The last mentioned author adding that they had come from the Holy Land.

Apart from these three Muslim historians of Kashmir, Hindu scholars like Pandit Narian Kaul in his book “Guldasta-i-Kashmir” and Pandit Ram Chand Kak in his work “Ancient Monument of Kashmir” describe Kashmiris as being of Jewish countenance of descent.

Pandit Jawaher Lal Nehru, ex-Prime Minister of India and an eminent scholar of history, in his book “Glimpses of World History” writes: “All over Central Asia, in Kashmir and Laddakh and Tibet and even farther North, there is still a strong belief that Jesus or Isa travelled about there.”

Francis Bernier (a courtier at the Court of Emperor Aurang Zeb) states that the inhabitants of Kashmir struck him as resembling Jews, having the countenances and manners of the Israeli people.

S. Manoutchi, a physician in the service of Emperor Aurang Zeb, corroborates Francis Bernier and states: “although … we find no remains in Kashmir of the Jewish religion, there are several vestiges of race descended from the Israelites.”

George Foster in his famous work “Letters on a Journey from Bengal to England”, 1973, writes:

On first seeing the Kashmirians in their own country, I imagined from their garb, the cast of their countenances, which were long and of a grave aspect, and the forms of their beards, that I had come among a nation of Jews.

Similarly, Sir Thomas Holditsh, in his book, "The Gates of India" says:

But there is one important people (of whom there is much more to be said) who call themselves Bani Israel, who claim descent from Cush and Ham, who have adopted a strange mixture of Mosaic Law in Ordinances in their moral code, who (some sections at least) keep a feast which strongly accords with the Passover, who hate the Yahudi (Jew) with a traditional hatred, and for whom no one has yet been able to suggest any other origin than the one they claim, and claim with determined force, and these people are the overwhelming inhabitants of Afghanistan and Kashmir.

Inhabitants of the Trans-Euphrates Provinces – Kashmiris

It will, therefore, be acknowledged that ethnical and historical evidence, both ancient and modern, establishes that Afghans are the descendants of the lost tribes of Israel. The same is true of the people of Kashmir, whose descent can be traced back to the tribes of Israel as has been mentioned in some of the quotations reproduced above. The Kashmiris also claim to be Bani Israel (that is, Children of Israel) and call themselves Kashar which is a Hebrew word meaning right. But let us probe further into this claim and examine what historical and other evidence is available to substantiate it.

The first three early historians of Kashmir, namely Mulla Nadiri (1378-1416) in his book "Tarikh Kashmir" (History of Kashmir), Mulla Ahmad in his book "Waqqya-i-Kashmir" (Events of Kashmir), and Abdul Qadar Bin Qazi-ul-Quzat Wasil Ali Khan in his book "Hashmat-i-Kashmir", have all categorically stated that the inhabitants of Kashmir were the descendants of

Kashmiris. After giving details of the character of the wandering Israelites, he said:

And we find that the very natural character of Israel reappears in all its life and reality in countries where people call themselves Bani Israel and universally claim to be the descendents of the Lost Tribes. The nomenclature of their tribes and districts, both in ancient geography, and at the present day, confirms this universal natural tradition. Lastly, we have the route of the Israelites from Media to Afghanistan and India marked by a series of intermediate stations bearings the names of several of the tribes and clearly indicating the stages of their long and arduous journey. Moore then goes on to say:

Sir William Jones, Sir John Malcolm and missionary Chamberlain, after full investigation, were of the opinion that the Ten Tribes migrated to India, Tibet and Kashmir through Afghanistan.

Moore has mentioned only three eminent writers on the subject. But reference can be made with advantage to General Sir George Macmuun, Col. G. B. Malleson, Col. Failson, George Bell, E. Balfour, Sir Henry Yule and Sir George Rose. They, one and all, independently came to the same conclusion.

Among more recent writers on the ancestry of Afghans, Dr. Alfred Edersheim states as follows:

Modern investigations have pointed to the Nestorians and latterly, with almost convincing evidence (so far as it is possible), to the Afghans as descendants from the lost tribes.

Kabul and other places in Afghanistan." Similarly Hafiz Rahmat bin Shah Alam in his "Khulasat-ul-Ansab" and Fareed-ud-Din Ahmad in "Risala-i-Ansab-i-Afghana" give the history of the Afghans and deal with their genealogies. They both prove that the Afghans are the descendants of Israel through King Talut.

Sir Alexander Burnes in his book "Travels into Bokhara" which he published in 1835 states: "The Afghans called themselves Bani Israel, that is Children of Israel. The Afghans look like Jews and the younger brother remarries the widow of the elder." The Afghans entertain strong prejudices against the Jewish nation which would at least show that they have no desire to claim, without just cause, a descent from them. The same distinguished author, when he was sent as British Envoy to the Court of Kabul in 1837, questioned the King of the Afghans about the descent of his people and had no doubt of that.

Similarly, Dr. Joseph Wolff, in his book "Narrative of a Mission to Bokhara in the Years 1843-1845" was "wonderfully struck with the resemblance which the Yusuf Zayes and the Khaibaries, two of their Afghan tribes, bear to the Jews". The same is affirmed by J.B. Farser in his book "An Historical and Descriptive Account of Persia and Afghanistan" which he published in 1843, and I quote:

According to the Afghans' own tradition they believe themselves to be descendents from the Jews… They preserved the purity of their religion until they embraced Islam.

Again, we have the evidence of George Moore in his famous work "Lost Tribes" published in 1861. He cited numerous facts to prove that these tribes are traceable to the Afghans and the

Another eminent scholar, Dr. Alfred Edersheim, in his book entitled “The Life and Times of Jesus”, the Messiah, says that vast numbers of Israelites, estimated at millions, inhabited the trans-Euphrates provinces – the great mass of the ten tribes was in the days of Christ, as in our own times, lost to the Hebrew nation.

We read in the Jewish Encyclopedia under the heading Tribes: “Abraham Farissol identifies the River Ganges with the River Gozan and assumes that the Bani-Israel of India are the descendants of the lost ten tribes”.

Inhabitants of the Trans-European Provinces – AFGHANS

Let us look more closely at the history of the people of these regions.

The claim of Afghans to be Children of Israel is not merely founded on tradition. It is supported by ancient monuments, old inscriptions and historical works which are still to be found in manuscripts in their possession. In these books of history of genealogies of the Afghans tribes are given in great detail.

The most ancient manuscript available to us is “rauzat uo Albab fi Tawarikh-ul-Akabir wal Ansab” – The Garden of the Learned in the History of Great Men and Genealogies – by Abu Suleman Daud bin Abul Fazal Muhammad Albenaketi which was written in 717 A.H. and in which the author traces the ancestry of the Afghans to the Israelites.

Bukhtawar Khan in his most valuable universal history “Mirat-ul-Alam” – the Mirror of the World, gives a vivid account of the “Journeys of the Afghans from the Holy Land to Ghor, Ghazni,

themselves that they would leave the multitude of the heathen and go forth into a farther country… that they might raise up their statues which they never kept in their own land. And they entered into the Euphrates by the narrow passage of the river, for the Most High then showed signs for them, and held still the flood till they were passed over. For through that country there was great way to go, even for a year and a half; and the same region is called Asareth.

This shows that the ten tribes had not returned to their "own land" but had left their place of captivity for a place which to them looked even farther away from their own land, i.e. further towards the East, and to a place called Asareth.

The confirmation of what has been stated above is to be found in "Tabaqat-i-Nasiri" where it is stated:

···in the time of the Shansabi dynasty, a people called Bani Israel (Children of Israel) used to live in Asareth and were engaged in trade. Thomas Ledlie in his book, "More Ledlian", writing on the origin of Afghans, gives cogent reasons for connecting Asareth with Hazara District in the North West Frontier Providence of Pakistan; and the territory of Kashmir adjoins that of Hazara. But the old boundary of Asareth in Swat was just on the opposite bank of the Indus river, and, higher up near Chilas, it ran into Kashmir territory.

St. Jerome, who wrote in the fifth century of the Christian era while discussing the Dispersion of Israel, stated … "Until this day the ten tribes are subjects to Kings of the Persians nor has their captivity ever loosened".

scattered in other lands. The assigned Divine mission of Jesus would not have been complete, much less could it be described as successful, without his appearance among the remaining 10 tribes representing a vast majority of the Israelite people. The choice here is either to admit that Jesus failed to comply with his Divine mission – an obvious contradiction of terms in regard to any prophet – or that he did travel to that part of the world where the remaining 10 tribes, representing an overwhelming majority, had settled.

There is other evidence in the Gospels, of Jesus going to the East. The star which indicated his birth appeared in the East. (Matthew 2:2) Guided by this star certain wise men undertook a long journey and visited the place of his birth. This shows clearly that they had been waiting for his appearance. As the promise of the appearance of Messiah and the signs of his advent had been given to none but the Israelites, therefore, the men that came from the East on seeing the star must have been Israelites.

It is claimed that the people of Kashmir, Afghanistan, parts of India and the surrounding lands represent the lost tribes of Israel. Let us examine whether this contention can be proved by historical and other forms of evidence.

Let me begin with a quotation from the second book of Esdras:

And whereas thou sawest that he gathered another peaceable multitude unto him, those are the ten tribes which were carried away prisoner out of their own land in the time of Hosea, the King, whom Shalmanesar, the King of Assyria, led away as captive, and he crossed them over the waters, as they came into another land. But they took this counsel among

It will thus be seen that the combined evidence from the Scriptures, the Holy Quran, important medical research and the recent stimulating research on the Turin Shroud clearly affirm that Jesus did not die on the cross. Now, if Jesus did not die on the cross and did not bodily ascended to Heaven, where did he go? We have shown that the story of his resurrection and bodily ascension is a myth. Incidentally, no one has cared to explain why there was an interval of three days between the removal of the body from the cross and Jesus' alleged resurrection and ascension to heaven. This interval of three days is, in fact, only consistent with his medical treatment and escape after gaining strength from his ordeal on the cross. This introduces us to the story of his travels in search of the lost tribes of Israel.

Search for The Lost Tribes of Israel

We read in the Bible that Jesus Christ was sent only "to the lost sheep of the House of Israel" (Matthew 15:24) and that he had come … "to seek and save that which was lost". (Luke 19:10) Now if the Jews living in Palestine are to be regarded as lost, then the Israelites who had settled farther afield must certainly be so regarded, for they were lost physically as well as spiritually. Jesus further said that he had come to seek that which was lost and this can by no means apply to any but the Israelites who lived further away from Palestine. The Jews of Palestine were around him in large numbers and, therefore, it was not necessary for him to seek them.

It is a historical fact that the Israelites were divided into 12 tribes of which two were in the country where Jesus taught his Gospel and was put on the cross and the other 10 were

contained in Mr. Faber-Kaiser's book "Jesus Died in Kashmir" published in 1976. The author is a scholar of comparative religion who has pieced together an impressive dossier which fills a number of biblical lacunae that have perplexed scholars for hundreds of years. Let me quote another passage from this author's book:

···After seven years of investigations concerning the shroud that covered (Christ's) body, many scientists have come to the conclusion that Jesus was buried alive. The experts affirm that the Holy Shroud preserved in Turin lay on a crucified body that suffered exactly the same passion as Jesus, but state that this person did not die on the cross, but was buried while still alive. The twenty-eight bloodstains on the shroud prove this. The investigators assure us that a corpse wrapped in a shroud could not bleed in that manner. Jesus was buried alive, unless a second Jesus existed, and he was made to suffer the same agony.

In the same book the author quotes from Kurt Berna's book in German "Jesus Did Not Die on the Cross". This author talks of the importance of the discovery of this shroud for both the Christians and the Jewish religions – and indeed for Islam also which he omitted to mention – and, in his letter to Pope John XXIII, he clearly mentioned that "…this discovery suggests that the present and past teachings of Christianity are incorrect". Kurt Burna also concludes that medical evidence shows that Jesus was not dead when he was wrapped on the shroud because had he been dead no fresh blood could have flowed from his injured body and left traces on the cloth.

Further medical evidence is provided by the story of the piercing of the side of Jesus with a spear by one of the soldiers at the time of the removal of the body from the cross, when blood and water poured forth from the resultant wound. This flow of blood from the wound shows that Jesus had not died upon the cross, because blood could not have poured out from a dead body.

We also have evidence in hundreds of books on medicine which describe an ointment as marham Isa which means the “ointment of Jesus”. “Materia Medica” in Greek stated that this ointment was first prepared for the injuries received by Jesus Christ. The reference to this uointment is found in over a thousand books on medicine including the famous book “Qanun by Bu Ali Sena” (Avicenna). The ointment is particularly suited to stop the flow of blood from external injuries.

Importance of the Turin Shroud

The recent discovery of the Turin Shroud, the history of which goes back to the ninth century in Jerusalem, has been another remarkable find.

Prof. Max Frie, a distinguished criminologist and director of the scientific laboratory of the Zurich police, has tested the Turin Shroud for the pollen adhering to it, and, after years of meticulous analysis, using the most advanced techniques, has been able to build up a detailed picture of the shroud’s history and origins. In particular, he discovered on the shroud tiny grains of fossilized pollen that, after detailed tests, turned out to be from plants existing only in Palestine twenty centuries ago. This result of Max Frie’s investigation into the shroud is

···and I was a witness of their action so long as I lived among them but since Thou didst cause me to die, Thou hast watched over them. (ch. 5: v. 118)

These words tell us plainly that the Christians departed from Jesus' teachings after his death. In another verse, the Holy Quran hints at his journey to Kashmir. It says:

···and We gave Jesus and his mother refuge in a lofty place which was secure and watered with springs. (ch. 23: v. 51)

The word awa used in Arabic signifies the giving of refuge against danger. It will thus be seen that the thesis about Jesus having escaped from the cross, as stated in the Gospels, is also confirmed by the verses on this subject in the Holy Quran.

Evidence in Medical Research

Let us now see what medical research and evidence on this subject signifies.

We learn from the Gospels that Jesus remained nailed to the cross only about three hours and this way by no means sufficient to bring about his death. It was a Friday afternoon when he was put upon the cross. The following day was the Sabbath and the Passover of the Jews who were strictly forbidden to leave anyone nailed to the cross on the sacred day. There was darkness over the whole land and the Jews, fearing lest they should sin against the Lord by performing on the Holy Day, hastened to take down the body of Jesus. Happily for Jesus, although the soldiers came and broke the legs and toes of the other two who had been put on the cross at the same time, they gave no such treatment to Jesus.

The Gospels said that Jesus remained on the cross for a very short time and, because of the sanctity of the Sabbath on the following day and the storm on that afternoon, his body was removed speedily from the cross. His wounds were treated with a special ointment and, on gaining strength, he escaped to Galilee.

Let us now see what evidence the Holy Quran provides on the subject. It is stated in the Holy Quran:

The Jews did not slay Jesus nor did they put an end to his life on the cross but simply were in doubt concerning his end. In other words, they imagined that Jesus had died on the cross which was, in fact, not true.

Another verse of the Holy Quran regarding Jesus runs thus:

He would be distinguished in this world and in the next and would be one of those who have near access to God. (ch. 3: v. 46)

In other words, it was proclaimed that Jesus would attain to dignity, honour and eminence in this world and in the next. Worldly honour and eminence certainly did not come to him in the land of his birth and fulfillment of this part of the prophecy took place only after he had journeyed to Kashmir where he achieved temporal dignity also among the lost tribes of Israel.

Again we find in the Holy Quran the words which show that, in answer to a question from God if he had taught the people to take him (i.e. Jesus) for God, Jesus would state:

righteous prophet of God and the occurrence of such an event deserves to be rejected out of hand on that score alone.

3. After Jesus was taken down from the cross, his body was handed over to Joseph of Arimathaea – a respectable, noble man of the neighborhood commanding great influence with everyone, including the Romans. He was a secret disciple of Jesus. The handing over of the body of Jesus to him was part of the design of Pilate to save Jesus, since Pilate, both under the influence of his wife's dream and his own conviction, was favorably disposed towards Jesus. Whatever hostile action he took against Jesus was only out of fear of the Jews. Joseph found that Jesus was, in fact, not dead but only unconscious, and removed him to a large new sepulchre in a garden close by.

4. The Gospels afford further proof that it was not in celestial body but in the same body of flesh and bone which had been nailed to the cross that Jesus appeared to his disciples after his supposed death. Thus we read that Jesus appeared to the eleven disciples as they sat at a meal (Mark 16:9,14). And when they saw him they supposed that they had seen a spirit. But he showed them his hands and feet and asked them to handle him saying, "A spirit hath not bones and flesh as ye see me have." Then he took from them a piece of broiled fish and honeycomb and ate it before them (Luke 224:39-43). It is evident that the acts which Jesus performed, like eating, drinking, sleeping, holding conversations and taking a long journey, were performed with a human body and not with a celestial body. This proves irrefutably that Jesus did not bodily rise to Heaven.

travels in search of the lost tribes of Israel in the post-crucifixion period of his life.

The fact that Jesus did not die on the cross can be established on the basis of evidence drawn from the following sources:

(a) The Scriptures and the Holy Quran;
(b) Medical evidence;
(c) Other historical proof.

Evidence in Scriptures and the Holy Quran

Let us first examine the evidence provided by the Scriptures and the Holy Quran.

1. First of all, the prophecy of Jesus himself as recorded in Matthew 12:39,40 and Luke 11:29,30. There shall be no sign given to it but the sign of Jonah, the prophet. For as Jonah was three days and three nights in the whale's belly, so shall the son of man be three days and three nights in the heart of the earth. Now it is an admitted fact that Jonah entered alive into the whale's belly and also came out alive. Jesus tells us that he shall be in the heart of the earth in the same manner as Jonah entered alive into the whale's belly. In other words, he would enter alive into the heart of the earth and come out alive. No other interpretation can establish a similarity between the two. In citing his resemblance with the prophet Jonah, Jesus foretold his own end, indicating that he would not die on the cross but would, like Jonah, be only in a state of unconsciousness.

2. The old Testament says that "a person who dies on the cross is accursed of God". Such a death is inconceivable for a

The Christians, on the other hand, claim that Jesus died on the cross in atonement of the sins of humanity, was resurrected soon thereafter, and then ascended to Heaven.

The vast majority of orthodox Muslims believe that Jesus was never put upon the cross, ascended bodily to heaven, and will come down to earth again to smash the cross and what it stands for and to purify the faith of the believers.

In common with other Muslims, the Ahmadiyya Community believes that Jesus was a righteous prophet raised by God among the Israelites. The Ahmadiyya version of the crucifixion is that Jesus did not die on the cross. When he was taken down from the cross he was still alive but only in a state of swoon or unconsciousness. He was removed to the sepulchre by his close friends and followers. Healing ointments and herbs were administered to his wounds and he was restored to health. He then travelled to the East in search of the lost ten tribes of Israel in fulfilment of his Divine mission, lived to a ripe old age, died and buried in Kashmir. References to his Second Advent are not to be interpreted as his return in his physical body but relate to the advent of one who would come in his power and spirit, with many similarities; he will restore and revive the beliefs and faith of the Muslims and others in the true teachings of Islam.

Before I revert to the proclaimed Divine mission of Jesus to the lost tribes of Israel, it will be helpful to show that he did not die on the cross. Since this is not the main subject of my address, and will no doubt be covered by other speakers, I will confine myself to brief references in support of Jesus' survival from the cross. This alone can form the basis of his subsequent

the controversy around the person of Jesus is resolved and all seekers after truth are enable to shed their wrong beliefs. It certainly is an invitation to each one of us to reflect deeply on the matter, weigh objectively the evidence and historical proof now available, and acknowledge the truth even if it should be in conflict with our present beliefs.

The enigma surrounding the crucifixion of Jesus and his post-crucifixion life among the lost tribes of Israel was first untangled through Divine guidance by Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, the Promised Messiah, in his book “Jesus in India” which was written as far back as 1899. The evidence on the subject, which has been put together from older books, has only confirmed the thesis which he had presented some 80 years back. The controversy still persists, the differences still exist, but the consensus in the direction pointed out by the Promised Messiah at the close of the last century, is unmistakable. We believe it is only a matter of time before the world will be compelled to acknowledge the truth which Divine guidance had revealed to him. This will have a profound impact on the adherents of all the three great world religions and will greatly help them to reach common ground from which should arise an era of tranquility and peace after which humanity strives ceaselessly, but without success so far.

It is relevant to briefly summarize the beliefs about Jesus of the vast majority of adherents of the three religions.

The Jews totally reject Jesus, share no part of his mission and, indeed, believe that according to the Old Testament his death on the cross was an accursed death. (Deuteronomy 21:23)

"Alas for my servants! There comes not any messenger to them but they mock at him..." (36:31).

"The Third Century from this day shall not pass until all those who look for the descent of Jesus from heaven, Chris- tians or Muslims, will despair of it and will forsake the false beliefs now fondly cherished by them. Then there will be one religion (i.e. Iṣlam) and one leader Hazrat Muaham mad, peace and blessings of Allah be on him...

"I have been sent to sow a seed and I have sown it. It shall now grow and bear flowers and fruit in due season and there is none none indeed who can uproot it.'

The Lost Tribes of Israel

by M. M. Ahmad

This paper was presented at the International Conference on Deliverance of Jesus from Cross held at Commonwealth Institute, London, on June 2-4 1978. Published later in The Muslim Sunrise, Summer 1991.

The three most important world religions — Judaism, Christianity, and Islam — have a deep though conflicting interest and involvement in Jesus. Among them, the three religions claim adherents who account for a vast majority of the world population. The present conference is designed to focus world attention on a matter of great importance so that

This is so because propehthood is a symbol and embodiment of Allah's mercy and grace for the guidance of mankind.

Let me conclude with some prophetic words from the Promised Messiah in his book Tazkirat-ul-Shahadatain, written in 1903: Look how inspired, how majestic, how full of conviction and faith his words are on the ultimate triumph of his divine mission in attaining the total supremacy of Islam:

"O ye people, hearken to my call, and remember that this is a prophecy of Allah who created heaven and earth. He will spread this community of His in all countries and will cause it to triumph over all others through force of reason and rationality. The days are approaching fast, nay they are near at hand, when only this one religion (namely Islam) will be remembered and acknowledged with respect, honour and pride. Allah shall shower on this faith (i.e., Islam) and this community (i.e., the Ahmadiyya Community) His Choicest and rare blessings and anyone who harbors designs to destroy it shall be condemned by Allah to utter failure. The supremacy of this faith shall remain unchallenged till the time the world comes to an end.

If people mock at me now then their mockery is of no consequence and can cause no harm, for there has been no prophet who has not been mocked at. It was, therefore, inevitable that the Promised Messiah be also subjected to mockery, as Allah Almighty says:

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ

that a prophet of the chain of Moses will be commissioned to reform the Ummah of the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him. What a compliment to the spiritual eminence of the Holy Prophet that his own teachings and spiritual training is incapable of producing a reformer and he is required to borrow the services of a prophet from another chain!!

On the other hand, Ahmadies in total consistency to their interpretation of the Khatamun Nabiyeen verse, believe that the Messiah, whose advent was foretold by the Holy Prophet Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, will be a follower and servant of the Holy Prophet in the image and mould of Jesus Christ. This interpretation is consistent with the correct meaning of Khatamun Nabiyeen, it is in conformity with the prophecies of the Holy Prophet and is in keeping with his exalted and unparalleled status and glory.

We Ahmadies believe that the Holy Prophet as the Messenger of Allah and Khatamun Nabiyeen is not only the father of his spiritual progeny, but enjoys such spiritual supremacy that his true followers can attain the status of a non-law bearing prophet for the service of his mission. In other words, with Allah's grace and favor, the Holy Prophet, so to speak, is a prophet-maker-a position of glory and excellence not bestowed on any other prophet. How can such an interpretation be described as derogatory in any sense whatever, as cruelly alleged by our opponents?

This interpretation obviously,' as indeed was intended by Allah, is of far greater excellence, emminence, and glory to the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, than the assertion that he brings to a close all types of prophethood.

miserable and despicable plight of the Muslim World. Does it not cry for a divinely inspired reformer with direct communion and guidance from Allah? Even Maulana Madoodi asserts that the world situation demands a prophet; Let me quote from his writings (Tarjuman-ul-Quran, December 1942/January 1943 issue, Page 406):

"The majority of people look for a perfect man (مرد کامل)... in other words, they cry for a prophet, although orally they proclaim their faith in Khatam-e-Nabuwat (the end of prophethood). If anyone professes prophethood's continuance, they will do all to silence and destroy him. But in their heart of hearts they cry for a prophet and will settle for nothing less."

The Promised Messiah in one of his poem says:

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت

میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

"The present age cries for a messiah. If I had not appeared someone else would have."

It is incumbent on those who deny the possibility of a prophet of any sort to substantiate their claim that there has been a departure from the divine practice. No one has. No one can.

Strangely enough, however, the non-Ahmadies do believe that in the 14th Century Hijra, Allah will send a messiah for the refor- mation of mankind and that this messiah will be Jesus Christ himself in his own physical person. In other words despite their interpretation of the Khatamun Nabiyeen verse, which closes all doors of prophethood, they acknowledged

way debars the appearance of prophets who bring no new Law (Shariah) and who are the servants and followers of the Holy Prophet and work for the fulfillment of his mission. This is exactly what the Ahmadies believe-no less and no more.

Having sought guidance from the Holy Quran and the Hadith on the subject and having analyzed the interpretation given by known and acknowledged divines and scholars over the past 14 centuries, let us now examine the two conflicting interpretations of the Khatamun Nabiyeen verse on the basis of rationality as well. In other words, if no guidance from the Holy Quran or the Hadith existed (which of course is not the case), which of the two interpretations seems more rational and more complimentary to the exalted status of the Holy Prophet of Islam, peace and blessings of Allah be on him?

It has been an established divine practice that whenever darkness engulfed the earth and people went astray from the right path; when man abdicated his responsibilities to God and his fellow human beings, then God sent his Messengers and prophets to guide them back to the right path. According to a Hadith, there have been 124,000 prophets (of whom only 315 were law bearing prophets). since the creation of this world. In view of the Quranic verse:فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ الله تبديلاة "Thou will never find a change, a diviation in the way and practice of Allah" (35:44).

Why should it now be assumed that this Sunnatullah has been abandoned, particularly in this age which spiritually and morally is one of the darkest ever known. Read Hali, read Iqbal, read the news in the world press every day, look around at the moral bankruptcy the world over and, in particular, the

Hadith, Laa Nabiyya Ba'dee, because by those words the Holy Prophet only meant that there can be no law bearing prophet in future who will cancel his Shariah and Law. This Hadith does not debar the appearance of prophets who serve in fulfillment of Holy Prophet's mission without any change in his Shariah.'

In a later period (12th Century Hijra), Hazrat Shah Waliullah Mohaddes Dehlavi, universally acknowledged as the Mujaddid (reformer) of the 12th century and very well known to the Muslims of the sub-continent of India, says:

"The end of prophethood with the Holy Prophet only means this that there can be no divine reformer (i.e., prophet) who will introduce a new Shariah. Closer to our own period, there is the proclamation of the founder of Madrasatul Uloom, Deoband, Hazrat Maulvi Muhammed Qasim Naunotawi (who died in 1889). He says:

"The general public may conceive that Khatamun Nabiyeen means that the Holy Prophet was the last of the prophets but people of knowledge and understanding know it very well that being the first or last does not necessarily connote excellence. The wordsوَلٰكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ are designed to convey the Holy Prophet's exalted and un- equalled status and this alone is the correct interpretation. Khatamiyyat-i-Muhammadi is not in any way rejected or denied if a prophet appears after the Holy Prophet."

The above quotations from the writings of acknowledged divines and world renowned reformers are clear. From the earliest period of Khilafat-i-Rashda, including the most learned wife of the Holy Prophet, right up to the 19th century, they show that the Holy Prophet's title of Khatamun Nabiyeen in no

any prophet comes he will be subordinate to him and his Shariah."

Again, the 6th Shiite Imam, Hazrat Jaffar Sadiq, in his book Al-Saafi Sharah Osoolul Kaafi (vol. III, Page 119) says:

"Allah raised prophets, messengers and Imams from the progeny of Hazrat Ibrahim, peace be on him. It is strange and unbelievable that while acknowledging these blessings. among the progeny of Hazrat Ibrahim, peace be on him, people tend to deny this possibility in the case of the progeny and followers of Hazrat Muhammed."

The well-known Sufi in the Islamic world, Hazrat Imam Abdul Wahab Shairani, who died in 1568, categorically states in his book Al-Yawaqeet-o-wal-Jawahir, (Vol. III, Page 35):

"Remember that prophethood has not disappeared. Prophets can appear. The prophethood that has ceased to exist is only that which brings with it a new law."

In other words, after Prophet Muhammad, peace and blessings. of Allah be on him, there can be no law bearing prophet.

Another eminent divine who died in 986 Hijra, namely Hazrat Imam Muhmmad Tahir, says in his book Durre Manthoor wa Takmela Majmaul Bihar (page 85):

"Hazrat Ayesha's statement, to call the Holy Prophet Khatamun Nabiyeen but not to say that there will be no prophet after him, was made keeping in view the advent of Hazrat Eisa (Jesus) (i.e., the Messiah's coming). The Imam says that Hazrat Ayesha's advice was in no way in conflict with the

The well known Mujaddid Alfe Saani, Hazrat Shaikh Ahmad Farooqi Sarhindi, in his Maktoobat (Nos. 301 and 432 Vol.I) states:

"Following the advent of the Khatmur-Rosul, Hazrat Muhammad Mustafa, peace and blessings of Allah be on him, the attainment of prophethood by one of his followers, as a reflection and in service of the Holy Prophet, will in no way offend against or be in conflict with his status as Khaatamur Rosul. No doubts need be entertained in this regard."

In the 6th century Hijra, Hazrat Mohayuddin Ibn Arabi, the world renowned Muslim scholar and commentator (who died in the year 638 Hijra) proclaimed in Fatoohat-i-Makkiyya (Vol.I, Page 545):

"We know this with certanity that in the Muslim Ummah there will be individuals whose status, according to Allah, will be of prophets but such prophethood will be without. any new Law or Shariah."

Again, in the same book (Vol. 2, pg. 3-Egyptian edition), Hazrat Ibn Arabi states:

"The prophethood which came to an end with the advent of the Holy Prophet was Tashri'ee Nabuwat, i.e., a prophethood with a new book and a new Law. There is no room for such prophethood after the Holy Quran. This is the correct meaning of the Hadith which contains the Holy Prophet's saying that there is to be no prophet after him. The Hadith only conveys that after the Holy Prophet there can be no prophet who will replace his Shariah with another one. Henceforth whenever

"The Holy Prophet's statement that there will be no prophet after him only meant that there will be no law bear- ing prophet after him."

The other Hadith relied upon by non-Ahmadies in support of their interpretation is: "Innee Aakhirul Anbiya"—I am the last Prophet. This also relates to prophets with new book and law. This is clear by another saying of the Holy Prophet:

انی اخر الانبیاء وانّ مَسْجِدِی أَخِرُ المَسَاجِد

"I am the last of the Prophets and my mosque is the last mosque."

He obviously implied that there will be no prophet like him as there will be no mosque of glory and piety like his mosque. Future mosques will not be of the same glory and will be a mere reflection of his mosque. The possibility of misunderstanding and misinter-pretation of the words (انی آخر الانبیاء) was totally clarified by adding(مسجدی اخر المساجد) i.e., I am the last of the Prophets, in the same way and sense, as my mosque will be the last of the mosques.

the two

We have seen how the Holy Quran and the Hadith primary sources of Muslim faith and dogma support the view that prophethood in service of the Holy Quran and the Holy Prophet is in no way in conflict with the status of Holy Prophet Muhammad as Khatamun Nabiyeen. Let us now see what views were expressed on this subject and how the Khatamun Nabiyeen verse was interpreted by acknowledged Muslim divines and Scholars over the past 14 centuries.

Again in the well known Hadith compilation, The Muslim, the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, named the future Messiah as prophet no less than 4 times in a single Hadith. This mode of repeatedly calling the future Messiah as a prophet was clearly designed to alert the Ummah not to be misled and to grasp this point with certainty.

Let us now take some of the Hadiths on which non-Ahmadies rely in support of their interpretation of the verse.

One of these is the Holy Prophet's saying "Laa Nabiyya Ba'di" that is, there is no prophet after me. However, the denial here is of a prophet with a new book and law, i.e., of law bearing prophet. That this is the correct interpretation of this Hadith is amply clarified and confirmed by Ummal Momeeneen Hazrat Ayesha— the closest and the most intelligent of the Holy Prophet's wives, who said:

قولوا إِنَّهُ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُولُوا لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ

"O ye people you should say that the Holy Prophet is Khatamun Nabiyeen, but do not say that there will be no prophet after him."

It is obvious that Hazrat Ayesha was anxious that the words in a Hadith, "Lua Nabiyya Ba'di" may not be interpreted to close the door of every type of prophethood.

This is further confirmed by the proclamation of Hazrat Imam Shirani, in the 10th Century Hijri:

This Hadith prophetically summarizes the entire history of Islam over the coming fourteen centuries. The concluding period. was a reference to the advent of the Promised Messiah and the current period of his successors. This is further confirmed by the insertion in the compilation of Hadith known as Mishkaat. The insertion clarifies that the reference to the second period of Khilafat by the Holy Prophet was indeed a reference to the future advent of the Messiah and Mehdi.

There is another Hadith in which the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, himself clearly described that the Messiah which was to come later would be a prophet. This Hadith is as follows:

"Abu Huraira states that the Holy Prophet proclaimed that between him and the advent of the Messiah there will be no other prophet. The Messiah is bound to come and when he does, you should promptly recognize and offer allegiance to him. This Messiah to come will be of moderate height and will be fair of complexion. He will defend Islam against other faiths and will expose 'and destroy pigs (i.e., remove from humanity the impurities associated with this animal). He will cancel Jazia. (meaning that as the use of force and wars between countries on the basis of religion will not be taking place in that era, there will be no occasion to levy Jazia.)

This Hadith, while naming the Messiah as a prophet, also implies that anyone claiming to be a prophet between the Holy Prophet and the Messiah will not be a true prophet; and the words in the Hadith (انہ نازل) clearly show that the reference is not to Jesus Christ, a past prophet, but the one who has yet to come.

"If Ibrahim had lived and had become a prophet even then he would have remained a follower of the Holy Prophet. Hist prophethood would not have run counter to the Holy Prophet's title Khatamun Nibiyeen. This is so because Khatamun Nibiyeen simply implies that after the Holy Prophet there cannot be any prophet who brings a new Shariah and is not from his Ummah and his follower."

This is completely square with the definition and interpretation of Khatamun Nabiyeen by Ahmedies.

Let us look at another Hadith according to which the Holy-Prophet was said to have proclaimed:

"Abu Bakr is the most exalted person in my Ummah, except the advent of a prophet in future."

How crystal clear are both these authentic Hadiths in which the Holy Prophet, the recipient of direct revelation and guidance from the Almighty, proclaims the advent of prophets after his death. There is still another Hadith in Masnad Ahmad, Volume 5, page 404, which is given below:

"O ye muslims the present prophethood priod amongst you will last as long as Allah wills. On its conclusion there will be a perid of (خلافت علی منہاج نبوت) Khilafat on the design, pattern and succesion of Nabuwat, i.e., in continuation of the Prophet's mission. This Khilafat will be followed by a succession of kingship, which will be followed by dictatorial regimes of tyranny and oppression, which will be followed by non-democratic regimes. On its conclusion there will then begin a second spell of real Khilafat on the model and pattern of the initial Islamic period."

prophets before him but without whose approval or insignia no one can attain prophethood in the future. The Holy Prophet's claim: "I am the leader of the entire human race," and again his claim: "If Moses and Jesus Christ were alive, they too would have been among my followers, also confirm the interpretation of the verse which I have explained above.

Having examined and analysed the Holy Quran's verdict on the Khatamun Nabiyeen verse, let us seek guidance from the Hadith which, after the Holy Quran, is the next important souce of Islamic teachings.

Here we recall the Holy Prophet's famous words uttered by him on the demise of his son:

لو عَاشَ إِبْرَاهِيمَ لِكَانَ صدّيقاً نَبِيًّا

"If Ibrahim had lived he would have been a prophet."

Now it is an historically established fact that Ibrahim died some 5 years after the Khatamun Nibiyeen verse was revealed to the Holy- Prophet. Yet despite the prior existence of this verse, the Holy Prophet categorically and publicly stated that if his son Ibrahim had lived he would have been a prophet.

This unambiguous uttrance of the Holy Prophet clearly rejects any interpretation that the Khatamun Nabiyeen verse closes the door of every type of prophethood after him. In fact, this Hadith envisages the appearance of prophets after him.

This is not only our view; indeed the same interpretation on this Hadith is placed by Hazrat Mulla Ali bin Muhammad Sultan Al Qari, an acknowledged divine of the Hanafi school. He says:

The word Laakin (like the word 'but' which is its English translation) is used when a statement preceding it is to be contrasted and an exception to it is to be stressed. If we accept the interpretation of the Non-Ahmadi Mullahs, the translation of the verse will be:

"Muhammad is not the father of any of your men but he is the last of prophets and that no prophet will come after him and he will firmly close all doors and avenues to such spiritual eminence."

That would be a strange and meaningless reply to the taunt of non-believers that the Holy Prophet will die issueless. Such an interpretation will make the verse out of tune and of no relevance with the context. Indeed, instead of refuting the taunt of disbelievers that the Holy Prophet was issueless, it would only support and reinforce it.

The real answer to the taunt is only in the interpretation by Ahmadies, that disbelievers cannot call the Holy Prophet issueless as he is the Messenger of Allah and Khatamun Nabiyeen. That is, he is the father of a large number of spiritual sons and the seal of prophets. Further, he is the spiritual father of all prophets and there can be no future prophet without his seal of approval.

The other key word is Khatam which means the seal and connotes authenticity and approval. In other words, although Muhammed, peace and blessings of Allah be on him, is not the father of any men among you, but as the Messenger of Allah, he is the father of a large number of spiritural sons. In fact he is also Khatamun Nabiyeen, i.e., the seal of prophets, the father of prophets-who not only confirms prophethood of

"Surely we have given thee abundance of good. So pray to thy Lord and offer sacrifice. Surely it is thy enemy who is without issue." (108:2-4).

When the Holy Prophet migrated to Medina and under divine command (revealed in the beginning of chapter 33) elucidated the correct position on adoption of children in the context of Zaid bin Haris, his enemies repeated their taunt. They called him Abtar, i.e., one without a male child, including now the adopted one, thus implying that his movement will wither and die out for want of an heir. It was on the occasion of this repeated taunt that the Khatamun Nabiyeen verse in the same chapter (33:41) was received by him in the Quranic revelation.

The verse was designed to answer the taunt of the enemies. It challenged them that although Hazrat Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, has no male issue, he is the Messenger of Allah and as such is the spiritual father of the whole of mankind. In fact he is greater than other prophets in that he is also Khatamun Nabiyeen, i.e., the seal of prophets, under whose wings and spiritual upbringing there will be people with the axalted status of prophets and messengers. Therefore, how dare you call such a person issueless?

This verse of the Holy Quran in no way closes the door to prophethood. It is a great tragedy that the very verse which was intended to describe the exalted and unparalelled status of the Holy Prophet is being interpreted to slam all doors to prophethood. Prophets are Allah's chosen instruments to provide spiritual nourishment to humanity.

If you carefully ponder over this verse, the two key words in it are (لٰكن) Laakin and (خاتم) Khatam.

"If true faith had disappeared from the earth and had moved up to the (ثريا) Pleiades, even then a man from these (i.e., of Persian descent) will bring it back to earth."

It is a historical fact that the Promised Messiah, the Founder of the Ahmadiyya Movement in Islam, was of Persian descent.

Let us now turn to and carefully ponder over the verse in the Holy Quran (33:41), which unfortunately has become a bone of contention. This verse reads as follows:

ما كان محمد أبا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وخاتم النبين

"O ye people, Muhammad is not the father of any male from amongst you but is a Messenger of Allah and is Khatamun Nabbiyeen" (33:41).

Before we dip deeply into its meaning, let us see what was the occasion, the circumstances, and the background for the revelation of this verse.

It is an historical fact that the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, lost all his male children while still in Mecca. On this the non-believers in Mecca taunted the Holy Prophet that he was going to die without a male issue and that with his passing away his whole mission would disintegrate into nothing and there would be no one to assume responsibility of his people.

When the Holy Prophet's Meccan enemies taunted him in the above manner, he received the Quranic revelation:

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ه فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الابتر

them). Indeed you should fear God and do good deeds as then no fear or grief shall touch you." (7:36)

This verse clerly keeps the prospect of advent of prophets in the Ummah of Muhammad wide open for those who follow the Holy Prophet and faithfully serve his faith in fulfillment of his mission. Another verse in the Holy Quran, relating to the advent of the Messiah and Mehdi in the Holy Prophet's Ummah, reads:

هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الْأُمِّينَ رَسُولاً مِّنْهُم يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايته ويز كيهم وَيُعَلِّمُهُمُ الكتب وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِى ضَلِلٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

"Allah has raised a Prophet in Arabia from amongst the unlettered people (the Arabs), who recites unto them His Signs, purifies them, teaches them the Book and Wisdom when prior to his advent they were clearly in manifest error.

"And He will raise him among others of them who have not yet joined them. He is the Mighty the Wise." (62:3-4) i.e., a community which has not yet come into existence but is sure to appear in future, will "join" the commpanions of the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him.

One of the companions asked the Holy Prophet who this latter group was. At that the Holy Prophet laid his hand on the shoulder of a close companion, Hazrat Sulaiman, the Persian, and stated:

The Surah Fateha is offered by every adult Muslim at least 30 times in every 24 hours. It enjoins the prayer, which is elaborated in Surah Nisa, to seek Allah's blessings that He may raise prophets from among the faithful. If prophethood was not to be bestowed in the future, then repeated insistence to pray for such a blessing is futile and without purpose. If that was true, Surah Fateha need not have gone beyond the words the right path and need not have included the category of those Thou bestowed Thy blessings group if that blessed position was totally barred in the future.

The blessings and gift of prophethood is clearly mentioned in verse 70 of Surah Nisa, as mentioned above, which specifically relates to the Holy Prophet. In Surah Hadeed (57:20), however, the reward for the followers of other prophets makes no mention of a grant of prophethood and restricts the bounty and blessings to other categories, namely, the Truthful and the Martyrs. In other words, the followers of other prophets can look to Allah's bounty in forms other than prophethood in consequence of their relationship to their prophets; whereas the linkage with the Holy Prophet of Islam, besides the 3 categories of the blessed group, specifically includes prophets as well.

Again in Surah A'araf, Allah addressing humanity at large says:

يبنى آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ التِى فَمَنِ اتَّقَى

وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

“O children of Adam! if Messengers come to you from among yourselves, rehearsing My signs unto you (then do not reject

Surely the extracts reproduced from the writings of Hazrat Mirza Sahib, the Promised Messiah, establish beyond any doubt his deep and abiding faith in Khatme Nabuwat and his unmatched love and devotion to the Holy Prophet of Islam. He repeatedly described his relationship to him as one of humble servant of a glorious master. His own action and practice in life and the inspired community he created are proof of our crystal clear devotion to the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him.

We now proceed to test the veracity of the two conflicting views and interpretations by recourse to the Holy Quran and Hadith which are the two universally acknowledged sources of knowledge and inspiration of the Islamic faith. Their verdict should be decisive. The very first chapter of the Holy Quran, Surah Fateha, enjoins Muslims to offer the prayer

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

"O God guide us in the right path, the path of all those on whom Thou hast bestowed Thy blessings." (1:5-7)

Who are these recepients? This is elaborated in Surah Nisa:

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ والصيد
يُقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالظّٰلِمِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا

"And whoso truly obeys God and this Messenger of His shall be among those on whom God has bestowed His bless- ings, namely the Prophets, the Truthful, the Martyrs and the Righteous." (4:70).

In propagation of Islam is any indication of a people's faith and devotion to the religion brought by the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, then the record of Ahmadies is un- equalled by any other sect in Islam. Ahmadies constitute a tiny minority of 10 million worldwide against a total population of over 800 million Muslims in the world. Yet Ahmadi propagation efforts have not been matched by all the other 70 odd sects of Islam put together despite their number and wealth. Ahmadi missionaries have been in the forefront of the fight waged against Islam by Christianity and have converted millions of infidels and Christians, who instead of abusing the Holy Prophet, peace be on him, now offer (درود) homage to him. The wave of conversions from Muslims to Christians in Africa, the Indian subcontinent and other parts of the world, has been turned completely. The reverse flow has begun with such an intensity that the force of it is acknowledged by the bitterest. enemies of Ahmadiyyat among the other Muslim sects as well as by acknowledged scholars of Christianity.

Does this phenomenon not tell a story? The motivating force behind this tremendous effort, unequalled since the initial spread of Islam, is none other than the love and devotion to the Holy Prophet of Islam, peace and blessings of Allah be on him. It is a service of the great religion he brought to perfection, the religious process which started with Adam. The inspiration for all this effort, sustained and unrelenting for nearly 100 years, came from Hazrat Mirza Sahib whose divine advent as Messiah and Mehdi was foretold by the Holy Prophet of Islam and by Scriptures of other faiths.

champions of Islam, slept in deep slumber and engaged in their worldly pursuits, the only heart which throbbed with agony because of the abuses hurled at the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be on him) was that of Hazrat Mirza Sahib. He lay prostrate before his Lord seeking an escape from this anguish and did not rest till the abuses ceased with the destruction of the abusive enemies of the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him.

Again, I cannot resist reproducing two quotations from Hazrat Mirza Sahib's writings describing his agony whenever any one. attacked the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him. In his book Ayeena Kamalat-i-Islam he says with great pathos:

"If these people (who abuse the Holy Prophet) had killed our children before our very eyes and cut to pieces our rela- tives and dear ones and had killed us all in ignominy and had taken possession of all that we owned, then I swear by God -and I repeat this oath-that all this would not have hurt and caused us more agony than the abuses which they hurl at our Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him."

Again in the last book which he finished writing 24 hours before his death, Paigham-i-Sulh, He says:

"I say it with truth and the whole truth that we can live in peace with venomous snakes and the wolves of the jungle but cannot extend a hand of harmony and peace to those who make filthy attacks on our beloved Prophet Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, who is dearer to us than our lives and the lives of our parents."

In this connection, I narrate the story of Pundit Lekhram who was an acknowledged leader of the Arya Samaaj, a sect among the Hindu Community in India. He had repeatedly written abusively against the Holy Prophet of Islam. Pundit Lekhram once saw Hazrat Mirza Sahib on the platform of Lahore Railway Station. He came towards Hazrat Mirza Sahib (who was performing ablution prior to offering prayers) and respectfully greeted him with Salam. Hazrat Mirza Sahib paid no attention. Lekhram, thinking that he had offered his greetings from one side and did not catch the eye of Hazrat Mirza Sahib, turned around and came face to face with him and repeated his Salam. Again there was no response. At that point Pundit Lekhram left with his greetings unanswered. When the Pundit was gone, one of the companions with Hazrat Mirza Sahib said to him: "Huzoor, Pundit Lekhram was here offering salutations to you." Hazrat Mirza Sahib replied, "He abuses my master and offers greeting to me-his servant." The story speaks volumes about Hazrat Mirza Sahib's love, respect and devotion for the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him.

Similar to Pundit Lekhram in India, another person, Dr. Alexander Dowie, in America also indulged in vicious abusive campaigns against the Holy Prophet. Hazrat Mirza Sahib told them both to desist from such vilification as it was indecent and becoming intolerable for him. They did not stop, so he turned to His Creater in prayers and solicitations. His prayers were heard and he prophesied that both would die in ignominy within a stipulated period, through God's design, unless they repent. Both died in total ignominy as prophesied. While the whole Muslim world, including the so-called

Promised Messiah in his book Itmamul Hujjah writes as follows in his homage to the Holy Prophet:

"The blessed Prophet, the Khatamul Anbiyaa, the seal of the prophets, the pride and crown jewel of the prophets, is Hazrat Muhammad Mustafa, peace and blessings of Allah be on him. O My beloved Lord, shower on this exalted Prophet such blessings and glory as You have not showered on anyone since the creation of this world."

There is no end to these quotations in which Hazrat Mirza Sahib. pays homage to his master, describes himself as his servant and acknowledges fervently and passionately his belief in the Prophet as Khatmul Mursaleen. His entire literature, spread over some 80 books, is full of it and he repeatedly reverts back to his all- consuming love and homage to the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him. I can quote all day and still be nowhere near the end of such quotations. But the few authentic quotations. reproduced above should convince any fair-minded person— indeed even an unfair-minded person-that the Founder of the Ahmadiyya Community fully believed in the Khatme Nabuwat and the exalted, unequalled and unparalleled status of the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him. Indeed in the initiation form for joining Ahmadiyyat, this belief-that the Holy Prophet is Khatum-ul-Nabiyyan-was made an important condition of (بیعت) initiation into Ahmadiyyat.

Let us see for a moment whether Hazrat Mirza Sahib's belief was confined to his writings only or was it acted upon in his personal life as well.

أُنْظُرْ إِلَی بِرَحْمَةٍ وَتَحَنُّنِ   يَا سَيِّدِی أَنَا احْقَرُ الْعِلْمَانِ
يَا حِبِّ إِنَّكَ قَدْ دَخَلْتَ مُحَبَّةَ   فِی مُهْجَتِی وَمَدَارِفِی وَجَنَانِی

"O my Master, turn to me with thy affection and blessings. I am the humblest of your servants.

O my beloved, thy love has taken full possession and control of my body, heart and soul.

O ye the garden of all my delights and happiness, I do not pass a moment of my life without your memory.

My soul is already yours alone and my body yearns to fly to you, how I wish I had the power and capacity to fly!!"

Again in one of his Persian poems, Hazrat Mirza Sahib pays his tribute and homage to the Holy Prophet in the following verses:

واین پاکش بدست مامدام   آل رسولے کش محمد بہت نام
پرنبوت رابر دشد اختتام   بست او خیر الرسل خیر الانام
دل برود چون مریم سوئے مصطفیٰ   مچنین عشقم بروئے مصطفے

"That prophet whose name is Muhammed, His pure and faultless guidance alone I hold firmly in my hands.

"He is the best of all prophets and the best of all mankind. In his person all the attributes and blessings of prophethood have reached their perfection.

"My love for the Prophet is deep and abiding. O how I wish to fly like a bird towards him with all my heart and longings." The

believer then by God I am the greatest of all non-believers." Hazrat Mirza Sahib displayed his deep and abiding love for his master, Hazrat Muhammad, peace and blessings of God be on him, throughout the voluminous literature which he produced. This is displayed as if it was an uncontrollable torrent which found expression whenever he held a pen in his hand. His unequalled homage to the Holy Prophet is given in one of his Persian poems:

عجب نوریست درجان محمد　　عجب لعلیست در کان محمد

اگرخواہی دلیلے عاشقش باش　　محمد ہست بریان محمد

دریں رہ گر کشندم در بوزند　　نتایم رو بہ ایوان محمد

تو جان ما منور کردی از عشق　　فدایت جانم اے جانِ محمد

"In the person of the Holy Prophet Hazrat Muhammad (may peace and blessings of God be upon him) God has concentrated a unique divine light. It is like a mine overflowing with precious stones of unique excellence. O ye who refuse to accept him, if you are in search of a reason to believe the truth of his claim then know that his personality itself is an embodiment of truth.

"By God if I am cut to pieces and every piece of my body is burnt and turned into ashes, even then I will not turn away from his bondage. So Oye soul of Muhammad, I gladly sacrifice my life for you. Indeed every part of me is lit up with thy burning love and affection."

Again in an Arabic poem he addresses the Holy Prophet in the following terms:

himself is described by Hazrat Mirza Sahib in many of his verses in three languages-Urdu, Arabic and Persian. A few examples are:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہے وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

That one leader of mine who is the source of all light; his name is Hazrat Muhammad (may peace and blessings of Allah be upon him) and he alone is my beloved. I am beholden to that light and my soul and my everything belongs to him and are in his service. In brief he is everything and I am nothing. This indeed is the real position. Again in another poem he says:

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں دل سے ہیں خدام ختم المرسلین

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں خاک راہ احمد مختار ہیں

"I have the same faith as all Muslims and I am a true and humble servant of Khatam-ul-Mursaleen. I shun Shirk (association of partners with Allah) and deviance from the right path. I am just a particle of dust in the footsteps of the Holy Prophet of Islam."

In one of his Persian poems, in response to accusations that he was a Kafir-a non-believer in Islam, he told his accusers:

بعد از خدا بعشق محمد مخمرم کفر این بود بخدا سخت کا فرم

"You call me non-believer but I am consumed and wholly absorbed first in the love of God and next to it in the love of the Holy Prophet (may peace and blessings of God be upon him). If these two all consuming loves make one a non-

In his public address on October 23, 1891 he proclaimed:

"Any one who does not beleive in Khatme Nabuwat is without faith and outside the pale of Islam."

Again, he reasserts:

"All the doors to reach prophethood are closed except one of total obedience and through complete dedication to the Holy Prophet of Islam." (Aik Ghalti Ka Azala)

"Through God's grace and bounty alone, and not because of any merit of my own, I have been bestowed in full measure the status and glory bestowed on God's prophets, messengers and His loved ones. It would have been utterly impossible for me to attain it if I had not walked in humility and servitude in the footsteps of my lord and master, the crown and pride of all prophets and the best among them, namely, Hazrat Muhammad Mustafa, peace and blessings of God be on him. Whatever I am is because of him and out of total submission to him. I know it for sure that no human being can attain closeness to God and partake of His bounties without total submission to the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him." (Haqiqat-ul-Wahee, page 62.)

Again in the 1884 edition of Baraheen-i-Ahmadiyya, the Promised Messiah describes his own position in the following terms:

"I am among the humblest of servants of that glorious Prophet who is the crown and indeed the greatest of all the prophets."

The same relationship of master and servant between the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, and

"I swear by Allah the Mighty and the Glorious that I am a true believer (مومن) and a Muslim. I have full faith and belief in Allah the Almighty, His revealed Books, His prophets, His Angels and the life after death. I have full faith and truly believe that our Prophet Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, is the greatest of all prophets and is Khatamun Nabiyeen.

Again in his book Azala-i-Auham, the Promised Messiah states his belief and stand on Khatme Nabawat in the following words: "The sum total and the essence of our belief is enshrined in

لا اله الا الله محمد رسول الله

The strong faith which we uphold in this life and with which, by God's Grace, we shall leave this worldly abode is that our lord and Master, Muhammad Mustafa, peace and blessings of Allah be on him, is Khatumun Nabiyeen and Khairul Mursaleen. He is the best of all prophets. With his advent faith was perfected and reached its Zenith and is now the only route which directs man to attain closeness to our Creator."

The same theme of his homage and subservience to the Holy Prophet, peace and blessings of God be on him, is repeated at innumerable places in the 80 odd books which the Promised Messiah wrote in defense and propogation of Islam. Listen to what he says in his book, Kashti-i-Nooh.

"From the point of view of faith and belief, all that God expects from you is to believe that there is only One God and that the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be upon him, is His Prophet and is Khatamul-Anbia and the greatest of all the prophets."

Ummah and if I had not been his follower, then even if my services and talents had been as massive and tall as all the mountains of this world, I would not have acquired or been bestowed the title and honor of direct communication with God. This is true because now all doors to prophethood are closed except the portal and prophethood of The Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him. After him there can be no independent prophet with a new law or code. Now the only type of prophethood which survives is that which is without any new Shariah other than that of Islam and which is bestowed on a true follower or servant of the Holy Prophet of Islam."

Again in 1905 in the newspaper Alhakam, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, the Founder of the Ahmadiyya Movement in Islam, vigorously asserts:

"The accusation levelled against me and my community that we do not believe The Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on him, to be Khatamun Nabiyeen is a colossal lie. The force, the certainty, the passion and the solid conviction with which we believe him to be Katamul Anbiya is so strong and overwhelming and of such excellence that it is a million times stronger than the belief of our accusers."

His books and writings are indeed ridden with homage and subservience to the Holy Prophet. Thus in his book Humamat-ul- Bushra, page 8, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad calls God as his witness regarding his faith in Khatme-Nabuwat. Listen to how une- quivocal and unambigious is his statement on a Solemn oath.

The relationship of such a prophet with the law-bearing prophet is one of servant and master. He has no independent existence of his own and such prophethood is termed as (ظلی نبوت) Zilli-Nabuwat, because it merely reflects the prophethood of another as the moon reflects the light of the sun and has no independent or separate light of its own.

The Ahmadiyya belief on Khatme Nubuwat is that the first two types of prophethoods, namely Haqiqi Nabuwat which brings a new law and code with it and Mustaqil Nabuwat, i.e., a prophethood though not law-bearing, is nevertheless free of any other dependence and linkages, have both now ceased to exist after the advent of the Holy Prophet, Hazrat Muhammad, peace and bless- ings of Allah be on him. With his advent the only type of prophet- hood which remains is one which serves Shariah-i-Muhammadi Muhammadi Law, as embodied in the Holy Quran, without an iota of change in it. It draws its inspiration and legitimacy from the HolyProphet Muhammad, peace and blessings of Allah be on him, with whom it retains the relationship of Master and Servant and to whom it remains totally subservient.

Let us now go to the direct source of Ahmadiyya views on Khatamun Nabiyeen as annunciated by the Founder of the Ahmadiyya Community in his writings and in his own words.

Recalling his status as the Promised Messiah and the divinely bestowed title of prophethood, he says in his book, Tajalliyat-i- Ilahiya, (pages 24-25):

"This status and title has been bestowed on me only because I am a true follower and servant of the Holy Prophet, peace and blessings of Allah be on on him. If I had not been from his

Secondly, we should then proceed to learn directly from the writings of the Promised Messiah, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, as to his faith and belief in Khatme Nabuwat and not through second hand or distorted versions.

The study of the Holy Quran, the Hadith and religious history shows that prophets are of 3 distinct types:

(i) First, there are those prophets who are commissioned by God to introduce a new Shariah, a new code of law. These are the law bearing prophets. This type of Prophethood is known as Haqiqi Nabuwat (حقیقی نبوت (Tashree Nabuwat or (تشریعی نبوت)and is the real hard core of prophethood. Obvious examples are Moses and of course the Holy Prophet of Islam, peace and blessings of Allah be upon him, who respectively brought Torah and the Holy Quran.

(ii) Next to them are those prophets who are not law-bearers but only serve the previous Shariah of an earlier law-bearing Prophet. The obvious examples are Hazrat Da'ood (David), Jesus Christ and others who came in fulfillment of Mosaic law and code but were otherwise independent and did not derive their prophethood through a direct linkage with the preceding law-bearing prophet. As such prophets derive their prophethood without intervention, or linkage with any law-bearing prophet, this type of prophet hood is described as (مستقل) Mustaqil, i.e., permanent or independent prophethood.

(iii) The third and last category of prophets is one which is a mere reflection of an earlier law-bearing prophet. It is not independent but derives its divine origin through total submission and homage to a previous law-bearing prophet.

Prophet, peace and blessings of Allah be on him. This is a cruel, utterly and totally false accusation and can certainly be described and counted as the biggest-lie of the century-if not of all times.

They have made this false charge from all pulpits and have made it so repeatedly that a large section of Muslims, who have not cared to check this accusation by referring to the books of the Founder of the Community and other Ahmadiyya literature, have been tricked into believing it.

It is incumbent on every Muslim to look into the conflicting claims and decide who is right. This can best be done by recourse to our admittedly common heritage and the source of all guidance. In other words we should first of all examine:

1. Which claim is supported by the Holy Quran.

2. What is the verdict of the Hadith-a record of the sayings of and annunciations by the Holy Prophet

3. What was the interpretation of the Khatamun Nabiyeen verse by known eminent scholars and religious divines over the past 14 centuries.

4. Which view is more logical and rational.

Before we proceed to examine which of the two claims is correct in the light of the four possible tests just described, we should clarify two points:

First, whether Nabuwat, i.e., prophethood is only of a single variety or whether there are different types/kinds of prophethood.

It is also resolved that copies of this resolution be sent to Hazrat Amirul Momineen, the members of his family and to the Ahmadiyya Gazette, USA

EXALTED STATUS OF THE HOLY PROPHET AS THE KHATAMUN NABIYEEN

Sahibzada M. M. Ahmad

(This very timely subject was the topic of two speeches given at the Ahmadiyya Annual Conventions in the USA (June 1987) and England (July I987) by Sahibzada M. M. Ahmad. The arguments given here will convince any fair minded person that the charge made by the anti-Ahmadiyya Ulema that Ahmadies do not believe in Khatme-e-Nabuwwat is utterly baseless and full mischief.)

Ahmadis believe firmly, fervently, without any ambiguity or reservation and with all their heart and soul, that the Holy Prophet of Islam, Hazrat Muhammad Mustafa (peace and blessings of Allah be upon him) is Khatamun Nabiyeen. He was, and will ever remain, the greatest Prophet of all times-past, present and future-and his Shariah will remain unaltered and the guiding code and law till doomsday.

Those opposed to Ahmadiyyat have carried out a vigorous campaign of falsification that Ahmadies do not believe in Khatamun-Nabiyeen and, (نعوذ باللہ) God forbid, are guilty of down-grading the exalted and supreme status of the Holy

addresses. His words of wisdom often brought tears to the eyes of Jama'at members. He had a unique quality of shaking up the souls of the Jama'at members so that they would be inclined to become righteous. He was very socialable and greeted everyone kindly. He never refused an invitation and was often seen at weddings of Jama'at members.

He attended and graduated from Government College, Lahore and Oxford University,U.K. He joined civil service of Pakistan and played a key role in the country's development between the years 1947 and 1974. During this period, he held several positions in the Government of Pakistan: Finance Secretary, West Pakistan Chief Secretary, West Pakistan.Federal Commerce Secretary, Government of Pakistan Federal Finance Secretary, Government of Pakistan. Federal Minister of Planning Commission, Government of Pakistan.Federal Minister In-charge of Finance Ministry

Advisor to President and Prime Minister of Pakistan

He was one of only four civil servicemen who opted to serve Pakistan after its independence. He led Pakistan delegations to several international conferences. He played a key role along with Secretary Henry Kissinger in opening the way for U.S. into China by arranging the first President Nixon's trip to China. He joined the World Bank in 1972 as its Executive Director for Pakistan and Middle East Group. He was awarded Hilal-e-Qaid- e-Azam and Sitara-e-Pakistan awards by the President of Pakistan.

We pray that Almighty Allah may grant him an exalted station in Paradise and may He grant patience, comfort and strength to all his loved ones and the members of the Jama'at.

Resolution of Majlis Aamila and Jama'at Ahmadiyya Maryland on the Demise of Sahibzada M. M. Ahmad Sahib, Amir Jama'at USA

The following resolution was unanimously passed by Majlis Aamila and members of Maryland Jama'at on Friday, August 09, 2002.

Jama'at Ahmadiyya Maryland expresses its heartfelt condolences at the demise of Sahibzada M.M. Ahmad Sahib, Amir Jama'at USA and a very distinguished member of the International Jama'at Ahmadiyya. Inna lillahi wa ina illahi rajioon. May Allah elevate his soul and grant him an exalted station in Jannatul Firdous. Amin. May Allah also grant comfort to the bereaved family and friends.

Sahibzada M.M. Ahmad Sahib was born on February 28, 1913. He was a grandson of Hazrat Promised Messiah Alaih-e-Salam and a son of Hazrat Mirza Bashir Ahmad Razi Allah Anho. His life epitomized service to Khilafat and Ahmadiyyat. He played a very active role in serving the Jama'at throughout his life. He became the Amir Jama'at USA in 1989 and served in this capacity until his last breath. His devotion to Hazrat Khalifatul Masih II, III, and IV was exemplary. Many Ahmadis will continue to remember him for his regular presence and motivational addresses. His devotion to faith and his love for Khilafat was evident from all his addresses. He was often asked to address the Jama'at gatherings at the end of the program. Many of the people who used to get tired during the rest of the speeches used to become alert for his concluding

the structure and flow of the publication and the administrative strategy for this task. After examining their inputs, he formed a committee of highly motivated and deserving members of the Community to administer and oversee the publication. A long list of names for this publication suggested by members were submitted to him. He chose two of them of which one, al-Hilal, appears on the publication today. His selection of this name points to his strong affection for the language of the Quran and the familiar parallels given for the great Prophet of Arabia over the past many centuries.

It was his suggestion that the reports of prominent activities of the US Ansar be published in Ahmadiyya organs worldwide. One initiative in this respect set off a barrage of such reports from all over the world claiming many pages of each of our major periodic publications.

He was 76 years old when he was given the grand responsibility of heading the US Jama'at. His experience proved to be a great asset in contributing to the success and progress of the Ahmadiyya Community in the US. His accomplishments at that advanced age are an excellent example to follow and a necessary lesson to learn for all our elders and retirees on how to come forward and serve our Community selflessly up to our last breaths.

May Allah bless and exalt his soul and be a source of solace for his near ones. Amin.

(The Ahmadiyya Gazette July/August, 2002)

talk to me. The number of people and issues he had to handle, this level of his diligence is exceptional and points out to the fulfillment of the prophecies of the Promised Messiah, 'alaihissalam.

Mirza Zahir Ahmad, his son, was heading the Washington Khuddam when I was given the opportunity to head the US Khuddam. During one of my visits, he kindly allowed us to hold a planning meeting at his home where we also offered our Prayers after the meeting. He presented his residence for many disruptive functions without worrying about his comfort.

He heard my proposals with humility and gave them the attention and consideration necessary for them to be beneficial for the Jama'at. His advice with respect to the Muslim Sunrise helped improve its quality and effectiveness. On one of my travels, I saw a For Sale sign outside an Ahmadiyya Center. I deemed that center to be quite beneficial to the local community. I wrote him a letter showing my concerns and provided reasons for my view. Next time I visited that property, the For Sale sign was gone. He read all the correspondence with attention to detail, investigated the matter thoroughly, and wrote valuable remarks back.

He was very particular about the training and proper upbringing of our younger generation. He often spoke on the subject in Jama'at meetings. When I approached him with a proposal to start a magazine for children, he rightly guided me to get the opinion of the heads of the Lajna and Khuddam organizations in the States. Both of them were naturally supportive of such an endeavor and provided their ideas on

He was climbing the executive ladder fast and soon was heading the planning commission. I remember listening to his speech, alongside my father, the first time he presented the five-year economic plan on the Radio Pakistan. He was precise and to the point in his addresses. His speech kept the same assertiveness, firmness and clarity to the last days of his life, and reflected the magnificence of his father's addresses to the thousands attending the International Jalsas in Qadian and then in India. In a country ridden with bribery, cronyism, and intrigue, his honesty, straightforwardness, selfless service, foresight and intellect were a great asset to any government, therefore, his services even as economic advisor to the president were carried over from one administration to the next, albeit these administrations were bitterly rival to each other.

His services were indispensable to the progress of Pakistan. He would have contributed to the future of Pakistan much more if the rulers of Pakistan had not sacrificed the well being of Pakistan to appease the mulla for political convenience. By ignoring such selfless servants, successive rulers broke the basic Islamic principles of equity and fairness, thus bringing to the country despair after despair, leading to the present-day chaos and turmoil.

I had the honor of interacting with him on various issues related to the Ahmadiyya Community in the United States. He always extended his hand with a smile on his face and full attention. Whenever I met him, he had the questions ready for asking and advice and suggestions prepared for dispensation, giving me the impression that he had been thinking about me and had been waiting for my appearance to

M.M. Ahmad Sahib was his host for his entire stay here. The Khalifa would reside in his home and the Khuddam would provide security 24 hours a day during the entire stay.

He was always in the forefront during Jalsa Salana USA because of his financial background. During the early years, Jalsa Salana was held in different cities around the country. The Jama'at was in need of his advice about cost and where the Jalsa Salana should best be held.

M.M. Ahmad Sahib was appointed Amir of Jama'at USA. He was a stern and a no-nonsense person. Fair to everyone. You could see his religious side. Concern about the morals, prayers, Chanda paying and the well-being of us all.

He always encouraged us to attend all of the Jama'at functions and holy days. Sometimes he was greatly disappointed when we had a small turn-out, and of course very gracious when we had a large turn-out. May Allah rest his soul in perfect peace. Ameen!
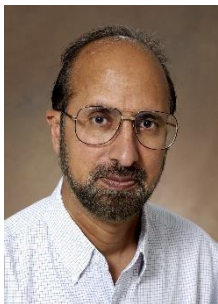
REMEMBERING SAHIBZADA M. M. AHMAD

Syed Sajid Ahmad, Boise, ID

As I became able to read the newspapers during my younger years in Pakistan, Sahibzadah M.M. Ahmad was already in the news. My father had told me that he was a son of Hazrat Mirza Bashir Ahmad, Qamarul-Anbiya, radiyallahu 'anhu, who in turn was a son of the Promised Messiah, 'alaihissalam.

MY IMPRESSION OF M. M. AHMAD SAHIB

(May his soul rest in peace)

(by Ahmad Haleem, President, Fazal Mosque, Washington D.C.)

When I first met M.M. Ahmad sahib some thirty years ago, he was with the World Bank. I noticed whenever he came to Juma all the brothers would stand up as he walked in. I thought this was because he was an administrator at the World Bank. Being a new member in the Jama'at at the Fazl Mosque, I was unaware he was the grandson of the Holy Founder of the Jama'at Ahmadiyya - Hazrat Mirza Ghulam Ahmad (a.s.).

He would talk with the brothers after Juma prayers and answer questions about the Ahmadiyya Movement and the Qur'an. Therefore, I could see why they stood up for him because they respected him as part of the holy family of the Promised Messiah (a.s.).

On special events he delivered speeches on Islam and the history of the movement that he had personally witnessed. He always encouraged members to stay strong in Islam and pray to Allah for guidance. At that time our Jama'at was small in numbers.

When the third Khalifa (r.a.) visited the USA,

recognition of his extensive service, Mr. Ahmad received distinguished awards from the Pakistani Government.

Mr. Ahmad was appointed as an Executive Director of the World Bank for Pakistan and the Middle East. He also served as the Deputy Executive Secretary for a Joint Committee of the World Bank and the International Monetary Fund.

A moment of silence was observed in memory of Mr. Ahmad by the speakers, scholars and the attendees at a conference "Taking Pakistan into the 21st Century", organized by the Woodrow Wilson International Center for Scholars on July 24, 2002 in Washington.

Belonging to the Ahmadiyya Community, a minority group in Pakistan, Mr. Ahmad was subject to the wrath of extremists. In 1971, while in a government office elevator, Mr. Ahmad was stabbed by a religious extremist. Despite being seriously injured, he was able to subdue his assailant. His ability to withstand a brutal attack was due to his great physical condition - because of avid interest in sports such as tennis and hunting. The attempt on his life did not embitter his outlook, as he remained active and involved in community affairs. He kept his passion for reading until his last days.

Following his retirement from the World Bank, Mr. Ahmad became the President of the Ahmadiyya Muslim Community USA. He was admired and loved by the members of his community for which he worked until his recent illness.

Mr. Ahmad will be remembered for his dedication to public service and for the lesson he taught in asking his community members to ask themselves: "What have I done for my Community today?" And to underscore his commitment, even on his death bed, Mr. Ahmad asking his assistant Dr. Zaheer Bajwa: "Did you bring my mail today?"

found countless sad faces, quietly mourning the passing away of a man they considered a part of their own family.

M.M. Ahmad is survived by his wife Mrs. Amtul Qayyum, son Zahir Ahmad, his daughter-in- law Tazeen Ahmad and two grandchildren, Muhammad and Marium. But there are thousands across America who mourn his death.

Born on February 28,1913, in Qadian India, Mr. Ahmad was the grandson of Mirza Ghulam Ahmad, founder of the Ahmadiyya Muslim Community - a peaceful movement spreading Islam in over 160 countries.

After completing high school in Qadian, India, Mr. Ahmad studied at the Government College Lahore and subsequently at London University and Oxford. He joined the Indian Civil Service in 1939, under the British Empire, and worked in senior positions until the creation of Pakistan in 1947.

Mr. Ahmad made enormous contributions to the civil service in Pakistan, when he rose steadily through the ranks holding positions such as Secretary Commerce, Secretary Finance, Deputy Chairman of the Planning Commission and Economic and Financial Advisor to the President of Pakistan.

He represented Pakistan at several key events. He led a delegation to China in 1967 and to International lending institutions. Mr. Ahmad was a member of Pakistani delegation at key events including the Commonwealth Ministerial Conference. He was a negotiator with the World Bank for the massive Indus Basin irrigation project for Pakistan. Mr. Ahmad played a key role along with former US Secretary of State Henry Kissinger in arranging President Nixon's trip to China. In

M. M. AHMAD-A DISTINGUISHED PAKISTANI PASSES AWAY

(by C Naseer Ahmad)

"Sada na baagi bulbul bolay

Sada na rahndi husn javani,

sada na rahnan bag baharan

Sada na rahna maan pay,

sada na sohbat yaaran"

So wrote the Punjabi Sage Mian Muhammad Baksh in his epic "Saiful-Muluk".

It was early Monday morning when my wife called me at work to tell me that "Mian Sahib" who was also know as Mirza Muzaffar Ahmad and M.M. Ahmad, had passed away. Many Washington area residents like me had known this decent man since he became a resident of Potomac, Maryland in 1972.

For many days, the Washington area did not get any rain and then on Monday night, it rained as if tears were falling from the sky. For one who was accustomed to meeting him frequently, it was hard to imagine that a friend would not be sitting impeccably dressed on his sofa anymore. Instead, one

FROM THE NATIONAL SECRETARY, TABLIGH

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

Words are unable to express the full expression of my thoughts and feelings as I reflect upon the Giant of a man we have all lost from among us with the passing of our respected Amir M. M. Ahmad (Inna lillahi wa inna ilaihi raji 'un)

And yet that loss is immediately filled with gratitude when we look at the accomplishments he has made in his personal life, the dedication he gave in the service of Islam, and the huge lesson he has taught us as the Amir of the USA Ahmadiyya Jama'at. May Allah Ta'ala have mercy on him and grant him Paradise.

I am honored to have served under his leadership and honored still to have been blessed to know such a Great man in my life. I will always Love him and pray for him.

I extend these heartfelt sentiments to his immediate family and his extended family of all who knew him.

Ali Murtaza

National Secretary Tabligh

July 24, 2002

of life. The spectrum of love is broken up in its elements of patience, kindness, generosity, and humility. These are supreme gifts the stature of the perfect man. You will see that all are in relation to man, in relation to life, in relation to the known today and the near tomorrow and not to the unknown eternity. Where love is, God is. He passed the spectrum of love to me. It is my pleasure to pass on his message to you also.

The most befitting tribute that we can pay to him is to reach forward in the spirit which he inspired within us, the kindness, the perseverance, the hope and self devotion, which is before each one of us.

Life at the best is but as a vapor away. The glories of our birth and stations that we achieve are shadows, not substantial things. But when death comes, what nobler epitaph can any man have than this, that having served his generation and his God, by the will of God he fell asleep.

(The Ahmadiyya Gazette, July/August, 2002 page11)

First, I perceive, there is that singular peculiarity which is within the reach of all of us. He accomplished the greatest success by the most homely and the most ordinary means. It is this which makes his life, in many respects, an example and encouragement to all. The persevering devotion of his days and nights in the service of Ahmadiyyat and toil and endurance of nearly two decades in a very high station of Amir of the USA Jama'at in which he was employed - these are the qualities which might be imitated by every single person of the Jama'at from the highest to the lowest amongst us.

Yet, whoever you may be, who are working zealously, humbly, honestly in your different stations, work on the more zealously and the more faithfully from this day forward.

He won his way with far-sighted wisdom, kindness of heart, tact and readiness. These were the gifts of God to him. "Never despair" so the vicissitudes of the octogenarian Amir seems to say to us.

I am one of those fortunate ones who is direct recipient of some of his words of wisdom.

Once when I asked him what is supreme good and what is the noblest object of desire, he replied, the greatest thing in the religious world is faith and next to it is love. Remember love is a compound thing which is like light. As you have seen a man of science take a beam of light and pass it through a crystal prism, as you have seen it come out on the other side of the prism broken up into its component colors - red and blue, and yellow and violet, and orange and all the other colors of the rainbow. They are virtues which we hear about every day; they are things which can be practiced by every man in every place

hollow and the tree disappears in the dust. The last few years of Mian Sahib life had been years of great physical pain, yet he turned it to a brave, cheerful unflinching face.

I served him as his Secretary for over a decade. He was a giant of a person both in the physical sense and in mental capacities. He was a whole man in his stature, symmetry, and countenance, the whole human being with outlines and type which belongs not only to man in general, but to a particular individual.

Men are not equal, they are variously endowed and some have capacities and qualities and energies far beyond others. He was that person.

He had self control, the will and in obedience to Khalifat there was no match to him. He had his own individual gifts and capacities.

Each human soul that is gifted above its fellows, leaves as it passes out of the world, a light of its own, that no other soul, whether more or less greatly gifted could give equally. As each lofty peak in some mountain is illuminated with a different hue of its own by the setting sun, so also, each of the higher summit of human being is lit up by the sunset of life with a different color derived, it may be, from the material of which it is composed or from the relative position it occupies, but each to those who can discern it rightly conveying a new and separate lesson of truth, of duty, of wisdom and hope.

What then are the special lessons which we may learn from the character of this remarkable man who has been taken away from us is, to pay, befitting tribute to his memory.

We never in this life can fully understand what is meant by our living forever, but we can understand what is meant by this world's not living forever, by its dying never to rise again. And leaving this we learn that we owe it no service, no allegiance, it has no claim over us and can do no material good nor harm. On the other hand the law of God written on our hears bids us serve Him and partly tells us how to serve Him who is a righteous judge. Hazrat Sahibzada Mirza Muzaffar Ahmad served Him in true vein and true spirit.

There is one glory of the sun, and another glory of the moon, and another glory of the stars; but star differs from another star in glory. To me that unique glorious star was Hazrat "Mian Sahib" - my mentor. Today, for some it might be a melancholy day of his death but I see the rich and incomparable fulfillment of his life. In his death his virtues have rolled like a snowball which will keep on rolling of which there is no parallel in the world.

It is rare to be fortunate in life, it is infinitely rarer to be fortunate in death. It is comparatively easy to know how to live but it is beyond option and choice to compare the most difficult art of knowing when and how to die.

We cannot deny the truth that human being is like an oak tree. The acorn of which is planted in the clay, struck its tap-root, then rose into a stem which spread into a branch and in the whole the oak completed its symmetry, stature and perfection. But when that oak attains its maturity and has run through its period of time, it begins to decay. The sap sinks to the root, the leaves begin to fall, the sprays wither, the branches decay and fall from the trunk, the trunk becomes

outward world prevails. We look off from self to the things around us, and forget ourselves in them. Such is our state - depending for support on the reeds which are no stay, and overlooking our real strength - at the time when God begins His process of reclaiming us to a truer view of our place in His great system of providence. And when He visits us, then in a little while there is a stirring within us.

The feebleness of the things of this world are forced upon our minds; they promise but cannot perform, they disappoint us. Or, if they do perform what they promise, still they do not satisfy us. We still crave for something, we do not well know what; but we are sure it is something which the world has not given us. And then its changes are so many, so sudden, so silent, so continual. It never leaves changing; it goes on to change, till we are quite sick at heart; then it is that our reliance on it is broken.

It is plain we cannot continue to depend on it unless we keep pace with it and go on changing too; but this we cannot do. We feel that, while it changes, we are one and the same; and thus under God's blessing we come to have some glimpse of the meaning of our independence of things temporal, and our immortality. And should it so happen that misfortunes come upon us (as they often do), then still more are we led to understand the nothings of this world; then still more are we led to distrust it, and are weaned from the love of it, till at length it floats before our eyes merely as some idle veil, which, notwithstanding its many tints, cannot hide the view of what is beyond it and we begin by degrees to perceive that there are two things in the whole universe - our own soul, and the God who made it.

A TRIBUTE TO MY MENTOR

(by Saied A. Malik, Pakistan Army (Retired))

Today, Hazrat Sahibzada Mirza Muzaffar Ahmad Sahib is no more amongst us. His clear spirit soared at once to its accepted place among the fixed stars, in the firmament of rare immortals. His true life has begun with his death. I am induced to offer my personal sentiments at this solemn occasion.

To a child this world is everything; he seems to himself a part of his world - a part of this world in the same sense in which a branch is part of a tree; he has little notion of his own separate and independent existence, that is, he has no just idea he has a soul. He views himself merely in his connection with this world, which is his all; he looks to this world his good and when he tries to look beyond this life is able to discern nothing in prospect, because he has no idea of anything nor can fancy anything, but this life.

To understand that we have souls is to feel our separation from things visible, our independence of them, our distinct existence in ourselves, our individuality, our power of acting for ourselves this way or that way, our accountability for what we do.

These are the great truths which lie wrapped up indeed even in a child's mind, and which God's grace can unfold there in spite of the influence of the external world; but at first this

Mian Sahib to participate in the ceremony. The ceremony was held at Baitur Rahman Mosque after Maghrib and Isha prayers. Mian Sahib's work was done and he had to wait four hours to attend the ceremony. Yet he waited, despite my pleading that it was alright and that he should go home.

At our weekend meetings at Baitur Rahman, Mian Sahib would bring his lunch with him, as would other attendees from the metro area. Without fail, Mian Sahib would insist that I have half of his sandwich.

Once Mian Sahib called me to come to see him for a medical need. The day I was to travel to see him, the forecast was for snow in the metro area. Mian Sahib had Zahir call me to tell me not to come till the inclement weather was over.

The hallmark of Mian Sahib's leadership was that he was always available and easily accessible. Those who became closely associated with Mian Sahib and followed his instructions and guidance, excelled in their work

Mian Sahib was a great asset to the Jama'at. He shared his life with us. The working organization that Mian Sahib put in place for the USA Jama'at over the last twelve years is perhaps the best in the world. Taking into account the limited manpower we have in the USA Jama'at, it is all the more astonishing that we have, by the Grace of God achieved so much. Mian Sahib's legacy continues. May his soul rest in peace.

quickly. He would reverse his prior decision if needed. Once a Jama'at meeting was organized, with Mian Sahib's approval, everything was in place for the meeting. I was invited to the meeting to provide MTA coverage. On looking at the program, I felt that such a meeting had a potential of undermining the system of our Jama'at. I sent a note to Main Sahib, expressing my view. Mian Sahib called me up to discuss my view point. A few minutes later, he canceled the meeting.

God had blessed Mian Sahib with a very kind heart. He always told me that we should focus on facilitating work and outcome rather than penalty and punishment. When penalty and punishment became due, he would agonize over it. I remember a time when he wrote to a person four times seeking some positive response so no action may be necessary. In some of our special meetings where we were doing some assigned work, I would note some letters written to Mian Sahib that were disrespectful and hostile. Yet these never seemed to bother Mian Sahib and he carried out his work with utmost integrity and justice.

Mian Sahib gave precedence to others over his own self. Once at a wedding, he tripped and banged his leg on an object. He got up and sat down on a chair through the wedding as if nothing had happened. When I went to see him a few days later, he had a big haematoma on his leg. He told me that he felt the haematoma developing as he was sitting at the wedding but he would not disrupt the happiness of the occasion by drawing attention to himself.

When my daughter Fatima's Nikah ceremony was to be held, on the occasion of the Jalsa Salana USA 2000, I had requested

join in the prayers. Mian Sahib would say his prayers sitting on a chair at the extreme right of the front row. After the prayers were over, Huzoor would turn around on the prayer mat and talk to the gathering. During this process, Mian Sahib would slowly and unnoticeably slide off the chair and sit on the ground so as to be at the same level as Huzoor. He did this despite the pain and difficulty he felt sitting on the ground. Another attribute of Mian Sahib was his humility and simplicity. A person of Mian Sahib's

stature and his accomplishments never let it be known by his words and actions that he was above everyone else. On the contrary, his demeanor was simple and he was a mild mannered person. This simplicity was also reflected in the workings of the USA Jama'at.

An attribute of Mian Sahib was his regard for time. He would strive to be punctual, despite the fact that his back pain was an impediment. Whenever I had an appointment to see Mian Sahib at his house, he would be ready and waiting. He once said to me that it bothered him when some people would show up an hour or two late without any valid reason and without calling to let him know that they were going to be late.

A special attribute of Mian Sahib was his propensity to seek diverse opinions on various Jama'at matters. His usual custom was that he would send a written note to various people, seeking their comments. In addition, during several of my visits with Mian Sahib, I would note that he would broach various issues with me, unrelated to my office. I am sure he did this with many other people as well. God had given Mian Sahib the wisdom to be able to discern right from wrong very

M. M. AHMAD SOME FOND MEMORIES

(by Dr. Nasim Rehmatullah)

With the passing of Sahibzada Mirza Muzaffar Ahmad Sahib, Amir Jama'at USA, we have lost a distinguished leader and a great human being. Prior to becoming the Amir Jama'at USA, Mian Sahib served Pakistan as a distinguished leader in finance and then served the world community as a director of the World Bank.

Over the last decade or so, I had developed a very close relationship with Mian Sahib and I look back with fondness at this unique man who spent most of his waking hours in the service of the Jama'at. I thank God for this blessing and for this privilege afforded to me to spend so much time with Mian Sahib and to learn from Mian Sahib's vast experience.

I would like to share with the readers my observations with regard to Mian Sahib.

Mian Sahib demonstrated in his words and actions an unparalleled regard and respect for Khalifat. Whenever he wrote to Huzoor, he would write and rewrite his letters, making sure the letters were concise and to the point, as not to infringe unnecessarily on Khalifatul Masih's time.

In 1998, when Huzoor was here for Jalsa Salana USA, as was Huzoor's custom, Huzoor was staying at Mian Sahib's house. At Fajr prayers at Mian Sahib's house, some of us would also

index

NAFILA MEHDI

BY

RANA ABDUL RAZZAQ KHAN,
LONDON

حضرت مرزا مظفر احمد صاحب المعروف ایم ایم احمد کی چند یادگار تصاویر

تعارف مصنّف

رانا عبدالرزاق خان

پیدائش۔ 13 اپریل 1951۔ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

تعلیم۔میٹرک،ایف اے تعلیم الاسلام سکول و کالج ربوہ۔۔بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور

1972. ملازمت۔۔سپروائزر۔پیکیجز بورڈ ملز لاہور۔زعیم۔خدام الاحمدیہ حلقہ جنرل ہسپتال قیادت ماڈل ٹاؤن لاہور

1975 بحرین عربین گلف روانگی بطور ایگریکلچر اسسٹنٹ بحرین۔وہاں نو سال سیکٹری مال جماعت کام کی توفیق ملی۔

شادی 28 نومبر 1977 ربوہ۔۔سسر چچا جان ناصر احمد بہادر شیر افسر حفاظت خاص۔۔شمولیت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

1984 میں والد صاحب کی وفات پر تقرری نمبردار چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب۔

1985 قائد خدام الاحمدیہ ضلع خوشاب۔1989 صدر جماعت احمدیہ چک نمبر 2TDA ضلع خوشاب مسلسل 2005 تک صدر رہے۔16 سال۔

1995۔ناظم مجلس انصار اللہ ضلع خوشاب وشمولیت ممبر شوریٰ مرکزیہ۔سیکٹری دعوت الی اللہ ضلع خوشاب 1997۔۔ذیابیطس کی بیماری لگی۔

2001۔انتخاب بطور امیر ضلع خوشاب۔ 2005۔روانگی لندن۔رضا کارانہ خدمت شعبہ عمومی مجلس انصار اللہ مرکزیہ عرصہ دس سال۔

2009 مجلس شعر و سخن کا قیام بوساطت محترم مبارک صدیقی صاحب

2010۔کالم نگاری یو کے ٹائمز۔۔۔ایڈیٹر گوشہ ادب یو کے ٹائمز۔۔۔اخبار احمدیہ یو کے کے ادارتی بورڈ میں شمولیت۔جو کہ آج تک ہے۔

2012۔ معاون صدر TICOSA UK 2013۔قندیل ادب انٹرنیشنل کا اجرا جنوری سے شروع۔

2014۔سیکرٹری تجنید TICOSA UK ساری تجنید مرتب کی۔رسالہ قندیل حق کا جنوری 2018 میں اجرا کیا۔

2015۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK مشاعرے اور دورہ جات کروائے۔

2017۔جنرل سیکرٹری TICOSA UK۔دو کتب کی اشاعت۔قندیل حق 500 صفحات۔قندیل علم۔506 صفحات

2018۔تیسری کتاب کی اشاعت ہوئی۔دانشکدہ عظیم 600 صفحات۔ایک دینی میگزین، قندیل حق سہ ماہی شروع کیا گیا۔

2020۔چوتھی کتاب کی اشاعت۔۔سپوت ایشیا۔630 صفحات 2022۔پانچویں کتاب۔تاریخ کا ٹھگڑھ 500۔صفحات

2023۔چھٹی کتاب بہادر شیر مرحوم۔صفحات 100۔ساتویں کتاب نافلہ مہدی ایم ایم احمد صاحب۔قندیل ادب انٹرنیشنل کے دس سال مکمل۔

آٹھویں کتاب مجموعہ کلام (قندیل صحرائی) کے نام سے شائع ہونے کو تیار ہے۔

اس عرصہ میں رانا عبدالرزاق خاں نے تین صد سے زائد مشاعرے کروائے۔جس میں ہزاروں شعراء نے شمولت کی۔زوم پر بھی مشاعرے کروائے گئے۔

2023 نویں کتاب... موسیقارِ دربارِ خلافت ثاقب زیروی کی سوانح تحریر کی۔دسویں کتاب قائداعظم کا دستِ راست۔۔چوہدری سر ظفر اللہ خاں کے متعلق بھی تیار کر رہے ہیں جو کہ آخری مراحل میں ہے۔۔۔نیز قندیلِ حق کے 24 رسالے نکال چکے ہیں۔

NAFILA MAHDI

(Grandson of Mahdi)

Life History of Hadrat Mirza Muzaffar Ahmad

Compiled by :

Rana Abdul Razzaq Khan, London